ذکر اللہ جل جلالہ

کے

فضائل و مسائل

تالیف

حضرت مولانا سید مفتی مختار الدین صاحب مدظلہ العالی کربوغہ شریف

خلیفہ مجاز ریحانۃ العصر شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی

نور اللہ مرقدہ

دار الایمان

DARUL-IMAAN

مقدمہ کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

اَلحمد للّٰہِ وَ کَفٰی وَ الصَّلوٰۃُ وَ السَّلامُ عَلیٰ عِبادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اللہ تعالیٰ بے انتہا بڑے ہیں ان کی یاد بھی بہت بڑی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛ وَلَذِکْرُ اللہِ اَکْبَر : اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (عنکبوت) اور اس کی یاد سے انسان کے دل کو حقیقی اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے۔ اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب : اچھی طرح سن لو، دلوں کو اطمینان یادالٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اور یہی اطمینان وسکون انسان کے اندر وہ عزم اور حوصلہ پیدا کر دیتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر خوف اور ہر طمع سے بے پرواہ کر دیتا ہے اور یہی وہ اصل قوت اور حقیقی جوہر ہے جو ایمان اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے حاصل ہوتا ہے اور جس شخص اور جس قوم کو حقیقی معنوں میں ایمان اور یادالٰہی کی نعمت نصیب ہوتی ہے وہ شخص اور وہ قوم حقیقی عزت وترقی کی راہ پر بڑھتی ہے اور یہی ایمان ویادالٰہی پوری شریعت کی روح ہے۔ تمام اعمال حسنہ جیسے نماز، روزہ، زکواۃ، حج، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، حقوق العباد اور جہاد وغیرہ اعمال صالحہ کی شکلیں اور صورتیں ہیں اور ان اعمال کی روح اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اگر یہ اعمال ذکر اللہ کی روح سے خالی ہو جائیں تو ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور جس عمل کے اندر جس قدر خلوص ومحبت اور یادالٰہی ہوگی اسی قدر وہ عمل قیمتی اور وزنی ہوتا ہے۔

پھر یہ یادالٰہی صرف پوری شریعت اور اعمال حسنہ کی روح نہیں بلکہ موجودہ دنیا کی روح بھی اللہ تعالیٰ کی اختیاری یاد ہے جب تک پوری دنیا میں ایک بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اللہ اللہ کہتا ہوگا تب تک آسمان وزمین کا یہ نظام باقی رہیگا اور جب پوری دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہ پایا جائے گا جس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور ہو جو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارے اور اس کی طرف بلائے تو قیامت برپا ہو جائے گی اور موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ کی یاد سے بڑھ کر نہ کوئی چیز ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور اسکی یاد میں ترقی کرنے کیلئے جس طرح صحیح عقیدہ اور ایمان کی ضرورت ہے اسی طرح اس کو ترقی دینے کیلئے آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات میں غور وفکر اور دل وزبان سے سراً وجہراً اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھی ضروری اور مفید ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے کچھ زبانی اور عملی اذکار سراً وجہراً خاص مقدار

میں فرض وواجب قرار دیئے ہیں جن کی ایک کامل صورت نماز ہے نیز فرض وواجب مقدار کے علاوہ کثرت سے ذکر کی ترغیب دی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی طرف بڑھنے کا راستہ کھلا رہے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جس چیز کی سب سے زیادہ اہمیت اور ضرورت ہے اور جس چیز کے بارے میں قرآن وحدیث میں سب سے زیادہ ترغیب دی گئی ہے اس چیز کی کمی کے باعث امت مسلمہ کی اجتماعی روح کمزور ہوکر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہے ایسے وقت میں ذکر الٰہی کی اہمیت اور قدر و قیمت کو مختلف انداز سے گھٹایا جارہا ہے حالانکہ اس وقت امت مسلمہ کے ساتھ بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی تو یہ تھی کہ لوگوں کو کثرت ذکر اور آخرت کی طرف متوجہ کیا جاتا لیکن بعض لوگوں نے اس معاملہ میں کچھ ایسا رویہ اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں میں تو کیا دینی طلباء وعلماء میں بھی یاد الٰہی کا جذبہ کمزور پڑتا جارہا ہے اور لوگوں کی زبان عام طور پر اللہ تعالیٰ کے نام کی بجائے اپنے اپنے لیڈروں کے ذکر سے تر رہتی ہے ان میں سے بعض نے یہ رویہ اختیار کیا ہوا ہے کہ جب وہ کسی ایسے طالب علم کو دیکھتے ہیں جو صوم وصلوٰۃ کا زیادہ پابند ہے اور عمامہ باندھتا ہے تو ایسے طالب علم کو شیخ اور صوفی وغیرہ کے نام سے یاد کرکے اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس طرح وہ لوگوں کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی سنتوں عمامہ وغیرہ اور یاد الٰہی کی قدر و قیمت کم کرتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ مجالس ذکر کے انعقاد کا انکار کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ احناف کے نزدیک تداعی الی النوافل درست نہیں۔ حالانکہ یہ اصول صرف نوافل کی جماعت کے ساتھ خاص ہے۔ کہ نفلی نماز کی جماعت کو اذان سے نہ بلایا جائے مطلقاً نفلی کاموں اور اذکار کی طرف بلانا اور پھر اس کے انکار کو احناف کی طرف منسوب کرنا احناف کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے اور ان کو عملی میدان میں بدنام کرنا ہے۔ مجالس ذکر کی طرف بلانا اور ایسی مجالس کے انعقاد کی ترغیب تو خود واضح نصوص اور احادیث سے ثابت ہے اور جس طرح شریعت میں ذکر کی ترغیب موجود ہے اس طرح مجلس ذکر کی بھی ہے۔

ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ذکر جہر کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور اپنے مدعا کی تائید اور دلیل میں ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة (القرآن) و اذکر ربک فی نفسک تضرعاً و خیفة و دون الجهر من القول (القرآن) اور اربعوا علی انفسکم (الحدیث) کو پیش کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ ان آیتوں کے سیاق وسباق پھر ان کے الفاظ "تضرعاً" "جهراً" "دون الجهر" اور اربعوا کے معانی میں غور وفکر کرتے اور پھر قرآن وسنت کے دوسرے نصوص کے ساتھ ان کو ملاتے تو ان کو قرآن وسنت میں کوئی تضاد کوئی ٹکراؤ اور اختلاف نظر نہ آتا۔ نیز اگر وہ شریعت مطہرہ کے احکامات اور تواتر سے ثابت شدہ اعمال کو سامنے رکھتے جن کا آدھے سے زائد حصہ جہری ہی ہے تو یہ لوگ قطعاً اس طرح کی رائے قائم نہ کرتے پھر حیرانی یہ ہے کہ استسقاء میں

صرف جہری قراءت ہی نہیں بلکہ اس میں جہراً دعائیں بھی مانگی جاتی ہیں اور لوگ پیچھے آمین آمین بھی کہتے ہیں اور ختم قرآن اور دوسرے اجتماعات کے موقع پر لمبی لمبی اجتماعی دعائیں لاؤڈ اسپیکر پر مانگی جاتی ہیں اور حرمین شریفین میں رمضان المبارک کے ختم القرآن کے موقع پر نماز کے اندر جہراً دعائیں مانگی جاتی ہیں اور جہر کے منکر خود بھی عملاً اجتماعی دعاؤں میں جہراً دعا پڑھتے ہیں پھر بھی جو آیت " ادعوا ربکم " دعا کے بارے میں صریح اور واضح ہے اس آیت کو ذکر جہر کی ممانعت میں پیش کرتے ہیں۔ منکرین جہر کی تحریروں ان کی تقریروں اور ان کے عمل کو دیکھا جائے تو ان سے یہی ثابت ہوگا کہ وہ اپنے مدعا میں ڈانواں ڈول ہیں۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یا تو ان کی تحقیقات صرف گروہی تعصب اور خالص مناظرانہ رویہ پر مبنی ہیں یا پھر انہوں نے جہر کے اس اختلاف کے مفہوم میں ٹھوکر کھائی ہے جس کو رفع الصوت " جہر " یعنی جہر کامل، جہر شدید اور جہر مفرط کہا جاتا ہے اور یہ وہ آواز ہے جس کو گلا پھاڑ کر نکالا جائے اور اس کو اردو زبان میں پکارنا اور بلند آواز کہا جاتا ہے اور یہی وہ آواز ہے جو اذان اور اعلان میں نکالی جاتی ہے ایسے جہر میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس جہر کے ساتھ ذکر جائز ہے اور بعض اس کو مکروہ سمجھتے ہیں باقی رہا جہر معتدل تو اس میں نہ کبھی دو رائے ہوئی ہیں اور نہ ہوسکتی ہیں یہ بالاتفاق جائز ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس میں بھی شک نہیں کہ بعض لوگوں کا انداز جہر اور اس کی عملی صورت اس قدر بے ڈھنگی اور غیر سنجیدہ ہوتی ہے کہ اس سے واضح طور پر اللہ تعالٰی کے نام کی بے ادبی اور توہین محسوس ہوتی ہے یا ان کے جہر کی وجہ سے لوگوں کی نمازوں میں خلل پڑتا ہے لیکن بعینہ یہ بلکہ اس سے زیادہ ایذا رسائی اور اللہ تعالیٰ کے نام کی بے ادبی عام مروجہ جلسوں، جلوسوں اور رات کے وقت شبینوں میں ہوا کرتی ہے اور وہ بھی لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے یقیناً ایسے جلسے جلوسوں پر نکیر لازم ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو ایذا رسائی ہو اور اللہ تعالیٰ کا نام ایسے اچھل کود کر لیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین ہو یا مجلس ذکر یا کوئی جلسہ، اجتماع وقار، سنجیدگی کے خلاف ہو۔

اس بات کا آسان حل یہی ہے کہ جہر اور مجلس ذکر پر نکیر نہ کی جائے اور عام اصول کو پھیلایا جائے وہ یہ کہ اللہ تعالٰی کا نام محبت وعظمت سے لیا جائے۔ اور ایسے انداز سے قطعاً پرہیز کیا جائے جس میں اللہ تعالٰی کے نام کی عظمت وعزت مجروح ہوتی ہے یا کسی نمازی کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو۔ یا سوئے ہوئے یا جسمانی مریض کو اس سے ایذاء اور نقصان پہنچتا ہو یا اس قدر شدید جہر ہو جس کی وجہ سے خود ذکر کرنے والے کو ایذاء اور نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا جنگی موقع پر کیا جائے جس کی وجہ سے دشمن کو اسلامی فوج کے ٹھکانوں کا پتہ چلے یا اپنی مجلس ذکر پر اس قدر زور دیا جائے کہ اس میں اگر کوئی نہ بیٹھے تو اس پر لعن طعن کیا جائے اور اس کو اپنی نفلی حیثیت سے بڑھا کر اس کو فرضیت کے درجے پر پہنچا دیا جائے تو یہ وہ عام اصول ہیں جس کی وجہ سے کوئی جائز اور نفلی کام ناجائز ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں فضائل اذکار کے ساتھ ذکر جہر اور مجالس ذکر جہری پر بھی مفصل بحث کی گئی ہے اور ان غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی گئی ہے جو عام طور پر ذکر جہر اور مجالس ذکر جہری کے متعلق پھیلائی جاتیں ہیں۔

بندہ

مختار الدین،

کربوغہ شریف

۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

ل اس کے مفصل بیان کیلئے کتاب جواہر الاسلام میں "اللہ تعالی کے خاص حقوق میں شرک" کو پڑھ لیجئے۔ نیز "عقیدہ اور عقیدت" میں بھی اسکی کچھ تفصیل موجود ہے

آغاز کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکر الٰہی کا بیان اور قوت محبت کا اصل مصرف

انسان کے اندر ایک عظیم قوت محبت ہے اور جس چیز کے ساتھ اسکی محبت ہو جاتی ہے، اسی چیز کی یاد اسکو آنے لگتی ہے۔ اور جب اس چیز کی محبت دوسری چیزوں پر غالب آ جاتی ہے، تو اس کو عشق کہا جاتا ہے پھر اسی عشق اور شدید محبت کے ادنٰی سے لیکر اعلیٰ تک بے شمار درجات ہیں۔ اور جس کا لاوہٗ محبت جس قدر دوسروں سے کٹ کر اپنے محبوب کی طرف بہہ نکلتا ہے۔ اسی قدر وہ اپنے محبوب کی محبت میں ڈوبتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ جب، محبت زیادہ شدت اختیار کر جاتی ہے تو انسان خود بھی محبوب کی خوشنودی میں ایسا گم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپکو بھی نہیں پا سکتا۔ اور اسکی اپنی کوئی مرضی نہیں رہ جاتی۔

محبت کا ابتدائی اور کامل درجہ:

ہر محبت کے ظہور کے بے شمار درجات ہیں۔ اس کا ابتدائی درجہ میلان کہلاتا ہے اور اس کے اعلیٰ درجہ کا نام عشق ہے۔ پھر عشق کے اعلیٰ سے بھی اعلیٰ بے شمار درجات ہو سکتے ہیں۔

بعض لوگوں نے محبت کے اس جذبے کو دنیا کی بے شمار چیزوں سے وابستہ کر رکھا ہے۔ اس طرح اسکی طاقت بکھرنے کی وجہ سے اس جذبہ کا کوئی نمایاں اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور جن لوگوں نے دنیا کی پر کشش چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے اس جذبہ کو وابستہ کیا۔ تو اس کو اس سلسلہ کی نمایاں ترقی حاصل ہوئی۔ لیکن یہ محبت اس قدر گھٹیا ہوتی ہے کہ ان چیزوں سے محبت کرنے والے کو کوئی عاشق کے نام سے نہیں پکارتا۔

ہاں؛ بعض لوگوں نے مخلوق میں سے اشرف المخلوقات یعنی انسان کے کسی فرد سے محبت کی اور اس محبت میں اسکو کافی ترقی ہوئی۔ کیونکہ انسان میں محبت کرنے کی وجوہات (حسن و جمال، کردار و گفتار و رفتار وغیرہ) دیگر ساری مخلوقات سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اور خود ان معشوقوں میں بھی محبت کا مادہ پایا جاتا ہے۔ وہ بھی عاشق کے جذبہ عشق کو اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچتے ہیں۔ اور اس کی قوت محبت کو مجتمع کر کے صرف اپنی طرف

لگادیتے ہیں۔

محبت کس کے ساتھ کی جائے؟

اب سوال یہ ہے کہ محبت کی جائے تو کس سے؟ انسان کی اس عظیم قوت کے مصرف کا مستحق وہی ہوسکتا ہے۔ جو محبت کالائق و مستحق ہو۔ وہ ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہیں[1] اس میں انسان کی فلاح ونجات ہے۔ اور اسی میں راحت وسکون، اور اس کے برعکس دنیا اور دنیا کی چیزوں سے محبت سراسر پریشانی وسرگردانی اور بے چینی وبے اطمینانی ہے۔ اور دنیا وآخرت کی ھلاکت ہے۔ کیونکہ دنیا کی چیزیں، خواہ وہ مال ومتاع ہو یا جاہ ومنصب یا کوئی انسان، بہرحال فانی چیزیں ہیں اور ناپائیدار ہیں۔ اسلئے ان تمام چیزوں کے ساتھ محبت کی وجہ سے انسان پریشان وسرگردان رہتا ہے۔

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ سے محبت ہوجائے جوحی وقیوم ذات ہے۔ راحت وتکلیف، غم وخوشی، خوف واطمینان کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ حسن وجمال اور ساری صفات کمال اس کی ذاتی اور لامحدود ہیں۔ اس نے آسمان وزمین کی چیزیں ہمارے لئے بنائیں۔ اور ان چیزوں کو مسخر کرکے ہمارا غلام اور تابع بنایا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آخرت کی دائمی زندگی میں ہمارے لئے راحتوں اور خوشیوں کا سامان کیا پھر وہ محبوب بھی ایسے محبت کرنے والے اور مہربان ہیں۔ کہ جوان کے ساتھ تھوڑی سی بھی محبت کرتا ہے۔ اور تھوڑا سا بھی ان کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ تو وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور اسکو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیتے ہیں۔ اور جو جس قدر زیادہ محبت کرتا ہے۔ اسی قدر اسکو وہ اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیتے ہیں۔ اور جسکو وہ ذات اپنی رحمت میں لے لے۔ تو ایسے شخص کو حزن ہوسکتا ہے اور نہ ملال، نہ کسی کا خوف ہوتا ہے نہ غم۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ: سن لو! اللہ تعالیٰ کے دوستو کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے (یونس ۶۲) اور یہی محبان الٰہی، انبیاء علیہم السلام اور ان کے بعد اولیاء اللہ ہیں۔ جو دنیا میں بڑے بڑے اصلاحی انقلابات لاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے بجائے دنیا کی چیزوں سے محبت رکھنا خالق، حقیقی مالک اور محبوب حقیقی کے ساتھ عظیم بے وفائی ہے۔ اور اسکی نعمتوں کی عظیم ناقدری اور ناشکری ہے۔ اسلئے حکم دیا جارہا ہے۔

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْلِیْ وَلَاتَکْفُرُوْنِ:

پس تم مجھ کو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھونگا اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری نہ کرو (بقرۃ ۱۵۲)۔

حبِّ الٰہی کیسے پیدا کی جائے؟

اللہ تعالیٰ کی محبت جو دنیا و آخرت میں چین و سکون اور فلاح کا سبب ہے کیسے حاصل ہو؟ اس کے لئے بہت بڑی رکاوٹ انسان کا خود اپنا نفس ہے اس سے لڑ کر اسے اپنے پروردگار کی مرضی اور اسکی تعلیم و ہدایت کے مطابق وموافق بنانے کی کوشش کرنا جسکو مجاہدہ نفس کہتے ہیں اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا جن کے اندر اللہ تعالیٰ کے عشق کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اسکی محبت کو حاصل کرنے کا ایک قریب راستہ اللہ تعالیٰ کی اٰ ائن کو اختیار کرنا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت قائم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ اور یہی یاد حق ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں ڈال دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عشق و محبت اور اپنی یاد نصیب فرمائے۔ آمین؛

ذکر الٰہی کیا ہوتا ہے؟

ذکر کے لفظی معنٰی 'یاد کرنے' اور 'یاد رکھنے' کے ہیں۔ اور اسکی ضد غفلت اور نسیان ہے۔ اور یہ بات تو بالکل ظاہر ہے۔ کہ یاد کا تعلق دل سے ہے، اور اسکی اصل جگہ دل ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، کہ آدمی نام بھول جاتا ہے۔ اور اس کے الفاظ یاد نہیں رہتے، البتہ اسکی ذات اور شخصیت دل میں باقی رہتی ہے۔ یا مثلاً کوئی چیز آپ سے گم ہوگئی ہے، اور آپ اس کو ڈھونڈ رہے ہیں، لیکن اسکا نام آپ بھول گئے ہیں۔ تو ایسی صورت میں وہ چیز آپکو یاد رہتی ہے۔ اگر چہ اسکا نام یاد نہیں آتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کا تعلق اور اصل جگہ بھی دل ہے۔ البتہ الفاظِ ذکر وفکر سے یہ یاد دل میں پیدا ہوتی ہے، اور الفاظ سے ذکر کرتے کرتے انسان اس نہج پہ پہنچ جاتا ہے کہ بالآخر یاد الٰہی انسان کے دل کی صفت بن جاتی ہے۔

ذکر الٰہی کائنات اور اعمالِ شرعیہ کی روح ہے:

اس دنیا میں ہر چیز کی زندگی روح سے ہے۔ محض بدن سے کوئی چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب تک بدن کے اندر روح ہے، زندگی کہلاتی ہے جیسے ہی روح نکل جاتی ہے۔ آدمی کو مردہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اسے باقی رکھا جائے۔ وہی انسان جس سے محبت کا تعلق ہوتا ہے۔ روح نکلنے کے بعد اس سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعلق اور محبت درحقیقت بدن سے نہیں بلکہ اس کے اندر جو روح سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس سے ہوتا ہے۔ اسی طرح پوری کائنات بھی کسی روح سے زندہ ہے۔ جب تک یہ روح کائنات میں موجود ہے۔ یہ زندہ کہلائے گی اور جب یہ روح نکل جائے گی تو عالم کائنات کی موت واقع ہو جائے گی۔ اور

قیامت برپا ہو جائے گی۔

عالم کائنات کی روح کیا ہے؟ اس کے متعلق خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ " لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰی یُقَالُ فِی الْاَرْضِ اللّٰه اللّٰه " (قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک اس دنیا میں ایک آدمی بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہو) جسکا مطلب یہ ہے کہ جب ایک آدمی بھی ایسا نہ رہے جو اللہ اللہ کہتا ہو تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور عالم کائنات کو موت آ جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالمِ کائنات کی روح اختیار کے ساتھ یادِ الٰہی ہے۔ اور جب یہ روح نہ رہے گی تو عالمِ کائنات کا مرکزِ وجود ختم ہو جائے گا۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ یہ موجودہ آسمان و زمین تو انسان ہی کیلئے بنائے گئے ہیں جب کائنات میں ایسا انسان ہی باقی نہ رہا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو، جس کی وجہ سے وہ اللہ اللہ کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ آسمان و زمین کا ہونا فضول ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان اور حکمت بھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ ایک لمحہ کیلئے بھی کسی بے کار اور فضول نظام کو چلائے رکھے (واللہ اعلم)۔

غرض اصل بنیادی چیز روح ہے۔ بغیر روح کے زندگی ہے اور نہ ہی کسی چیز کیلئے بقاء۔ تو جس طرح مادی اشیاء کی زندگی اور بقاء کا تعلق روح سے ہے۔ اسی طرح اعمال شرعیہ بھی روح ہی سے زندہ ہوتے ہیں۔

اعمال شرعیہ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور قتال فی سبیل اللہ وغیرہ یہ سارے اعمال کی شکلیں اور صورتیں ہیں۔ ان اعمال کی روح یادِ خداوندی ہے۔ اگر یہ ذکر اللہ کی روح سے یکسر خالی ہوں۔ تو انکی کوئی بھی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اور جس عمل میں جسقدر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا، وہ عمل اسی قدر وزنی اور قیمتی ہوگا۔ ذکر سے مراد یہاں "دل کی بیداری"، اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا اور اللہ تعالیٰ سے دل لگاؤ ہے۔ صرف الفاظِ ذکر مراد نہیں۔ کیونکہ الفاظِ ذکر بھی یادِ الٰہی کی ایک صورت ہیں۔ پس اگر نماز میں یادِ الٰہی کے بجائے غفلت آ جائے تو نماز ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ": نماز قائم کرو میری یاد کیلئے (القرآن الکریم)۔ جب نماز یادِ الٰہی سے خالی رہی۔ مثلاً نماز کی نیت ہی صحیح نہ ہو کہ ریاء و شہرت کیلئے ہو۔ تو روحِ نماز بالکل ختم ہو جائے گی۔ اب محض قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ کی ترکیب نماز کا بے روح ڈھانچہ ہوگا۔ جسکی کوئی قدر و قیمت عند اللہ نہ ہوگی۔ اور ایسی نماز جس میں ذکر اللہ اور یادِ الٰہی نہ ہو وہ نماز بے روح ہوگی۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔ "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ": بلاشبہ نماز فحش (گندی، بے حیائی) اور برے کاموں سے روکتی ہے (قرآن مجید)۔ اب ہم نماز بھی پڑھتے ہیں، نوافل کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم ظاہری اور باطنی ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو یہ ہے کہ نماز فحش اور منکرات سے بچا دیتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بالکل

سچا ہے۔ اگر ہماری نمازوں کے اندر ذکر ہوتا تو یہی کچھ ہوتا۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔ لیکن ہم نے نمازوں کا ڈھانچہ تو قائم کیا ہے۔ اور جو روح اور یادِ حق ہے وہ ہماری نمازوں کے اندر نہیں ہے جسکی وجہ سے ہماری نمازیں بے روح اور مردہ ہیں۔ تو یہ بے جان اور مردہ نمازیں منکرات اور برائیوں سے بچا دینے والی کیسے ہونگی؟ نماز میں جان ہو تو تب منکرات سے بچا دینے والی ہوگی۔

اسی طرح اگر روزہ کے اندر یادِ الٰہی نہ رہی تو یہ بھی محض بے روح ڈھانچہ ہوگا۔ اور فاقہ کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جسکی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ نیت کی سچائی اور اس میں یادِ الٰہی ہونے سے روزہ زندہ ہو کر عبادت بن جاتا ہے۔ ورنہ عبادت کے بجائے رسم و عادت بن جاتا ہے۔

زکوٰۃ میں یادِ حق اور سچی نیت نہ ہو تو زکوٰۃ بے روح ہو جائے گی۔ اسلئے اعمال میں ذکر اللہ کو سب سے زیادہ فضیلت دی گئی ہے۔ اس سے بڑھکر کوئی بھی عمل نہیں۔ بلکہ ہر عمل کی مقبولیت ذکر اللہ اور یادِ خداوندی کی مرھونِ منّت ہے۔

غرض سارے اعمال شرعیہ کی روح اور جان درحقیقت ذکر اللہ اور یاد خداوندی ہے۔ اگر یہ روح نکل جائے۔ تو عبادت، عبادت کے بجائے رسم و عادت بن جاتی ہے۔ رسم اور عبادت میں یہی فرق ہوتا ہے کہ رسم و عادت محض صورت اور ڈھانچہ ہوتا ہے جس میں یادِ الٰہی نہیں ہوتی اور عبادت ایسا ڈھانچہ اور صورت ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے۔ خواہش نفس کی آمیزش نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اگر ہم دن رات اللہ اللہ کرتے جائیں لیکن غفلت سے کریں روح کے اندر بیداری نہ ہو اور دل میں خلوص نہ ہو۔ دکھلاوے کیلئے ہو۔ تو یہ اللہ اللہ کرنا بھی صرف ذکر کی صورت اور ڈھانچہ ہوگا۔ جو کہ روح اور یادِ حق سے خالی ہوگا۔ اور اسکا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ روح ہی سے قدر و قیمت بڑھتی ہے اور اسی سے وزن قائم رہتا ہے۔ صرف زبان سے 'اللہ' کہہ دینا کافی نہیں جس کے ساتھ دل کی یاد شامل نہ ہو۔ مولانا روم رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

برزبان　تسبیح　ودردل　گاؤ　و　خر
این　چنین　تسبیح　کے　دارد　اثر

یعنی زبان پر تسبیح جاری ہے۔ مگر دل میں گھربار کا خیال آ رہا ہے، بات دکان کی سوچ رہا ہے، دل کے اندر دوسروں کیلئے گڑھے کھود رہا ہے۔ اور زبان پر اللہ اللہ جاری ہے۔ یہ ذکر تو ہے۔ مگر قلبی نہیں زبانی ذکر ہے۔ تو جو صرف زبان سے اللہ اللہ کہتا جائے دل ساتھ نہ ہو وہ کافی نہیں۔

غرض اللہ اللہ کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں جان و مال

سے لڑنا وغیرہ سارے اعمال ڈھانچے اور صورتیں ہیں۔ انکی روح ذکر اللہ اور یاد خداوندی ہے۔ جو دل کی بیداری اور اللہ تعالیٰ سے لگاؤ ہے۔ یہی یاد اور ذکر اللہ اعمال شرعیہ کی روح ہیں۔ قیامت میں صرف صورتوں اور ڈھانچوں کی نمائش نہ ہوگی۔ بلکہ ان اعمال کا وزن ہوگا، جن میں یادِ حق ہوگی اور ان ڈھانچوں کا ظہور ہوگا، جن میں یادِ الٰہی کی روح چمکتی ہو۔ چنانچہ بہت چھوٹی سی پرچی جس کے اندر یہ روح پائی جائے۔ ننانوے دفتروں پر غالب آئے گی یہ اس لئے کہ اس بندۂ خدا نے لاالٰہ الاّ اللہ کا صرف لفظ نہیں کہا تھا بلکہ اس میں اس کا اخلاص اور دلی لگاؤ بھی شامل تھا۔

حاصل یہ نکلا کہ جسطرح کائنات کی روح اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اسی طرح پوری شریعت کی روح بھی یادِ الٰہی ہے۔ یہ جب دل میں ہوگی تو چھوٹے سے چھوٹے عمل کی بھی قدر و قیمت ہوگی۔ اور اگر شریعت میں سے روح کو نکال دیا جائے تو یہ بے جان ڈھانچہ ہوکر عادت بن جائے گی اور جب پوری کائنات میں ایک بھی آدمی یادِ حق رکھنے والا نہ ہوگا تو یہ دنیا بے جان ہوکر ختم ہو جائے گی۔ اسلئے قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ "وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ" جسکا مطلب یہ ہے کہ سب سے زیادہ وزنی چیز اور سب سے زیادہ پر عظمت چیز اللہ تعالیٰ کی یاد ہے کہ دنیا و مافیھا اسکا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس پورے مضمون سے کبھی کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہمارے اعمال ذکر و عبادت میں یادِ الٰہی تو ہے نہیں۔ ہمارے اعمال تو محض صورتیں اور ڈھانچے ہیں۔ اس لئے ان کے کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا لہٰذا ان کو چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ آپ برابر نماز، روزہ اور ذکر اللہ وغیرہ، اعمال کرتے رہیے۔ اگر ان صورتوں میں روح نہیں تو انکی صورت کو اچھی سے اچھی بنانے کی کوشش کرتے رہیے کہ اچھی شکل و صورت میں اچھی حقیقت آجاتی ہے۔ اور ان میں یادِ حق کو بتکلف لانے کی کوشش کریں (محنت اور تکلف سے یادِ الٰہی لانے کی کوشش کریں گے تو ثواب بھی دوہرا ملے گا۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص قرآن کریم پڑھنے میں مشقت اٹھاتا ہے اسکو دوہرا اجر ملے گا)۔ چنانچہ ان اعمال کی وجہ سے اور تکلف کے ساتھ ایسا کرنے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد جڑ پکڑے گی اور یادِ حق آجائے گی۔ لہٰذا یہ وسوسہ دل میں نہ آنے دینا چاہیے کہ میرے عمل میں روح یعنی یادِ حق اور اخلاص نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ۔ بلکہ آپ برابر فرض اعمال، نوافل اور آداب شرعیہ بجالاتے رہیں۔ اور ان میں بتکلف یادِ حق لانے کی کوشش کریں۔ مثلاً آپ نماز کا عمل کرتے ہیں۔ اگرچہ نماز میں مکمل استحضار نہیں لیکن جب تکبیر تحریمہ کے وقت دل کو حاضر کر کے اللہ تعالیٰ کیلئے نماز کی نیت کریں گے۔ تو ایسی صورت میں اگرچہ اسی قدر ثواب میں کمی ہوگی جس قدر خشوع کم ہوگا۔ کیونکہ نماز کے جتنے حصے

میں خشوع نہ ہوا سکا پورا ثواب تو نہیں ملیگا بلکہ اسی قدر ثواب میں کمی ہوگی۔ لیکن اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا اور تارک الصلوٰۃ لوگوں میں شامل ہونے سے بچ جائیں گے۔ اسی طرح اللہ اللہ کرنے میں یادِ حق نہیں تو زبانی ذکر میں اتنی نیت تو ضرور ہو کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کر رہا ہوں۔ اگر استحضار نہ بھی ہوا اور دل دوسری طرف متوجہ ہو تو بھی ذکرِ لسانی تو ہو جائے گا اور بالآخر اللہ تعالیٰ اس میں روح اور یادِ حق بھی ڈال دیں گے۔ اسی طرح فرض عبادات کے علاوہ نوافل کا بھی اہتمام کیجیے۔ اور ان میں بھی بتکلف یادِ حق لانے کی کوشش برابر کرتے رہیں۔ تو محنت کرنے سے رفتہ رفتہ ان اعمال میں روح اور یادِ حق آ جائے گی۔ اور آپ کے ان اعمال کا وزن اور اسکی قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ اور ان کے اثرات ظاہر ہوں گے۔ پھر اس یادِ حق کو بڑھانے اور اس کے اندر ترقی کرنے میں مرتے دم تک کوشش کرتے رہیے۔ اور کبھی بھی یہ خیال نہ آنے دیں کہ میں یادِ حق میں کمال تک پہنچ گیا اور ذکر کی کیفیت بڑھانے کیلئے فضائل ذکر سننے اور پڑھنے کا اہتمام کیجیے، نیک لوگوں کی صحبت میں رہیے یا ذکر کثرت سے کیجئے اور اس میں دل کو بیدار رکھنے کی کوشش کریں۔ اور تخلیقِ کائنات، آسمان و زمین اور ان میں سمائی ہوئی چیزوں میں غور و فکر کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ یادِ حق پیدا کرنے کی ایک آسان صورت یہ ہے۔ کہ اپنے آپکو کسی عالم اھلِ دل کے سپرد کیجئے وہ اس کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں جو نسخہ تجویز کردے۔ اس پر عمل کیجئے۔

یادِ حق کی شکلیں اور اسکی صورتیں:

ذکر کے معنٰی و مفہوم جاننے اور اسکا موضع و محل معلوم کرنے کے بعد جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کی مختلف صورتیں اور شکلیں تعلیم فرمائی ہیں اور حکم دیا ہے کہ انہی صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں۔ اسلئے دین اسلام کے تمام احکامات کو بھی مجازاً ذکر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں بھی بعض احکامات کیلئے ذکر ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ہم یہاں بطور نمونہ چند آیات پیش کرتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: اے ایمان والو! تمہیں تمہارے اموال اور تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو کوئی ایسا کرے گا (کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جائے) تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں (المنفقون۔۹)

اس آیت کریمہ میں ذکر سے مراد تمام فرائض و واجبات اور اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں۔ کہ ان فرائض و واجبات وغیرہ میں کوتاہی خسران اور نقصان کا باعث ہے۔ بدامنی اور خوف کی حالت میں نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ: اگر پھر تمہیں (کسی دشمن وغیرہ کا) خوف ہو اور اندیشہ ہو تو چاہے پیدل ہوں یا سوار (جسطرح بھی بن پڑے) نماز پڑھو۔ پھر جب امن پاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر (نماز) اس طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے۔ جسکو تم پہلے نہ جانتے تھے (البقرۃ ۲۳۹)۔

اس آیت میں نماز کو ذکر اللہ کہا گیا ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى: اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اسکی زندگی بھی تنگ ہو گی اور اسے ہم قیامت کے روز اندھا اٹھائیں گے (طٰہٰ-۱۲۴)۔

یہاں ذکر سے مراد قرآنِ مجید اور اللہ تعالیٰ کی تعلیمات ہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے اور جس پر عمل کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ کی پیروی بھی لازمی شرط ہے۔ تو آیت کریمہ کا حاصل یہ ہوا۔ کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم، نصیحت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے اعراض کرے گا۔ تو اس کا انجام دنیا و آخرت کی بے چینی، بے اطمینانی اور بربادی ہے۔

غرضیکہ ہر وہ چیز جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ الفاظ واقوال ہوں یا اعمال اور نقل و حرکت سب کے سب ذکر الٰہی میں داخل ہیں۔ اور یہ تمام کے تمام احکامات اور تعلیمات اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں۔ نماز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ دعائیں، قرآن مجید کی تلاوت، درود شریف، توبہ و استغفار ذکر اللہ ہیں۔ حتّٰی کہ وہ جائز کاروبار مثلاً تجارت و زراعت وغیرہ اگر ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کیجائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں شامل ہونگے۔ کیونکہ اس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اس لئے تو اسکی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

انسان ذکر اللہ کی ان تمام صورتوں اور شکلوں کی ادائیگی کا مکلّف ہے:

یادِ حق کی ان مختلف صورتوں کے اختیار کرنے کا بندہ مکلّف اور پابند ہے۔ اور اسکی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات کو ٹھنڈے دل سے قبول کرے اور اسکے ہر حکم کو رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں

ل اسکا تفصیلی بیان کتاب جواہر الاسلام میں "رسالت کے بیان" میں پڑھ لیجئے۔

ادا کرے اور یہی احکام، اعمال اور اوراد ہوتے ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے انسان کے اندر اللہ تعالٰی کی یاد رچ بس جاتی ہے اور اللہ تعالٰی کا عشق و محبت دل میں سما جاتا ہے۔ جس کے بعد انسان خود بخود بے اختیار اللہ تعالٰی کو یاد کرنے لگتا ہے۔ اور اسکی اطاعت اور بندگی میں آگے بڑھنے کیلئے کوشاں رہتا ہے۔ اگر کسی کو اللہ تعالٰی کی یاد میں زیادہ پختگی حاصل نہ بھی ہو پھر بھی انسان کی فلاح و نجات کیلئے اس قدر کافی ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کے تمام احکامات کو ٹھنڈے دل سے قبول کرے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ادا کرتا رہے۔ البتہ ذکر اصطلاح میں تہلیل، تکبیر، تسبیح، تلاوت اور دعا کا نام ہے۔ جسکا بیان انشاء اللہ آگے آجائیگا۔

اطاعت الٰہی سے اعراض کرنے والے ذاکر نہیں بلکہ کافر ہیں:

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہوگئی کہ جو لوگ یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ ہم کو حقیقی یاد اور معرفت الٰہی حاصل ہوگئی ہے۔ لہذا ہمارے لئے اب نماز، روزہ وغیرہ اعمال کی ضرورت باقی نہ رہی۔ جب ہمیں مغز مل گیا تو چھلکوں کی اب کیا ضرورت اور اپنے اس باطل دعوٰی کیلئے قرآن کریم کی یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ: اور اپنے رب کی بندگی کرو۔ یہاں تک کہ تمہیں یقینی چیز آجائے (الحجر-۹۹)، یہاں اس آیت میں یہ لوگ یقین سے مراد معرفت الٰہی لے لیتے ہیں۔ حالانکہ یہاں "یقین" سے مراد موت ہے۔ کیونکہ یقینی چیز موت ہی ہے۔ یہ بات دلائل سے بھی ثابت ہے۔ کیونکہ انسان پر آئندہ آنے والے جو حالات یعنی جوانی و بڑھاپا، غم و خوشی وغیرہ آتے ہیں۔ انسان کو ان حالات میں شک ہوتا ہے۔ کہ شاید جوانی اور بڑھاپے سے پہلے مر جاؤں۔ نیز مستقبل میں آنے والی چیزوں میں سے عذاب اور راحت قبر، قیامت، حشر، حساب و کتاب، جنت و دوزخ جیسے امور ایسے ہیں۔ کہ ان کے متعلق بہت سے لوگوں کو تردّد ہے۔ اور بہت سی اقوام ان کے ماننے سے انکار کرتی ہیں۔ لیکن موت ایسی چیز ہے۔ کہ جسکو وہ لوگ بھی مانتے ہیں۔ جو اللہ تعالٰی کی ہستی کے منکر ہیں۔ نیز موت ہی ایسی یقینی چیز ہے کہ جسکے بعد ان لوگوں کو بھی قیامت اور حشر و نشر کا یقین آجائیگا۔ کہ جو موت سے قبل ان چیزوں کا انکار کرتے تھے۔

اسلئے قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ بھی موت کو "الیقین" (یقینی چیز) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جہنمی لوگ جہنم میں جانے کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہیں گے۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ: اور ہم روز جزا کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں یقینی چیز آگئی یعنی موت آپہنچی (المدثر ۴۶-۴۷)، نیز نبی کریم ﷺ نے بھی اسی لفظ یقین کو موت کیلئے استعمال فرمایا ہے، چنانچہ جب حضرت عثمانؓ وفات پاگئے تو ان کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ " فقد جاءه اليقين وانى لارجوله الخير ": پس انکو یقینی چیز

(موت) آ گئی ہے اور میں ان کیلئے خیر کی امید رکھتا ہوں' (تفسیر قرطبی بحوالہ صحیح بخاری)۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیت وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْن کا مغز اور مطلب تو یہی ہے، کہ آخر دم تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا کرتے رہیے اور یہی وجہ ہے کہ کسی مفسر نے بھی یہ مطلب نہیں لیا ہے۔ کہ جب معرفت الٰہی حاصل ہو جائے تو بندگی یعنی نماز وغیرہ کو ترک کر دو۔

اور اس کے یہ معنی ہو بھی کیسے سکتے ہیں؟ حالانکہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت اور اسکا یقین نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا۔ کیونکہ نبی اول ہی سے نبی ہوتا ہے[1] لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ آخر دم تک مسلسل نماز وغیرہ کا پورا اہتمام فرماتے رہے۔ لہٰذا جو لوگ ایسے بے ہودہ خیالات رکھتے ہیں۔ اور معرفت الٰہی کا دعوٰی کر کے نماز، روزہ وغیرہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ وہ بلاشبہ الحاد وزندقہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ (ایسے لوگوں سے اور انکے بیہودہ خیالات سے اللہ تعالیٰ امن میں رکھے۔

جو لوگ احکام الٰہی میں کوتاہی کرتے ہیں وہ بھی حقیقی ذاکر اور صوفی نہیں ہیں:

نیز بعض لوگ اپنے آپکو ذاکر، شاغل بلکہ صوفی کہتے ہیں۔ اور نوافل ومستحبات کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں میں لوگوں پر تنقید کرتے ہیں۔ اور گرفت کرتے ہیں۔ لیکن خود فرائض و واجبات سے غافل رہتے ہیں۔ اور وہ فرائض و واجبات کا اس قدر اہتمام نہیں کرتے جس قدر اہتمام وہ نفلی عبادات کا کرتے ہیں یہ جاہ پرستی یا سراسر جاہلیت ہے ان لوگوں کو ذکر الٰہی کی حقیقت حاصل نہیں ورنہ جن لوگوں کو ذکر الٰہی میں کمال حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں اور فرائض واجبات کا خوب اہتمام کرتے ہیں، حرام اور منہیات سے بچنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی پابندی ان کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریز کرتا ہو اور غلط کاموں میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کو خوب سمجھنا چاہیے کہ اس کو یاد الٰہی کی حقیقت حاصل نہیں بلکہ یہ تکبر اور ایک وسوسہ ہے جو شیطان اس کے دل میں ڈال رہا ہے۔

ذکر اللہ زندگی کی بنیادی ضرورت اور دین اسلام کا اصل مقصد اور مغز ہے:

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ " ذکر اللہ " محض ایک فریضہ اور ضابطہ نہیں بلکہ وہ زندگی

کی بنیادی ضرورت اور فطرت انسانی کا ایک خاصہ ہے یہ روح کی غذا اور دل کی دوا ہے اس کے متعلق حضرت مولانا نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ " کتاب اللہ اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ امت کو رسول ﷺ سے دین و شریعت کی جو نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی ہے اس کے تمام شعبوں میں ذکر و دعا کی حیثیت اصل مقصود اور مغز کی ہے حتیٰ کہ نماز اور حج جیسی اعلیٰ عبادات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کا خاص مقصد اور ان کی روح ذکر و دعا ہے نیز بتایا گیا ہے کہ بندہ کوئی عمل اور اس کی کوئی قربانی خواہ دنیا میں اس کو کتنا ہی بڑا سمجھا جاتا ہو اللہ کی نگاہ میں ذکر و دعا کے برابر نہیں۔ بلکہ جس طرح کوئی غذا معدہ کے لئے اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں نمک یا شرینی یا ترشی کی آمیزش نہ ہو اسی طرح اللہ کے یہاں کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوسکتا جب تک اس میں ذکر و دعا کا عنصر شامل نہ ہو۔

پھر یہ بھی ایک معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ ذکر و دعا اللہ تعالیٰ کے قرب خصوصی اور حصول مقام ولایت کا خاص الخاص وسیلہ ہے اور امت میں جن لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کو یہ دولت نصیب ہوئی ان کی زندگیوں میں ذکر و دعا کا عنصر غالب اور نمایاں رہا ہے۔ (معارف الحدیث جلد پنجم ۱۳ تا ۱۴)۔

فضائل ذکر

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے فضائل قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں اس قدر ہیں کہ اس کے لئے دفتر درکار ہیں یہاں ان بے شمار فضائل اور تاکیدات میں سے بعض کو نقل کر دیتا ہوں۔

فضائل ذکر کے بارے میں قرآن مجید کی آیات

ذاکرین کو اللہ تعالیٰ یاد فرماتا ہے:

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْلِیْ وَلَاتَكْفُرُوْنِ:

پس تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد رکھونگا اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری نہ کرو (بقرہ ،۱۵۲)۔

گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے ان احسانات وانعامات کو بیان فرماتے ہیں جو انہوں نے مسلمانوں پر کئے ہیں اس کے بعد اب حکم دیا جارہا ہے کہ ان احسانات اور انعامات کے رو سے تم پر یہ لازم ہے کہ تم اپنے دل اپنی زبان اور اپنے اعضاء جوارح سے مجھے یاد کرو اور ان تمام ذمہ داریوں اور فرائض کو یاد رکھو اور ان کی بجا آوری کرو جو امت مسلمہ کے سپرد کئے جارہے ہیں اور اس پر یہ وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یاد کرے گا اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ رہے گا اور دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی و نصرت، فتح مندی و سرخروئی اور طرح

طرح کے انعامات اور رحمتوں سے تمہیں نوازے گا۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات وہدایات پر صحیح طور پر عمل کب ہوسکتا ہے:

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات وہدایات پر صحیح طور پر اس وقت عمل ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داریوں اور فرائض کو بندہ اس وقت کما حقہ پورا کرسکتا ہے جب اس کا دل یادالٰہی سے معمور ہواور اس کے لئے یادالٰہی کی کثرت ناگزیر ہے۔ کثرت سے ذکر کرنے سے جب یادالٰہی دل میں رچ بس جاتی ہے تو انسان کا پوراوجود ذکرالٰہی میں مشغول ہوجاتا ہے اور اس کی ہرحرکت وسکون اللہ تعالیٰ کی یاداور اس کے حکم کی بجاآوری ہوکررہ جاتی ہے اور اس کے دل وزبان اور تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری میں لگ جاتے ہیں اور جس شخص کا دل یادالٰہی سے خالی ہوجاتا ہے تو وہ خودسری اور ناشکری میں مبتلا ہوجاتا ہے وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داریوں اور فرائض کو اخلاص کے ساتھ پورا نہیں کرسکتا اور اس کے تمام تر دینی اور دنیاوی امور میں بھاگ دوڑ کا مقصد دنیا کے مفادات اور ہوائے نفس کا حصول ہوکے رہ جاتا ہے۔

ایک سخت تنبیہ:

آخر میں اللہ تعالیٰ نے " ولاتکفرون " کے الفاظ سے ایک سخت تنبیہ فرمائی کہ میری ناشکری نہ کرنا ورنہ اگر تم نے ناشکری کی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور احکامات الٰہی سے منہ موڑ گئے اور اپنی ذمہ داریوں میں غفلت کی تو جسطرح یہود وغیرہ ناشکری کرکے کیفرکردار کو پہنچے اس طرح تم بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کی زد سے نہیں بچ سکوگے۔

ذکر کی عظیم فضیلت:

ذکر کی فضیلت میں اگر کوئی اور آیت نہ ہوتو صرف یہی ایک آیت اس کی فضیلت کے لئے کافی ہے ایک بندے کے لئے اس سے زیادہ فخر اور اس سے بڑاانعام اور کیا ہوسکتا ہے کہ معبود حقیقی اور محبوب حقیقی اور پوری کائنات کا خالق و مالک اور بادشاہ اس کو یاد کرے اور اس کی طرف متوجہ ہواور پھر اس کا یاد کرنا بھی صرف یاد کرنا نہیں بلکہ اس کا یاد کرنا اپنے انعامات اور عنایات اور نصرتوں ،عزتوں اور عظیم کامیابیوں کا عطا کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی یاد کی توفیق عنایت فرمائے آمین۔

ابوعثمان نہدیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ ہمیں یاد فرماتے ہیں لوگوں نے پوچھا کہ آپکو یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے فرمایا اس لئے کہ قرآن مجید کے وعدے کے مطابق جب کوئی مومن اللہ

تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے اس لئے سب کو یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ جس وقت ہم اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہونگے تو اللہ تعالیٰ بھی ہمیں یاد فرمائے گا (قرطبی ۱۷۱ ج ۲)۔

عقلمند لوگ کون ہیں؟

عقلمند لوگ کون ہیں؟ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ہ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے باری باری آنے میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں (یہ عقلمند وہ لوگ ہیں) جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں (تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے تو (اس بات سے) پاک ہے (کہ کوئی عبث اور فضول کام کرے) پس تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا (آل عمران آیت ۱۹۰-۱۹۱)

ان آیتوں میں ارباب بصیرت اور حقیقی معنوں میں عقل مند لوگوں کا بیان ہو رہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ اور ہر حال میں یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور ان کی تمام چیزوں پر برابر غور و فکر کرتے ہیں اس ذکر اور غور و فکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ان کے دل یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ کارخانہ کائنات بے مقصد نہیں ہو سکتا کائنات کی ہر چیز عدل و حکمت پر مبنی اور بنی ہوئی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جو چیزیں انسان کے لئے پیدا کی گئیں ہیں ان میں تو عدل اور حکم کارفرما ہو اور خود انسان کے لئے عدل کا یہ قانون موجود نہ ہو لہذا ضرور ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں انسان کے بارے عدل کا ظہور ہوگا جس میں گنہگار اور نیکوکار لوگ اپنے اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے جزا و سزا کے اس تصور سے انکے دل کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس بات کے لئے شدید داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو اس عذاب و رسوائی سے پناہ و نجات ملے جو ان لوگوں کے لئے مقرر ہے جو اس دنیا کو بس کھیل تماشا سمجھ کر اس میں غیر ذمہ دارانہ زندگی گزار رہے ہیں۔

یاد الٰہی ہر حال میں مطلوب ہے:

لے　مومن کی صفات کی پوری تفصیل کیلئے "آئینہ ایمان" کو پڑھ لیجئے

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد ہر حال میں مطلوب ہے اور زیر بحث آیات میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اولوالالباب کی خاص صفت یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔

.........کائنات میں غور وفکر:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین اسلام میں جس طرح ذکر اور یاد الٰہی مطلوب ہے اس طرح فکر یعنی کائنات میں غور وفکر بھی مطلوب ہے اگر ذکر ہوگا اور فکر نہ ہو تو ذکر صرف زبان کا ایک شغل بن کے رہ جائیگا اگر چہ صرف زبانی ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے لیکن اس سے معرفت الٰہی کے دروازے نہیں کھلتے اور نہ آخرت کا کامل یقین اور آخرت کے دلی مشاہدہ کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ یہ نعمتیں تو کثرت ذکر اور دھیان کے ساتھ ذکر اور کائنات میں غور وفکر ہی سے ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ عظیم نعمتیں نصیب فرمائے۔

نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع کون کرسکتا ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع وہی بندہ کرسکتا ہے جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو اور جس کا دل یاد الٰہی سے معمور ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

> لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا: بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول (ﷺ) کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (لیکن اس سے ہر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا بلکہ یہ فائدہ ہے) اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور روز آخرت کا امید وار ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہو (احزاب-۲۱)۔

اس آیت کریمہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے اور آپ ﷺ کی اتباع میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع ہر مدعی کا کام نہیں بلکہ اس راہ کی آزمائشوں سے وہی لوگ عہدبرآ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور روز آخرت کے امیدوار اور اس کے منتظر ہوں اور ان کے دل ہر وقت یادِ الٰہی سے معمور ہوں اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنیوالے ہوں اس آیت سے یہ بات بھی اچھی معلوم ہوئی کہ دین اسلام پر استقامت اور نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ جن کے اندر اللہ تعالیٰ اور آخرت پر مضبوط ایمان و یقین ہو اور برابر اپنے اس ایمان و یقین کو

---

۱ صدق وصبر کی تفصیل کیلئے کتاب "جواہر الاسلام کا باب الاخلاق" دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے تازہ رکھیں۔ ورنہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوں ان کی ایمانی قوت کمزور بلکہ ختم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع سے محروم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

مومن کی صفات اور دین اسلام کا منبع اور اس کا محافظ یاد الٰہی ہے:

قرآن مجید نے ایک مقام پر مومن کی دس صفات گنوائی ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا: اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ و خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے (احزاب۔۳۵)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو جو معاشرہ مطلوب اور محبوب ہے اس کی صفات یہ ہونی چاہئیں یہ دس صفات گویا آئینہ ہیں کہ وہ اس کو سامنے رکھکر اپنے آپ کو سنواریں، یہاں جو دس صفات بیان ہوئی ہیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی اخلاق و کردار کے تمام پہلو ان دس صفات کے اندر سمٹ آئے ہیں ان صفات میں سے کچھ کا تعلق اصلاح نفس کے ساتھ ہے۔

اسلام اور ایمان:

دین، اسلام کی جامع تعبیر ہے ایمان دین اسلام کا باطن ہے اور اسلام دین اسلام کا ظاہر ہے اور یہ دونوں بیک وقت مطلوب ہیں [1]۔

نوٹ:

اللہ تعالیٰ کی اس بندگی اور اس کے رسول کی اس فرمانبرداری کی تعبیر ہے جو دل کی پوری یکسوئی پوری نیازمندی اور کامل عاجزی اور پورے اخلاص کے ساتھ دائماً ہو۔

صدق:

راست بازی ارادہ قول اور فعل تینوں کی مطابقت اور استواری کی تعبیر کے لئے آتا ہے، صادق وہ ہے جس کی زندگی قول وفعل کے تضاد سے خالی ہو۔

صبر:

صبر ثابت قدمی اور استقامت واستقلال کے معنی میں آتا ہے اور جو بندہ ہر خوف اور ہر طمع ولالچ کے مقابلے میں خواہ وہ خود اس کے اندر کی اپنی خواہشات نفس ہوں یا وہ خارجی دشمن ہو وہ بہر حال حق پر ڈٹا اور اپنے رب سے راضی اور مطمئن رہے۔ اور صبر واستقامت کے ساتھ تمام دین اسلام پر قائم رہے [1]۔

خشوع:

خشوع کا مفہوم عاجزی فروتنی اور خاکساری ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کی عظمت وجلال کے صحیح تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ صفت بندے کو اپنے "رب" اللہ عز وجل کے سامنے بھی جھکاتی ہے اور اس کے بندوں کے معاملہ میں بھی اس کو مہربان وحلیم اور متواضع بناتی ہے یہ خشوع تکبر اور استکبار کی ضد ہے جو تمام انفرادی اور اجتماعی برائیوں کی جڑ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خشوع عبادت کی روح بھی ہے اور بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی روح بھی ہے۔

تصدق:

صدقہ وخیرات کرنا، اس کا تعلق خاص طور پر بندوں کے حقوق کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ کا جو بندہ اپنی خواہشات کو دبا کر اور اپنی ضروریات میں ایثار کر کے اپنا مال دوسرے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں خرچ کرتا ہے یا اپنے مال وجان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس سے اس کے ایمان کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ چیز درجہ بدرجہ اس کے ایمان کو پختہ اور مضبوط کرتی جاتی ہے۔

صوم:

صوم یعنی روزہ یہ ضبطِ نفس اور تربیت صبر کی خاص ریاضت ہے اس سے بندے کا نفس کنٹرول ہو جاتا ہے اسلئے یہ روزہ صبر و تقویٰ کی تربیت کیلئے بہت بڑا ذریعہ ہے۔ بشرطیکہ روزہ حقیقی معنوں میں روزہ ہو۔

شرمگاہ کی حفاظت:

یہ عفت اور پاکدامنی کی تعبیر ہے جو ضبطِ نفس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جو بندے کو بے حیائی کی طرف لیجاتے ہیں۔ مثلاً بدنظری وغیرہ۔ عفیف اور پاکدامن شخص تمام بے حیائیوں سے بچتا رہتا ہے۔

ذکر اللہ:

اللہ تعالیٰ کی یاد، یہ تمام مذکورہ بالا صفات کا منبع بھی ہے اور انکا محافظ بھی ہے جو بندہ جس قدر زیادہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور یاد رکھتا ہے اتنی ہی یہ صفات اس کے اندر پختہ ہوتی ہیں اور سارے دین اسلام کا محافظ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد ہے اور یہ نہ ہو تو آدمی ہوائے نفس کا شکار ہو کر بھٹک جاتا ہے۔

اور جس شخص کے اندر مذکورہ بالا صفات ہوں، اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اجر عظیم تیار ہے اور جس کے اندر جس قدر یہ صفات زیادہ پائی جائیں گی اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اجر کا زیادہ مستحق ہوگا۔

تلاش رزق اور کام کاج میں بھی کثرت سے ذکر کرنے کا حکم:

رزق کی تلاش اور کام کاج کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: اے ایمان والو جب جمعہ کے دن کی نماز کیلئے اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو اور

ل داعی کے اوصاف کیلئے دیکھئے کتاب "اسرار العروج"۔

(تلاشِ رزق اور کام کاج کے وقت بھی) اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ (الجمعہ، ۹-۱۰)۔

مطلب یہ ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد تمہارے لئے رزق کی تلاش اور اس کیلئے بھاگ دوڑ پر کوئی پابندی نہیں البتہ یہ ضرور ہو کہ کام کاج اور تلاشِ رزق کی مشغولیت میں اللہ تعالیٰ اور آخرت کو نہ بھولیے اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خوب نگہداشت کریں، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے حکموں کو یاد رکھو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو یہی ذکرِ الٰہی شیطان کے مکروفریب اور فتنوں سے بچائے گا ورنہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو گئے تو شیطان تمہیں اس طرح اندھا بنا دے گا کہ حلال وحرام کا امتیاز نہیں رہے گا اور تمہاری دوڑ دھوپ ساری کی ساری دنیا کیلئے ہو کر رہ جائیگی، لہٰذا ضروری یہ ہے کہ معاشی سرگرمیوں کے دوران برابر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں اور کثرت سے اس کا ذکر کریں۔

ذاکر کی زندگی اطمینان والی اور پرسکون ہوتی ہے:

دولت، حکومت، منصب جاگیر اور شان وشوکت وغیرہ کوئی چیز انسان کو حقیقی سکون اور اطمینان نہیں دلا سکتی یہ اطمینان وسکون صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور قوی تعلق سے حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ط اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب :

وہ لوگ جو ایمان لائے اور جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں سن لو: اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے (الرعد-۲۸)۔

اطمینان وسکون کس ذکرُ اللہ سے حاصل ہوتا ہے؟

مطلب یہ ہے کہ کان کھول کر سن لو کہ اگر دلوں کا اطمینان وسکون چاہتے ہو تو یہ نعمت صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ بعض لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم تو شب وروز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تہلیل وتحمید اور تمجید وتسبیح کرتے ہیں لیکن ہمیں اطمینان وسکون حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا ذکر ان کے دل ودماغ میں رچا بسا نہیں ہوتا ہے اور بندے کے دل میں ذکرِ حقیقی اور یادِ الٰہی اس وقت خوب گھر کر لیتی ہے جب ان کے عقائد درست ہوں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت وقوت اور آخرت پر غیر متزلزل یقین حاصل ہو اور یہ محکم یقین وایمان اللہ تعالیٰ اور اس کی صفاتِ جمال و

کمال اور کائنات میں غور وفکر سے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے احساس اور شکر اور دھیان سے کثرتِ ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر مضبوط ایمان و یقین اور کثرت ذکر سے دلوں کے اضطراب اور وحشت دور ہو جاتی ہے اور اس روح کی پرورش ہوتی ہے اور دل و دماغ پاک وصاف ہو جاتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور قوی تعلق نہ ہو تو صرف زبانی ذکر سے حقیقی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنَّا عَلیٰ ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ (آمین)۔

دعوت وتبلیغ اور دینی جدوجہد کے موقع پر کثرتِ ذکر کا حکم:

دعوت وتبلیغ ہو یا دین اسلام کیلئے کوئی اور جدوجہد ہو اس میں بھی کثرتِ ذکر مطلوب ہے بلکہ ایسے مواقع پر ذکر میں کوتاہی بھی دینی جدوجہد کو بے نور اور بے روح بنا دیتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کو فرعون کے پاس بھیجا تو ان دونوں کو جو خاص تاکید کی تھی وہ کثرتِ ذکر اور ذکر میں کوتاہی نہ کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِذْھَبْ اَنْتَ وَاَخُوْکَ بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ:

(اے موسیٰ) تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرنا (طٰہٰ-۴۲)۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں پوری مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال اور اوقات میں عموماً اور دعوت و تبلیغ ور دینی جدوجہد کے وقت خصوصاً اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور اس میں سستی نہ کرو۔

مصلح اور داعی کیلئے کثرتِ ذکر کی ضرورت:

یاد رکھیں کہ دعوت وتبلیغ کا اصل سر چشمہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں کیونکہ اس کی طرف اور اس کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے لہٰذا دعوت دینے والے کا جس قدر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا اسی قدر اس کی دعوت میں جان اور روح وقوت ہوگی اور اسی قدر اس سے خیر پھیلے گی لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق کمزور ہو جائے تو اس کی یہ دعوت بے روح اور بے جان ہو جاتی ہے اور اگر یہ تعلق بالکل ہی منقطع ہو جائے تو پھر وہ دعوت بالکل شیطانی دعوت بن کر رہ جاتی ہے اگر چہ اس میں نام اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا لیا جائے۔ اس لئے ایسے مواقع پر اور زیادہ ذکر الٰہی کی ضرورت ہے[1] کیونکہ ذکرِ الٰہی ہی تعلق مع اللہ کا محافظ ہے اور اس کے سبب یہ تعلق مضبوط سے مضبوط تر

ہوتا رہتا ہے۔نیز یہی کثرتِ ذکر ہی اہل اللہ و داعیانِ حق اور مصلحین کی کامیابی کا بہت بڑا سبب بھی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں بہترین اور اول نمبر کا ہتھیار بھی ہے۔اور اس سے انسان کے اندر عزم و ہمت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی ذکر کرنے والوں میں شمار کرے (آمین)۔

جہاد میں کثرتِ ذکر کا حکم اور اس کی ضرورت:

کفار و مشرکین اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ لڑنے اور جہاد کے وقت کثرتِ ذکر کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ:

اے ایمان والو جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ (انفال-۴۵)۔

انسان کی اصل قوت دل کی قوت ہے اور دل کی قوت ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر اللہ کی کثرت ایمان کو تازہ رکھتی ہے اور اس کے نور کو بڑھاتی رہتی ہے اس لئے ذکرِ الٰہی صبر و استقامت اور ثابت قدمی کا بہت بڑا ذریعہ ہے اس لئے جب حالات سخت ہوں اور جن میں صبر و استقامت کی زیادہ ضرورت ہو وہاں زیادہ سے زیادہ ذکر اللہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے مواقع میں کثرتِ ذکر کا حکم فرمایا ہے۔اور صحابہ کرامؓ کا سب سے بڑا ہتھیار نماز، تہلیل و تسبیح و تکبیر وغیرہ اور اذکار کی کثرت تھی۔

ذکرِ الٰہی کے بغیر جہاد صرف جنگ کی صورت اختیار کرلیتا ہے:

یاد رہے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی حقیقی جہاد ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور نام بلند کرنے اور حق کی حمایت کیلئے ہو، ظاہر ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوگا اسی قدر حق کی حمایت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جہاد میں اخلاص وللّٰہیت ہوگی اور جس قدر یہ تعلق کمزور ہوگا اسی قدر جہاد بے نور اور بے روح ہوگا اور اگر یہ تعلق بالکل منقطع ہو تو یہ جہاد کے بجائے قومی، ملکی اور دنیوی مفادات کے حصول کی جنگ بن جائیگا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں "تغلبون" کے بجائے "تفلحون" کا لفظ استعمال فرمایا اور فلاح ایک جامع لفظ ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی کامیابیوں اور ترقیوں پر مشتمل ہے لھذا یہاں فلاح سے مطلب صرف یہ نہیں کہ تم غلبہ حاصل کرو کیونکہ فتح اور غلبہ تو کبھی بغیر ذکرِ الٰہی کے بھی حاصل ہوتا ہے، کافر و مشرک قومیں بھی ایک دوسرے پر فتح و غلبہ حاصل کرتی رہتی ہیں بلکہ کبھی حق و باطل کی جنگ میں بھی عارضی طور پر اہلِ حق کو شکست ہو جاتی

ہے۔لہٰذا ہر غلبہ اور فتح فلاح کا ذریعہ نہیں ہو سکتا بلکہ فلاح صرف اسی غلبہ اور فتح سے حاصل ہوگی جس کی بنیاد ذکرِ الٰہی پر ہو اور جس فتح کا دروازہ ذکرِ الٰہی سے کھلے اور یہی وہ فتح ہے جس میں دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کا راز مضمر ہے۔

مردانِ خدا کون لوگ ہیں؟

مردانِ خدا اور اللہ تعالیٰ کے سچے بندے وہی لوگ ہیں جو کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ص يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ: وہ (جوان) مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی اور نہ نماز کے قیام و اہتمام سے اور نہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے، وہ ایک ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ (اور مضطرب) ہو جائیں گے (نور-۳۷)۔

مؤمن کی شان ہمہ وقت یادِ الٰہی ہے:

لفظ رجال سے ان لوگوں کی انتہائی درجہ کی تعریف واضح ہے یعنی یہ وہ جوان مرد یا وہ مردانِ خدا ہیں کہ انہیں دنیا کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی انہیں ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی رضا و خوشنودی مطلوب ہے اور مؤمن کی شان یہی ہے کہ وہ تجارت خرید و فروخت کسب و ہنر سب کچھ کرے لیکن وہ کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد اور اس کے فرائض و احکام کی بجا آوری سے غافل نہ ہو۔

منافق اور مؤمن کی تجارت و لین دین میں فرق:

مؤمن بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور اس کے حکموں کو یاد رکھتا ہے۔اس کے برعکس منافق ڈانواں ڈول قسم کے لوگ دنیا کی محبت اور اس کی لالچ میں اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون میں منافق اور ڈانواں ڈول قسم کے لوگوں کے رویہ کو بیان کر کے اس کے بعد مؤمنوں کو خطاب فرمایا ہے کہ؛

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: اے ایمان والو! تمہیں تمہارے اموال اور تمہاری

[1] اس کا پورا بیان کتاب "مسلک اعتدال" میں "ای الاعمال افضل" کے عنوان کے تحت پڑھ لیجئے۔

اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جوکوئی ایسا کرے گا (کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جائے) تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں (منافقون-۹)۔

اس آیت کریمہ میں مؤمنوں کو منافقوں کے طریقہ کار اور رویہ سے پرہیز کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ ان لوگوں کے اموال اور اولاد نے ان کو اپنے پروردگار کے ذکر سے اور اس کے فرائض و احکامات سے غافل کر دیا ہے؛ اے مسلمانوں تم ایسا نہ کرنا کیونکہ جو شخص دنیا کی محبت میں کھو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ سراسر خسارے اور نقصان میں پڑ جاتا ہے اور حقیقی نفع و فلاح پانے والے لوگ وہی ہیں جو اپنی زندگی کے لمحات اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نبی کریم ﷺ کی اتباع میں بسر کر دیتے ہیں۔

اَللّٰہُ اکبر- وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ:

اللہ تعالیٰ بے انتہا بڑے ہیں اور ان کا ذکر اور ان کی یاد بھی بہت ہی بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ : اور نماز کو قائم کرو بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو (عنکبوت-۴۵)۔

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ نماز آدمی کو تمام برائیوں سے روکتی ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں جو لوگ نماز کو اس کی شرائط و آداب اور پورے خشوع اور اخلاص و اہتمام کے ساتھ پڑھتے ہیں تو وہ ایسی نماز کے سبب برائیوں سے رک جاتے ہیں جیسا کہ اس کی پوری تفصیل اس کتاب کی ابتداء میں گذر چکی ہے۔ نماز کے قیام و اہتمام کے حکم کے بعد فرمایا کہ "وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَر" اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ اس کی وجہ بتائی گئی کہ نماز برائیوں سے روکنے والی ہے کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور جس شخص کا دل یادِ الٰہی سے معمور ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات اپنے دنیوی مفادات اور خواہشاتِ نفس سے زیادہ محبوب ہونگے اور وہ ہر اس کام سے نفرت کرے گا جو اس کے محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوں۔

ذکرُ اللہ کی خاصیّتیں

اللہ تعالیٰ کا ذکر دل کو روشن اور نرم اور اللہ تعالیٰ کی طرف مائل کر دیتا ہے اور بندے کے دل کو بری عادتوں

اور برے جذبات و اخلاق سے پاک کر دیتا ہے اور اچھے اخلاق و جذبات سے دل کو سنوارتا ہے، ذکر کے نور سے ذاکر کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص لگن اور رابطہ اور نسبت و تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کے بعد وہ اللہ عزوجل شانہ کی رضا و خوشنودی اور اس کے قرب کو اپنا مقصد بنالیتا ہے، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی بے چون و چرا اس تعمیل اور نواہی سے پرہیز اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے اور ذکر کی قوت ذاکر کو ہر وقت اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کے حصول میں سرگرم رکھتی ہے۔ ذکر کے نور اور تجلیات سے شبہات اور بے یقینی کے اندھیرے بھاگ جاتے ہیں یہ روح کی غذا ہے اور اس سے روح کو تقویت ملتی ہے اور اس سے انسان کے اندر نیکی کی پوشیدہ صلاحیتیں نشو و نما پاتی ہیں اور اس کی وجہ سے بندے کو قلبی اطمینان اور سکون کی نعمت حاصل ہوتی ہے اور ذکر اس کے دل کو گھبراہٹ اور اضطراب سے بچالیتا ہے اور اس کے اندر عزم و حوصلہ اور ہمت کو بڑھا دیتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو نماز، جہاد، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اوراد وغیرہ تمام عبادات اور تمام دینی اعمال کی روح ہے یہ نہ ہو تو عبادت جسدِ بے روح بن جاتی ہے اور یہی ذکر وہ قوت ہے جو انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ جنتوں پر پہنچا دیتی ہے اس لئے ذکر اللہ اور یاد الٰہی سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں، اصل فضیلت اسی کو ہے یوں عارضی طور پر اگر کوئی عمل ذکر اللہ سے سبقت لے جائے وہ دوسری بات ہے[1] بہر حال اللہ تعالیٰ کی یاد تمام اعمال سے افضل اور بڑھ کر ہے اور جب وہ نماز کی صورت اور اس کے ضمن میں ہو تو وہ افضل تر ہوگا لہذا بندے کو چاہیئے کہ کسی وقت بھی ذکر الٰہی سے غافل نہ ہو اور بندہ ہمیشہ اس حقیقت کو یاد رکھے کہ جو ذکر ذاکر کو احکام الٰہی کا پابند اور ظلم و زیادتی اور بے حیائی کے کاموں سے نہ روکے تو اس کو ذکر کی حقیقت حاصل نہیں اور اب تک اس کا ذکر، ذکر نہیں بلکہ صرف ورد ہے۔

فضائل ذکر کے بارے میں احادیث

فضائل ذکر کے بارے میں جو احادیث اور ان کی تشریح و تفصیل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اور جو احادیث حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنی کتاب معارف لحدیث میں لکھی ہیں ان میں سے کچھ کو مع ان کی تشریح و تفصیل کے ساتھ یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ "احادیث ذکر" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں، جبکہ اس مضمون میں قرآن پاک کی آیات اس کثرت سے موجود ہیں تو احادیث کا کیا پوچھنا کیونکہ قرآن مجید کے کل تیس پارے ہیں اور حدیث شریف کی لاتعداد کتابیں ہیں اور ہر کتاب میں بے شمار حدیثیں ہیں ایک بخاری شریف ہی کے بڑے بڑے تیس پارے ہیں اور ابوداؤد شریف کے بتیس پارے ہیں اور کوئی کتاب بھی ایسی نہیں کہ اس مبارک ذکر سے خالی ہو اس لئے احادیث کا احاطہ تو کون کر سکتا ہے نمونہ اور عمل

[1] یعنی مرتے وقت کی حالت میں جس کو امید بھی ہو اور خوف بھی۔

کے واسطے ایک آیت اور ایک حدیث بھی کافی ہے اور جس کو عمل ہی نہیں کرنا اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہیں۔ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَّاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَّ اِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً. رواه احمد و البخاری و مسلم والترمذی و النسائی و ابن ماجة والبیهقی فی الشعب واخرج احمد والبیهقی فی الاسماء والصفات عن انس بمعناه بلفظ یَا ابْنَ ادم اذاذکرتنی فی نفسک الحدیث و فی الباب عن معاذ بن انس عندالطبرانی باسناد حسن وعن ابن عباس عند البزار باسناد صحیح والبیهقی و غیرهما و عن ابی هریرة عند ابن ماجة و ابن حبان وغیرهما بلفظ انا مع عبدی اذا ذکرنی وتحرکت بی شفتاه کما فی الدرالمنثور والترغیب للمنذری والمشکوٰة مختصراً وفیه بروایة مسلم عن ابی ذر بمعناه و فی الاتحاف علقه البخاری عن ابی هریرة بصیغة الجزم ورواه ابن حبان من حدیث ابی الدرداء اه: حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

(ف) اس حدیث شریف میں کئی مضمون وارد ہیں۔ اوّل یہ کہ بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ کرتا ہوں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کے لطف وکرم کی امید رکھنا چاہیئے اس کی رحمت

سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے۔ یقیناً ہم لوگ گنہگار ہیں اور سراپا گناہ اور اپنی حرکتوں اور گناہوں کی سزا اور بدلے کا یقین ہے لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہونا چاہیے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف و کرم سے بالکل ہی معاف فرما دیں۔ کلام اللہ شریف میں وارد ہے کہ: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ: حق تعالیٰ شانہٗ شرک کے گناہ کو تو معاف نہیں فرمائیں گے اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے سب کچھ معاف فرمائیں گے" لیکن ضروری نہیں کہ معاف فرما ہی دیں اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ ایمان امید وخوف کے درمیان ہے حضور اقدس ﷺ ایک نوجوان صحابی کے پاس تشریف لے گئے وہ نزع کی حالت میں تھے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کس حال میں ہو عرض کیا یا رسول اللہ، اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر رہا ہوں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں یعنی امید و خوف جس بندہ کے دل میں ایسی حالت میں ہوں [1] تو اللہ جل شانہٗ جو امید ہے وہ عطا فرما دیتے ہیں اور جس کا خوف ہے اس سے امن عطا فرما دیتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ مومن اپنے گناہ کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور وہ پہاڑ اس پر گرنے لگا اور فاجر شخص گناہ کو ایسا سمجھتا ہے گویا ایک مکھی بیٹھی تھی اڑا دی یعنی ذرا پروا نہیں ہوتی مقصود یہ ہے کہ گناہ کا خوف اس کے مناسب ہونا چاہیے اور رحمت کی امید اس کے مناسب۔

حضرت معاذؓ طاعون میں شہید ہوئے انتقال کے قریب زمانہ میں بار بار غشی ہوتی تھی جب افاقہ ہوتا تو فرماتے یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ مجھ کو تجھ سے محبت ہے تیری عزت کی قسم تجھے یہ بات معلوم ہے جب بالکل موت کا وقت قریب آ گیا تو فرمایا کہ اے موت ترا آنا مبارک ہے کیا ہی مبارک مہمان آیا مگر فاقہ کی حالت میں یہ مہمان آیا ہے اس کے بعد فرمایا اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں ہمیشہ تجھ سے ڈرتا رہا آج تیرا امیدوار ہوں یا اللہ مجھے زندگی کی محبت تھی مگر نہریں کھودنے اور باغ لگانے کے واسطے نہیں تھی بلکہ گرمیوں کی شدت پیاس برداشت کرتے اور (دین کی خاطر) مشقتیں جھیلنے کے واسطے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس جم کر بیٹھنے کے واسطے تھی بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث بالا میں گمان کے موافق معاملہ عام حالات کے اعتبار سے ہے خاص مغفرت کے متعلق نہیں ۔ دعا صحت وسعتِ امن وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں مثلاً دعا کے ہی متعلق سمجھو۔ مطلب یہ ہے اگر بندہ یہ یقین کرتا ہے۔ کہ میری دعا قبول ہوتی ہے اور ضرور ہوگی تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر یہ گمان کرے کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی تو ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے چنانچہ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک یہ نہ کہنے لگے کہ میری تو دعا قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح صحت تو نگری وغیرہ سب امور کا حال ہے۔ حدیث

میں آیا ہے کہ جس شخص کو فاقہ کی نوبت آئے اگر اس کو لوگوں سے کہتا پھرے تو تونگری نصیب نہیں ہوتی اللہ کی پاک بارگاہ میں عرض معروض کرے تو جلد یہ حالت دور ہو جائے لیکن یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ حسن ظن اور چیز ہے اور اللہ پر گھمنڈ دوسری چیز ہے کلام اللہ شریف میں مختلف عنوانات سے اس پر تنبیہ کی گئی۔ ارشاد ہے: "وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ : اور نہ دھوکہ میں ڈالے تم کو دھوکہ باز] یعنی شیطان تم کو یہ نہ سمجھائے کہ گناہ کئے جاؤ اللہ غفور رحیم ہے"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: " اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا. كَلَّا: کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا، یا اللہ تعالیٰ سے اس نے عہد کر لیا ہے ایسا ہرگز نہیں" دوسرا مضمون یہ ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو جب تک اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں دوسری حدیث میں ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو جب تک اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں یعنی میری خاص توجہ اس پر رہتی ہے اور خصوصی رحمت کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ تیسرا مضمون یہ ہے کہ میں فرشتوں کے مجمع میں ذکر کرتا ہوں یعنی تفاخر کے طور پر اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ آدمی کی خلقت جس ترکیب سے ہوئی ہے اس کے موافق اس میں اطاعت اور معصیت دونوں کا مادہ رکھا ہے۔ اس حالت میں طاعت کا کرنا یقیناً تفاخر کا سبب ہے دوسرے اس وجہ سے کہ فرشتوں نے ابتداء خلقت کے وقت عرض کیا تھا۔ آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں خونریزی اور فساد کرے گی اور اس کی وجہ بھی وہی مادہ فساد کا ان میں ہوتا ہے بخلاف فرشتوں کے کہ ان میں یہ مادہ نہیں اسی لئے انھوں نے یہ عرض کیا تھا کہ تیری تسبیح و تقدیس ہم کرتے ہی ہیں تیسرے اس وجہ سے کہ انسان کی اطاعت اس کی عبادت فرشتوں کی عبادت سے اس وجہ سے بھی افضل ہے کہ انسان کی عبادت غیب کے ساتھ ہے اور فرشتوں کی عالم آخرت کے مشاہدہ کے ساتھ۔ اسی کی طرف اللہ پاک کے اس کلام میں اشارہ ہے کہ اگر وہ جنت و دوزخ کو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا۔ ان وجوہ سے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے یاد کرنے والوں اور اپنی عبادت کرنے والوں کے کارنامے جتاتے ہیں۔ چوتھا مضمون حدیث میں یہ ہے کہ بندہ جس درجہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس سے زیادہ توجہ اور لطف اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس بندہ پر ہوتا ہے۔ یہی مطلب ہے قریب ہونے اور دوڑ کر چلنے کا کہ میرا لطف اور میری رحمت تیزی کے ساتھ اس کی طرف چلتی ہے اب ہر شخص کو اپنا اختیار ہے کہ جس قدر رحمت و لطف الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے اتنی ہی اپنی توجہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف بڑھائے۔ پانچویں بحث اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ اس میں فرشتوں کی جماعت کو بہتر بتایا ہے ذکر کرنے والے شخص سے حالانکہ یہ مشہور امر ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس کی ایک وجہ تو ترجمہ

ل اللہ کے ذکر سے بغض کا مطلب ہے کہ آدمی کو وہ پسند نہ ہو اور ذکر نہ کرتا ہو۔

میں ظاہر کردی گئی کہ ان کا بہتر ہونا ایک خاص حیثیت سے ہے کہ وہ معصوم ہیں ان سے گناہ ہوہی نہیں سکتا دوسری وجہ یہ ہے کہ باعتبار اکثر افراد کے ہے کہ اکثر افراد فرشتوں کے اکثر آدمیوں بلکہ اکثر مومنوں سے افضل ہیں گو خاص مومن جیسے انبیاء علیہم السلام سارے ہی فرشتوں سے افضل ہیں اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن میں بحث طویل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَاَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ اَسْتَنُّ بِهٖ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اَخْرَجَهٗ ابن ابی شیبة و احمد والترمذی و حسنه و ابن ماجة و ابن حبان فی صحیحه والحاکم و صححه والبیهقی کذافی الدروفی المشکوٰة بروایة الترمذی و ابن ماجة وحکی عن الترمذی حسن غریب. قلت و صححه الحاکم و اقره علیه الذهبی و فی الجامع الصغیر بروایة ابی نعیم فی الحلیة مختصرا بلفظ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ'' مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ورقم له بالضعف وبمعناه عن مالک بن یخامر اَنَّ مُعَاذَ ابْنَ جَبَلٍ قَالَ لَهُمْ اِنَّ اٰخِرَ كَلَامٍ فَارَقْتُ عَلَيْهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ قُلْتُ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ، قَالَ اَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، اخرجه ابن ابی الدنیا والبذار و ابن حبان والطبرانی والبیهقی کذا فی الدروالحصن الحصین والترغیب للمنذری و ذکره فی الجامع الصغیر مختصرًا و عزاه الی ابن حبان فی صحیحه و ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة والطبرانی فی الکبیر والبیهقی فی الشعب و فی مجمع الزوائد رواه الطبرانی باسانید : ایک صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ احکام تو شریعت کے بہت سے ہیں، مجھے ایک چیز کوئی ایسی بتا دیجئے جس کو میں اپنا دستور اور اپنا مشغلہ بنالوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے تو ہر وقت رطب اللسان رہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جدائی کے وقت آخری گفتگو جو حضور ﷺ سے ہوئی وہ یہ تھی میں نے دریافت کیا کہ سب اعمال میں محبوب ترین عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس حال میں تیری موت آوے کہ اللہ کے

ذکر میں رطب اللسان ہو۔

(ف) جدائی کے وقت کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذؓ کو اہل یمن کی تبلیغ و تعلیم کیلئے یمن کا امیر بنا کر بھیجا تھا، اس وقت رخصت کے وقت حضور ﷺ نے کچھ وصیتیں بھی فرمائی تھیں اور انہوں نے بھی کچھ سوالات کئے تھے۔ شریعت کے احکام بہت سے ہونیکا مطلب یہ ہے کہ ہر حکم کی بجا آوری تو ضروری ہے ہی لیکن ہر چیز میں کمال پیدا کرنا اور اس کو مستقل مشغلہ بنانا دشوار ہے اس لئے ان میں سے ایک چیز جو سب سے اہم ہو مجھے ایسی بتا دیجئے کہ اس کو مضبوط پکڑ لوں اور ہر وقت ہر جگہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کرتا رہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص کو یہ مل جائیں اس کو دین و دنیا کی بھلائی مل جائے۔ ایک وہ زبان جو ذکر میں مشغول رہنے والی ہو۔ دوسرے وہ دل جو شکر میں مشغول رہتا ہو۔ تیسرے وہ بدن جو مشقت برداشت کرنے والا ہو۔ چوتھے وہ بیوی جو اپنے نفس میں اور خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے۔ نفس میں خیانت یہ ہے کہ کسی قسم کی گندگی میں مبتلا ہو جائے۔ رطب اللسان کا مطلب اکثر علماء نے کثرت کا لکھا ہے اور یہ عام محاورہ ہے۔ ہمارے عرف میں بھی جو شخص کسی کی تعریف یا تذکرہ کثرت سے کرتا ہے تو یہ بولا جاتا ہے کہ فلاں کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ مگر بندہ ناچیز کے خیال میں ایک دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ جس سے عشق و محبت ہوتی ہے اس کے نام لینے سے منہ میں ایک لذت اور مزہ محسوس ہوا کرتا ہے جن کو باب عشق سے کچھ سابقہ پڑ چکا ہے وہ اس سے واقف ہیں۔ اس بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس لذت سے اللہ کا پاک نام لیا جائے کہ مزہ آ جائے۔ میں نے اپنے بعض بزرگوں کو بکثرت دیکھا ہے کہ ذکر بالجہر کرتے ہوئے ایسی طراوٹ آ جاتی ہے کہ پاس بیٹھنے والا بھی اس کو محسوس کرتا ہے اور ایسا منہ میں پانی بھر جاتا ہے کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا ہے مگر یہ جب حاصل ہوتا ہے کہ جب دل میں چسک ہو اور زبان کثرتِ ذکر کے ساتھ مانوس ہو چکی ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ سے محبت کی علامت اس کے ذکر سے محبت ہے اور اللہ سے بغض کی علامت اس کے ذکر سے بغض ہے[1]۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہتی ہے وہ جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِیْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَ خَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا

[1] اس کی پوری تفصیل راقم الحروف کی کتاب "مسلک اعتدال" میں پڑھ لیجئے۔

اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْ بَلیٰ قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ اخرجه احمد و الترمذی و ابن ماجة و ابن ابی الدنیا والحاکم و صححه والبیهقی کذافی الدر والحصن الحصین قلت قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاه و اقره علیه الذهبی ورقم له فی الجامع الصغیر بالصحة و اخرجه احمد عَنْ معاذابنؓ جبل کذافی الدر وفیه ایضًا بروایة احمد والترمذی والبیهقی عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمِ اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ دَرَجَة عِنْدَ اللهِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللهَ کَثِیْرًا قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ وَمِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللهَ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَیْفِهٖ فِی الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَنْکَسِرَ وَ یَخْتَضِبَ دَمًا لَکَانَ الذّٰاکِرُوْنَ اللهَ اَفْضَلَ مِنْهُ دَرَجَةً: حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور بتادیں، آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کا ذکر ہے

(ف) یہ عام حالت اور ہر وقت کے اعتبار سے ارشاد فرمایا ہے ورنہ وقتی ضرورت کے اعتبار سے صدقہ جہاد وغیرہ امور سب سے افضل ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں ان چیزوں کی افضلیت بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ کہ انکی ضرورتیں وقتی ہیں اور اللہ پاک کا ذکر دائمی چیز ہے اور سب سے زیادہ اہم اور افضل ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کیلئے کوئی صاف کرنیوالی اور میل کچیل دور کرنیوالی چیز ہوتی ہے (مثلاً کپڑے اور بدن کیلئے صابون، لوہے کیلئے آگ کی بھٹی وغیرہ وغیرہ) دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور کوئی چیز اللہ کے عذاب سے بچانے والی اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اس حدیث میں چونکہ ذکر کو دل کی صفائی کا ذریعہ اور سبب بتایا ہے اس سے بھی اللہ کے ذکر کا سب سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ ہر عبادت اسی وقت عبادت ہوسکتی ہے جب اخلاص سے ہو اور اس کا مدار دلوں کی صفائی پر ہے اسی وجہ سے بعض صوفیا نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے نہ کہ زبانی ذکر اور ذکر قلبی یہ ہے کہ دل ہر وقت اللہ کیساتھ وابستہ ہو جائے اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ حالت ساری عبادتوں سے افضل ہے اس لئے کہ جب یہ

حالت ہو جائے تو پھر کوئی عبادت چھوٹ ہی نہیں سکتی کہ سارے اعضاء ظاہرہ و باطنہ دل کے تابع ہیں۔ جس چیز کے ساتھ دل وابستہ ہو جاتا ہے سارے ہی اعضاء اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ عشاق کے حالات سے کون بے خبر ہے۔ اور بھی بہت سی احادیث میں ذکر کا سب سے افضل ہونا وارد ہوا ہے۔ حضرت سلمانؓ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عمل کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا۔ قرآن پاک میں ہے۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ کوئی چیز اللہ کے ذکر سے افضل نہیں۔ حضرت سلمانؓ نے جس آیت شریفہ کی طرف اشارہ فرمایا وہ اکیسویں پارہ کی پہلی آیت ہے۔ صاحب مجالس الابرار کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کے ذکر کو صدقہ اور جہاد اور ساری عبادات سے افضل اس لئے فرمایا کہ اصل مقصود اللہ کا ذکر ہے اور ساری عبادتیں اس کا ذریعہ اور آلہ ہیں اور ذکر بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک زبانی اور ایک قلبی جو زبان سے بھی افضل ہے اور وہ مراقبہ اور دل کی سوچ ہے اور یہی مراد ہے اس حدیث سے جس میں آیا کہ ایک گھڑی کا سوچنا ستر برس کی عبادت سے افضل ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت سہلؓ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کا ذکر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے سات لاکھ حصے زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ صدقہ اور جہاد وغیرہ جو وقتی چیزیں ہیں وقتی ضرورت کے اعتبار سے ان کی فضیلت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان احادیث میں کوئی اشکال نہیں جن میں ان چیزوں کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ تھوڑی دیر کا اللہ کے راستہ میں کھڑا ہونا اپنے گھر پر ستر سال کی نماز سے افضل ہے۔ حالانکہ نماز بالاتفاق افضل ترین عبادت ہے۔ لیکن کفار کے ہجوم کے وقت جہاد اس سے بہت زیادہ افضل ہو جاتا ہے[1] (فضائل ذکر ص ۱۴ تا ۲۰)۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِیْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فَمَرَّ عَلٰى جَبَلٍ يُقَالُ لَهٗ جُمْدَانُ فَقَالَ سِيْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ، قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتُ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لئے جا رہے تھے، راستے میں جمدان نامی پہاڑ پر سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پہاڑ جمدان ہے، مُفَرِّدُوْن سبقت لے گئے۔ عرض کیا گیا مُفَرِّدُوْن کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور زیادہ ذکر کرنے والی بندیاں (رواہ مسلم)۔

(تشریح) جمدان ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہی ایک دن کی مسافت پر ہے۔ متعدد

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے جس حصہ پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس کا شعور و احساس اس حصہ زمین کو ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ۔ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ کیا آج اللہ کا نام لینے والا کوئی بندہ تجھ پر سے گزرا؟ جب وہ بتاتا ہے کہ ہاں گزرا تو وہ کہتا ہے کہ تجھے بشارت ہو، مبارک ہو۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمدان پہاڑ پر سے گزرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ جو زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور بندیاں ہیں انھوں نے قبول و رضا کے بڑے مقامات حاصل کر لئے اور وہ بہت آگے بڑھ گئے، تو آپ نے یہ بات فرمائی کہ مُفَرِّدُوْن یعنی بہت زیادہ ذکر کرنے والے سبقت لے گئے۔ مُفَرِّدُوْن کے لغوی معنی ہیں اپنے کو سب سے الگ اور اکیلا اور ہلکا پھلکا کر لینے والے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے قرب و رضا کی طلب میں اپنے کو اس دنیا کی الجھنوں سے ہلکا کر لیں، اور سب طرف سے کٹ کے اکیلے اللہ کے ہو جائیں، یہی مقامِ تفرید ہے۔ اور یہی قرآن مجید کی خاص اصطلاح میں تبتل ہے (وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا) پس "الذّٰكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ" کے مصداق وہی بندے ہیں جن کا یہ حال ہوا اور جنھوں نے ہر طرف سے کٹ کر اللہ جل جلالہ کو اپنا قبلہ مقصود بنالیا ہو (معارف الحدیث، ج ۵، ص ۳۴ تا ۳۵)۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَ صِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجىٰ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ، ہر چیز کی صفائی کیلئے کوئی صیقل ہے، اور قلوب کی صیقل (یعنی ان کی صفائی کا خاص مسالہ) ذکر اللہ ہے، اور اللہ کے عذاب سے بچانے اور نجات دلانے میں اللہ کا ذکر جس قدر مؤثر ہے اتنی کوئی دوسری چیز مؤثر نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں؛ وہ جہاد بھی عذابِ خداوندی سے نجات دلانے میں ذکر کے برابر مؤثر نہیں جس کا کرنے والا ایسی جانبازی سے جہاد کرے کہ تلوار چلاتے چلاتے اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)۔

(تشریح) اصل حقیقت یہی ہے کہ سارے اعمال صالحہ کے مقابلہ میں ذکر اللہ افضل اور عنداللہ محبوب تر ہے (وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ) بندے کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب اور اس کی وجہ سے جو سعادت اور شرف ذکر کے وقت

---

۱ کہتے ہیں کہ وہ زندگی ہی نہیں ہے جو میری ہے...... زندہ وہ ہے جس کو دوست کا وصال حاصل ہو

حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے عمل کے وقت نہیں ہوتا، بشرطیکہ یہ ذکر عظمت اور محبت وخشیت اور دل کی توجہ کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ : تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا

اور حدیثِ قدسی؛

اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ -- وَ اَنَامَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ : میں اپنے ذکر کرنے والے بندے کے ساتھ اور اس کا ہمنشین رہتا ہوں: اور میرا بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے لب میرا ذکر کرنے سے حرکت کرتے ہیں تو بس اس کے بالکل پاس اور ساتھ ہوتا ہوں۔

بہرحال قرآن وحدیث کے ان واضح نصوص کا مدعا یہی ہے کہ تمام اعمالِ صالحہ میں ذکر اللہ ہی افضل اور عنداللہ محبوب تر اور اس کے قرب ورضا کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس ذکر میں نماز اور تلاوتِ قرآن وغیرہ اس قسم کی عبادات سب داخل ہیں۔

خاص ذکرِ لسانی کی فضیلت:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ ؟ فَقَالَ طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمْرُہٗ، وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یارسول اللہ آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کے آدمیوں کا انجام زیادہ اچھا ہونیوالا ہے)، آپ نے فرمایا وہ لوگ جن کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ اعمال میں کون عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم دنیا کو خیرباد کہو اور اس وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو (رواہ احمد والترمذی)۔

(تشریح) پہلے سوال کے جواب میں رسول اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اچھے اعمال کے ساتھ عمر جتنی زیادہ ہوگی بندہ اتنی ہی ترقی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کا اسی قدر زیادہ مستحق

لے کیونکہ وہاں دنیا کی ہر چیز سے بہتر چیزیں ہوں گی مگر عمل کا موقع نہ ہوگا۔

ہوگا۔ دوسرے سوال کے جواب میں آپ نے سب سے اچھا عمل یہ بتایا کہ مرتے دم تک اور خاص کر آخری وقت میں بندہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان ہو۔ یعنی اس کی زبان پر ذوق اور لذت کے ساتھ اللہ کا نام ہو۔ بلا شبہ یہ عمل اور یہ حال بڑا ہی عزیز اور قیمتی ہے، اور جو بندہ اس کی قدر جانتا ہو وہ سب کچھ دے کے بھی اس کو لینے کیلئے خوشی سے آمادہ ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بات اسی بندے کو نصیب ہوگی جو زندگی میں اللہ کے ذکر سے خاص مناسبت پیدا کر لے، اور ذکر اللہ اس کی روح کی لذیذ غذا بن جائے (معارف الحدیث، ج ۵ ، ۳۸ تا ۳۹)۔

ذاکرین زندہ ہیں اور ذکر نہ کرنے والے مردہ:

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ اخرجہ البخاری و مسلم والبیھقی کذا فی الدر والمشکوٰۃ: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔

(ف) زندگی ہر شخص کو محبوب ہے اور مرنے سے ہر شخص ہی گھبراتا ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ زندہ بھی مردے ہی کے حکم میں ہے اس کی زندگی بیکار ہے۔

نتواں　گفت　حیاتے　کہ　مراست
زندہ　آنست　کہ　باد　وست　وصالے　دارد ؎

بعض علماء نے فرمایا ہے یہ دل کی حالت کا بیان ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کا دل زندہ رہتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کا دل مر جاتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا کی تشبیہ نفع و نقصان کے اعتبار سے ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والے شخص کو جو ستائے وہ ایسا ہے جیسا کسی زندہ کو ستائے کہ اس سے انتقام لیا جائے گا اور وہ اپنے کیے کو بھگتے گا اور غیر ذاکر کو ستانے والا ایسا ہے جیسا مردے کا ستانے والا کہ وہ خود انتقام نہیں لے سکتا۔ صوفیا کہتے ہیں کہ اس سے ہمیشہ کی زندگی مراد ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے اخلاص کیساتھ کرنے والے مرتے ہی نہیں بلکہ وہ اس دنیا سے منتقل ہو جانے کے بعد بھی زندوں ہی کے حکم میں رہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں شہید کے متعلق وارد ہوا ہے: بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ اسی طرح ان کے لئے بھی ایک خاص قسم کی زندگی ہے۔ حکیم ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کو تر کرتا ہے اور نرمی پیدا کرتا ہے اور جب دل اللہ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے تو نفس کی گرمی اور شہوت کی آگ سے خشک ہو کر سخت ہو جاتا ہے اور سارے اعضاء سخت ہو جاتے ہیں۔ اطاعت سے رک جاتے ہیں اگر ان اعضاء کو

کھینچو تو ٹوٹ جائیں گے جیسے کہ خشک لکڑی کہ جھکانے سے نہیں جھکتی صرف کاٹ کر جلا دینے کے کام کی رہ جاتی ہے۔

ذکراللہ کے بغیر گزرے ہوئے لمحے جنّت میں باعث حسرت ہونگے:

عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْاَعْلٰی سَاعَةٍ مَّرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰی فِيْهَا اخرجه الطبراني والبيهقي كذا في الدرو في الجامع رواه الطبراني في الكبير والبيهقي في الشعب ورقم له بالحسن و في مجمع الزوائد رواه الطبراني ورجاله ثقات و في شيخ الطبراني خلاف و اخرج ابن ابي الدنيا والبيهقي عن عائشه بمعناه مرفوعًا كذا في الدروفي الترغيب بمعناه عن ابي هريرة مرفوعًا وقال رواه احمد باسناد صحيح و ابن حبان والحاكم وقال صحيح علي شرط البخاري: حضوراقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنّت میں جانے کے بعد اہل جنّت کو دنیا کی کسی چیز کا قلق وافسوس نہیں ہوگا۔ بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گذر گئی ہو۔

(ف) جنت میں جانے کے بعد جب یہ منظر سامنے ہوگا کہ ایک دفعہ اس پاک نام کو لینے کا اجر وثواب کتنا زیادہ مقدار میں ہے کہ پہاڑوں کے برابر مل رہا ہے۔ تو اس وقت اپنی اس کمائی کے نقصان پر جس قدر بھی افسوس ہوگا ظاہر ہے ایسے خوش نصیب بندے بھی ہیں جن کو دنیا ہی بغیر ذکراللہ کے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ بن حجر نے منبہات میں لکھا ہے کہ یحیٰی بن معاذ رازیؒ اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے۔

اِلٰهِیْ لَا يَطِيْبُ اللَّيْلُ اِلَّا بِمُنَاجَاتِكَ وَلَا يَطِيْبُ النَّهَارُ اِلَّا بِطَاعَتِكَ وَلَاتَطِيْبُ الدُّنْيَا اِلَّا بِذِكْرِكَ وَلَاتَطِيْبُ الْاٰخِرَةُ اِلَّا بِعَفْوِكَ وَلَاتَطِيْبُ الْجَنَّةُ اِلَّا بِرُؤْيَتِكَ: یا اللہ رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ اور دن اچھا نہیں معلوم ہوتا مگر تیری عبادت کے ساتھ اور دنیا اچھی نہیں معلوم ہوتی مگر تیرے ذکر کے ساتھ اور آخرت بھلی نہیں مگر تیری معافی کے ساتھ اور جنت میں لطف نہیں مگر تیرے دیدار کے

ساتھ۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جرجانیؒ کو دیکھا کہ ستو پھانک رہے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ خشک ہی پھانک رہے ہو کہنے لگے کہ میں نے روٹی چبانے اور پھانکنے کا جب حساب لگایا تو چبانے میں اتنا وقت خرچ ہوتا ہے کہ اس میں آدمی ستر مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے اس لئے میں نے چالیس برس سے روٹی کھانا چھوڑ دی ستو پھانک کر گزر کر لیتا ہوں۔ منصور بن معتمر کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس برس تک عشاء کے بعد کسی سے بات نہیں کی۔ ربیع بن خثیم کے متعلق لکھا ہے کہ بیس برس تک جو بات کرتے اس کو ایک پرچہ پر لکھ لیتے اور رات کو اپنے دل سے حساب کرتے کہ کتنی بات اس میں ضروری تھی اور کتنی غیر ضروری (فضائل ذکر، ص-۲۱ تا ۲۴)۔

عذاب قبر سے نجات دینے والا عمل:

عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعَمِلَ اٰدَمِيٌّ عَمَلًا اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اخرجه احمد كذا فى الدر والىٰ احمد عزاه فى الجامع الصغير بلفظ اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عذاب الله ورقم له بالصحة و فى مجمع الزوائد رواه احمد و رجاله رجال الصحيح الا ان زيادًا لم يدرك معاذًا ثم ذكره بطريق آخر وقال رواه الطبرانى ورجاله رجال الصحيح قلت و فى المشكوٰة عنه موقوفًا بلفظ مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَقَالَ رواه مالك والترمذى وابن ماجة اه قلت وهكذا رواه الحاكم وقال صحيح الاسناد واقره عليه الذهبى وفى المشكوٰة برواية البيهقى فى الدعوات عن ابن عمر مرفوعًا بمعناه قال القارى رواه ابن ابى شيبة وابن ابى الدنيا وذكره فى الجامع الصغير برواية البيهقى فى الشعب ورقم له بالضعف وزاد فى اوله لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وفى الزوائد برواية جابر مرفوعًا نحوه وقال رواه الطبرانى فى الصغير والاوسط ورجالهما رجال الصحيح اه: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے۔

(ف) عذاب قبر کتنی سخت چیز ہے اس سے وہی لوگ واقف ہیں جن کے سامنے وہ احادیث ہیں جو

عذاب قبر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عثمانؓ جب کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ جنت کے دوزخ کے ذکر سے ایسا نہیں روتے جیسا کہ قبر کے سامنے آجانے سے روتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے جو شخص اس سے نجات پالے، بعد کی سب منزلیں اس پر سہل ہو جاتی ہیں اور جو اس سے نجات نہ پالے بعد کی منزلیں دشوار ہی ہوتی جاتی ہیں۔ پھر آپ نے حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد سنایا کہ حضور ﷺ یہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے کوئی منظر قبر سے زیادہ گھبراہٹ والا نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت زیدؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم ڈر اور خوف کی وجہ سے مردوں کا دفن کرنا چھوڑ دو گے۔ ورنہ میں اس کی دعا کرتا کہ اللہ جل شانہٗ تمہیں بھی عذاب قبر سنادے۔ آدمیوں اور جنات کے سوا اور جاندار عذاب قبر کو سنتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جارہے تھے کہ حضور ﷺ کی اونٹنی بدکنے لگی۔ کسی نے پوچھا حضور ﷺ کی اونٹنی کو کیا ہوا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی کو قبر کا عذاب ہو رہا ہے اس کی آواز سے بدکنے لگی۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو اکثر یاد کیا کرو تو یہ بات نہ ہو۔ کوئی دن قبر پر ایسا نہیں گزرتا جس میں وہ یہ اعلان نہیں کرتی کہ میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، کیڑوں اور جانوروں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مؤمن (کامل ایمان والا) دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تیرا آنا مبارک ہے، تو نے بہت ہی اچھا کیا کہ آ گیا۔ جتنے لوگ میری پشت پر یعنی زمین پر چلتے تھے تو ان سب میں مجھے بہت محبوب تھا۔ آج تو میرے سپرد ہوا تو میرا حسن سلوک بھی دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ اس قدر وسیع ہو جاتی ہے کہ منتہائے نظر تک کھل جاتی ہے اور جنت کا ایک دروازہ اس میں کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوائیں خوشبوئیں وغیرہ پہنچتی رہتی ہیں اور جب کافر فاجر دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے کہ تیرا آنا منحوس اور نا مبارک ہے کیا ضرورت تھی تیرے آنے کی جتنے آدمی میری پشت پر چلتے تھے سب میں زیادہ بغض مجھے تجھ سے تھا آج تو میرے حوالہ ہوا تو میرا معاملہ بھی دیکھے گا۔ اس کے بعد اسکو اس قدر زور سے بھینچتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں جس طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے انگلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ اس کے بعد نوے یا ننانوے اژدھے اس پر مسلط ہو جاتے ہیں جو اسکو نوچتے رہتے ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا رہیگا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ایک اژدھا بھی ان میں سے زمین پر پھنکار ماردے تو قیامت تک زمین میں گھاس نہ اُگے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

کہ قبر یا جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا۔ ایک حدیث میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ کا دو قبروں پر گذر ہوا، ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ایک کو چغلخوری کے جرم میں دوسرے کو پیشاب کی احتیاط نہ کرنے کے جرم میں (کہ بدن کو اس سے بچاتا نہ تھا) ہمارے کتنے مہذب لوگ ہیں جو استنجے کو عیب سمجھتے ہیں اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ علماء نے پیشاب سے نہ بچنا گناہِ کبیرہ بتایا ہے۔ ابن حجرؒ مکی نے لکھا ہے کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا کہ قبر میں سب سے پہلے مطالبہ پیشاب کا ہوتا ہے بالجملہ عذاب قبر سخت چیز ہے اور جیسا کہ اس کے ہونے میں بعض گناہوں کو خاص دخل ہے اسی طرح اس سے بچنے میں بھی بعض عبادات کو خصوصی شرافت حاصل ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ سورۃ تَبٰرَكَ الَّذِیْ کا ہر رات کو پڑھتے رہنا عذابِ قبر سے نجات کا سبب ہے اور عذاب جہنم سے بھی حفاظت کا سبب ہے اور اللہ کے ذکر کے بارے میں تو حدیث بالا ہے ہی (فضائل ذکر، ص-۳۱-۳۲)۔

اتنی کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تم کو مجنون اور دیوانہ کہنے لگیں:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَکْثِرُوْا ذِکْرَاللّٰہِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ. رواہ احمد وابویعلے وابن حبان والحاکم فی صحیحہ وقال صحیح الاسناد وروی عن ابن عباس مرفوعًا بلفظ اُذْکُرُاللّٰہَ ذِکْرًا یَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ اِنَّکُمْ مُرَاؤُنَ رواہ الطبرانی و رواہ البیھقی عن ابی الجوزاء مرسلًا کذافی الترغیب والمقاصد الحسنۃ للسخاوی وھکذا فی الدرالمنثور للسیوطی الاانہ عزا حدیث ابی الجوزاء الی عبداللہ ابن احمد فی زوائد الزھد وعزاہ فی الجامع الصغیر الی سعید بن منصور فی سننہ والبیھقی فی الشعب ورقم لہ بالضعف و ذکر فی الجامع الصغیر ایضًا بروایۃ الطبرانی عن ابن عباس مسندًا ورقم لہ بالضعف وعزاحدیث ابی سعید الی احمد وابی یعلیٰ فی مسندہ وابن حبان والحاکم والبیھقی فی الشعب ورقم لہٗ بالحسن: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمہیں ریاکار کہنے لگیں۔

(ف) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں یا بیوقوفوں کے ریا کار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت چھوڑنا نہ چاہیئے بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہیئے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمہارا پیچھا چھوڑ دیں اور مجنون جب ہی کہا جائیگا جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے آہستہ میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے کوئی چیز بندوں پر ایسی فرض نہیں فرمائی جس کی کوئی حد مقرر نہ کردی ہو اور پھر اس کے عذر کو قبول نہ فرمالیا ہو بجز اللہ کے ذکر کے کہ نہ اس کی کوئی حد مقرر فرمائی اور نہ عقل رہنے تک کسی کو معذور قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے؛ اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا : اللہ جل شانہٗ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو، رات میں، دن میں، جنگل میں، دریا میں سفر میں، حضر میں، فقر میں، تونگری میں، بیماری میں، صحت میں، آہستہ اور پکار کر اور ہر حال میں۔ حافظ ابن حجرؒ نے منبہات میں لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ سے قرآن پاک کے ارشاد وَکَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا میں منقول ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں سات سطریں لکھی ہوئی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ (۱) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کو جانتا ہو پھر بھی ہنسے۔ (۲) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ دنیا آخر ایک دن ختم ہونے والی ہے پھر بھی اس میں رغبت کرے۔ (۳) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ ہر چیز مقدر سے ہے پھر بھی کسی چیز کے جاتے رہنے پر افسوس کرے۔ (۴) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو آخرت میں حساب کا یقین ہو پھر بھی مال جمع کرے۔ (۵) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جہنم کی آگ کا علم ہو پھر بھی گناہ کرے۔ (۶) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو جانتا ہو پھر کسی اور چیز کا ذکر کرے۔ (۷) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جنت کی خبر ہو پھر دنیا میں کسی چیز سے راحت پائے۔ بعض نسخوں میں یہ بھی ہیکہ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو شیطان کو دشمن سمجھے پھر بھی اس کی اطاعت کرے۔ حافظؒ نے حضرت جابرؓ سے حضور ﷺ کا بھی ارشاد نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے اللہ کے ذکر کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا بغیر ذکر کے کوئی چیز نفع نہ دیگی۔ ان سب روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر کی جتنی بھی کثرت ممکن ہو دریغ نہ کرے۔ لوگوں کے مجنون یا ریا کار کہنے کی وجہ سے اس کا چھوڑ دینا اپنا ہی نقصان کرنا ہے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ اول وہ ذکر سے اس خیال سے روکتا ہے کہ لوگ دیکھیں گے۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا وغیرہ وغیرہ، پھر شیطان کو روکنے کیلئے یہ ایک مستقل ذریعہ اور حیلہ مل جاتا ہے اسلئے یہ تو ضروری ہے کہ دکھلانے کی نیت سے کوئی عمل نہ کرے لیکن اگر کوئی دیکھ لے تو بلا سے دیکھے اس وجہ سے چھوڑنا بھی نہ چاہیئے۔

روزِ آخرت میں سات قسم کے آدمی اللہ کی رحمت کے سائے کے نیچے

ہونگے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ سَبْعَةٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظِلِّہٖ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ وَالشَّابُّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰہِ وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَا فِی اللّٰہِ اِجْتَمَعَا عَلٰی ذٰلِکَ وَتَفَرَّقَا عَلَیْہِ وَرَجُلٌ دَعَتْہُ اِمْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاھَا حَتّٰی لَاتَعْلَمُ شِمَالُہٗ مَاتُنْفِقُ یَمِیْنُہٗ وَرَجُلٌ ذَکَرَاللّٰہَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ. رواہ البخاری و مسلم وغیرھما کذافی الترغیب والمشکوٰة و فی الجامع الصغیر بروایة مسلم عن ابی ھریرة وابی سعید معاوٰ ذکر عدة طرقہ اخری: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ہیں جن کو اللہ جل شانہٗ اپنے (رحمت کے) سایہ میں ایسے دن جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ایک عادل بادشاہ، دوسرا وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو، تیسرے وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹک رہا ہو۔ چوتھے وہ دو شخص جن میں اللہ ہی کے واسطے محبت ہو اسی پر ان کا اجتماع ہو اسی پر جدائی، پانچویں وہ شخص جس کو کوئی حسین شریف عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہدے کہ مجھے اللہ کا ڈر مانع ہے، چھٹے وہ شخص جو ایسے مخفی طریق سے صدقہ کرے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو، ساتویں وہ شخص جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگیں۔

(ف) آنسو بہنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دیدہ ودانستہ اپنے معاصی اور گناہوں کو یاد کر کے رونے لگے اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غلبہ شوق میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں، بروایت ثابتؒ بنانی ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوجاتا ہے کہ میری کون سی دعا قبول ہوئی۔لوگوں نے پوچھا کہ کس طرح معلوم ہوجاتا ہے۔فرمانے لگے کہ جس دعا سے بدن کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل دھڑکنے لگتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ان سات آدمیوں میں جن کا ذکر حدیث پاک میں وارد ہوا، ایک وہ شخص بھی ہے جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور رونے لگے۔اس شخص میں دوخوبیاں جمع ہیں اور دونوں اعلیٰ درجے کی ہیں۔ایک اخلاص کہ تنہائی میں اللہ کی یاد میں مشغول ہوا۔دوسرے اللہ کا

لے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند وبرتر ہے، اسکی ذات کے بارے میں سوچ وفکر کرنا گمراہی ہے۔

خوف یا شوق کہ دونوں میں رونا آتا ہے اور دونوں کمال ہیں۔

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

حدیث کے الفاظ ہیں؛ رَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا: ایک وہ آدمی جو اللہ کا ذکر کرے اس حال میں کہ خالی ہو، صوفیاء نے لکھا ہے کہ خالی ہونیکے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ آدمیوں سے خالی ہو جس کے معنی تنہائی کے ہیں، یہ عام مطلب ہے۔ دوسرے یہ کہ دل اغیار سے خالی ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل خلوت یہی ہے اس لئے اکمل درجہ تو یہ ہے کہ دونوں خلوتیں حاصل ہوں لیکن اگر کوئی شخص مجمع میں ہو اور دل غیروں سے بالکل خالی ہو اور ایسے وقت اللہ کے ذکر سے کوئی شخص رونے لگے تو وہ بھی اس میں داخل ہے کہ مجمع کا ہونا نہ ہونا اس کے حق میں برابر ہے۔ جب اس کا دل مجمع تو درکنار غیر اللہ کے التفات سے بھی خالی ہے تو اس کو مجمع کیا مضر ہو سکتا ہے۔ اللہ کی یاد میں یا اس کے خوف سے رونا بڑی ہی دولت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہٗ میسّر فرمادیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ اس وقت تک جہنم میں نہیں جا سکتا جب تک کہ دودھ تھنوں میں واپس جائے (اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ پس ایسے ہی اس کا جہنم میں جانا بھی ناممکن ہے) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے حتّٰی کہ اس کے آنسوؤں میں سے کچھ زمین پر ٹپک جائے تو اس کو قیامت کے دن عذاب نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ جو اسلام کی اور مسلمانوں کی کفار سے حفاظت کرنے میں جاگی ہو۔

ذاکرین کا بہت بڑا اعزاز:

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِىْ مُنَادٍ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ اُولُوا الْاَلْبَابِ، قَالُوْا اَىُّ اُولِى الْاَلْبَابِ تُرِيْدُ قَالَ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ عُقِدَ لَهُمْ لِوَاءٌ فَاتَّبَعَ الْقَوْمُ لِوَائَهُمْ وَقَالَ لَهُمْ اُدْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ. اخرجه الاصبهانى فى الترغيب كذا فى الدر: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک آواز دینے والا

---

۱ یعنی غور و فکر سے یہ پیدا ہوتی ہے کیونکہ غور و فکر سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات سمجھ میں آئیں گے اور ہر صاحب کمال سے آدمی کے دل میں محبت ہونا لازمی ہے۔ ۲ یعنی دل دل میں کیا ہوا ذکر۔

آواز دے گا کہ عقلمند لوگ کہاں ہیں؟ لوگ پوچھیں گے کہ عقلمندوں سے کون مراد ہیں۔ جواب ملے گا کہ وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے تھے کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے (یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے) آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یا اللہ آپ نے یہ سب بے فائدہ تو پیدا کیا ہی نہیں ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں۔ آپ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اس کے بعد ان لوگوں کیلئے ایک جھنڈا بنایا جائیگا جس کے پیچھے یہ سب جائینگے اور ان سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کیلئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(ف) آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی حکمتوں کے عجائب سوچتے ہیں جس سے اللہ جل جلالہٗ کی معرفت میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

الٰہی یہ عالم ہے گلزار تیرا

معرفت الٰہی کی کنجی آسمانوں اور زمین میں غور وفکر ہے:

ابن ابی الدنیا نے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے جو چپ چاپ بیٹھے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا بات ہے کس سوچ میں بیٹھے ہو؟ عرض کیا مخلوقاتِ الٰہیہ کی سوچ میں ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اللہ کی ذات میں غور نہ کیا کرو (کہ وہ وراءالوراء ہے)[1] اس کی مخلوقات میں غور کیا کرو۔ حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات سنا دیجئے فرمایا حضور ﷺ کی کونسی بات ایسی تھی۔ جو عجیب نہ تھی۔ ایک مرتبہ رات کو تشریف لائے۔ میرے بستر پر میرے لحاف میں لیٹ گئے پھر ارشاد فرمایا چھوڑ میں تو اپنے رب کی عبادت کرونگا۔ یہ فرما کر اٹھے وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ کر رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک پر بہتے رہے۔ پھر اسی طرح رکوع میں روتے رہے۔ پھر سجدہ میں اسی طرح روتے رہے۔ ساری رات اسی طرح گذار دی حتی کہ صبح کی نماز کے واسطے حضرت بلالؓ بلانے کیلئے آگئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ تو بخشے بخشائے ہیں پھر آپ اتنا کیوں روئے ارشاد فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں پھر فرمایا میں کیوں نہ روتا، حالانکہ آج یہ آیتیں نازل ہوئیں (یعنی الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ) پھر فرمایا کہ ہلاکت ہے اس شخص کیلئے جو ان کو پڑھے اور غور وفکر نہ کرے عامر بن عبد قیسؒ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا

ہے ایک سے دو سے تین سے نہیں (بلکہ ان سے زیادہ سے سنا ہے) کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر ہے۔
حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا آسمان اور ستاروں کو دیکھ رہا تھا، پھر کہنے لگا خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ تمہارا پیدا کرنیوالا بھی کوئی ضرور ہے، اے اللہ تو میری مغفرت فرمادے۔ نظرِ رحمت اس کیطرف متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگئی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کا غور تمام رات کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت ابو درداءؓ اور حضرت انسؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ حضرت انسؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک ساعت کا غور ان چیزوں میں اسّی سال کی عبادت سے افضل ہے۔ اُم درداءؓ سے کسی نے پوچھا کہ ابو درداءؓ کی افضل ترین عبادت کیا تھی، فرمایا غور و فکر، بروایت ابو ہریرہؓ حضور اقدس ﷺ سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔

لیکن ان روایتوں کا یہ مطلب نہیں کہ پھر عبادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر عبادت اپنی جگہ جو درجہ رکھتی ہے، فرض ہو یا واجب سنّت ہو یا مستحب اس کے چھوڑنے پر اسی درجہ کی وعید عذاب یا ملامت ہوگی۔ جس درجہ کی وہ عبادت ہوگی۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ غور و فکر کو افضل عبادات اس لئے کہا گیا کہ اس میں معنی ذکر کے تو موجود ہوتے ہی ہیں دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے۔ ایک اللہ کی معرفت اس لئے کہ غور و فکر معرفت کی کنجی ہے، دوسری اللہ کی محبت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے[1] یہی غور و فکر ہے جس کو صوفیاء مراقبہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔ بہت سی روایات سے اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مسند ابو یعلیٰ میں بروایت حضرت عائشہؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ وہ ذکرِ خفی جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں ستر درجہ دو چند ہوتا ہے جب قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ تمام مخلوق کو حساب کیلئے جمع فرمائینگے اور کراماً کاتبین اعمالنامے لیکر آئیں گے، تو ارشاد ہوگا کہ فلاں بندہ کے اعمال دیکھو کچھ اور باقی ہیں۔ وہ عرض کرینگے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو لکھی نہ ہو اور محفوظ نہ تو ارشاد ہوگا کہ ہمارے پاس اس کی ایسی نیکی باقی ہے جو تمہارے علم میں نہیں وہ ذکرِ خفی ہے[2]۔ بیہقی نے شعب میں حضرت عائشہؓ سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے کہ جس ذکر کو فرشتے بھی نہ سن سکیں وہ اس ذکر پر جس کو وہ سنیں ستر درجے بڑھا ہوا ہے۔ یہی مراد ہے اس شعر سے جس میں کہا گیا ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزے است
کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

---

[1] حلاوت کا مطلب مٹھاس یعنی لوگوں کو اسے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔

کہ عاشق ومعشوق میں ایسی رمز بھی ہوتی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو ایک لحظہ بھی غفلت نہیں ہوتی کہ انکی ظاہری عبادات تو اپنے اپنے اجر وثواب حاصل ہی کریں گی یہ ہر وقت کا ذکر وفکر پوری زندگی کے اوقات میں ستر گنا مزید براں۔ یہی چیز ہے جس نے شیطان کو دق کر رکھا ہے۔ حضرت جنیدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ خواب میں شیطان کو بالکل ننگا دیکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آتی آدمیوں کے سامنے ننگا ہوتا ہے وہ کہنے لگا کہ یہ کوئی آدمی ہیں، آدمی وہ ہیں جو شونیزیہ کی مسجد میں بیٹھے ہیں جنھوں نے میرے بدن کو دبلا کر دیا اور میرے جگر کے کباب کر دیئے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ چند حضرات گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے مراقبہ میں مشغول ہیں۔ (فضائل ذکر، ص-۳۷تا۴۴)۔

ذکراللہ سے غفلت کا انجام حسرت ومحرومی اور دل کی قساوت:

...... عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کہیں بیٹھا اور اس نشست میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ نشست اس کیلئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہوگی، اور اسی طرح جو شخص کہیں لیٹا اور اس میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ لیٹنا اس کیلئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہوگا (رواہ ابوداؤد)۔

...... عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِىْ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو، کیونکہ اس سے دل میں قساوت (سختی اور بے حسی) پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں وہ آدمی اللہ سے زیادہ دور ہے جس کے قلب میں قساوت ہو (ترمذی)۔

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ کے ذکر کے بغیر زبان زیادہ چلانے کا عادی ہوگا، اس کے دل میں قساوت یعنی بے حسی اور بے نوری پیدا ہوگی اور وہ اللہ کے قرب اور اس کی خاص رحمت سے محروم رہے گا۔ اعاذنا اللہ منہ (معارف الحدیث، ج۵، ص-۴۰تا۴۱)۔

ذکر اللہ کے سو (100) فائدے:

حافظ ابن قیمؒ ایک مشہور محدث ہیں۔انھوں نے ایک مبسوط رسالہ عربی میں "اَلْوَابِلُ الصَّیِّب" کے نام سے ذکر کے فضائل میں تصنیف کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ذکر میں سو (۱۰۰) سے بھی زیادہ فائدے ہیں۔ان میں سے نمبروار اُناسی (۷۹) فائدے انھوں نے ذکر فرمائے ہیں جن کو مختصراً اس جگہ ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے۔اور چونکہ بہت سے فوائد ان میں ایسے ہیں جو کئی کئی فائدوں کو شامل ہیں اس لحاظ سے یہ سو (۱۰۰) سے زیادہ کو مشتمل ہیں۔

(۱) ذکر شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔(۲) اللہ جل جلالہٗ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ (۳) دل سے فکر وغم کو دور کرتا ہے۔(۴) دل میں فرحت سرور اور انبساط پیدا کرتا ہے۔(۵) بدن کو اور دل کو قوت بخشتا ہے۔ (۶) چہرہ اور دل کو منور کرتا ہے۔ (۷) رزق کو کھینچتا ہے۔(۸) ذکر کرنیوالے کو ہیبت اور حلاوت کا لباس پہناتا ہے یعنی اس کے دیکھنے سے رعب پڑتا ہے اور دیکھنے والوں کو حلاوت نصیب ہوتی ہے [۱]۔(۹) اللہ تعالیٰ شانہٗ کی محبت پیدا کرتا ہے اور محبت ہی اسلام کی روح اور دین کا مرکز ہے۔اور سعادت اور نجات کا مدار ہے۔جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی محبت تک اس کی رسائی ہو اس کو چاہیے کہ اس کے ذکر کی کثرت کرے جیسا کہ پڑھنا اور تکرار کرنا علم کا دروازہ ہے اسے طرح اللہ کا ذکر اس کی محبت کا دروازہ ہے۔(۱۰) ذکر سے مُراقبہ نصیب ہوتا ہے جو مرتبہ احسان تک پہنچا دیتا ہے۔یہی مرتبہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی نصیب ہوتی ہے گویا اللہ جل شانہٗ کو دیکھ رہا ہے (یہی مرتبہ صوفیاء کا منتہائے مقصد ہوتا ہے)۔ (۱۱) اللہ کی طرف رجوع پیدا کرتا ہے جس سے رفتہ رفتہ یہ نوبت آجاتی ہے کہ ہر چیز میں حق تعالیٰ شانہٗ اس کی جائے پناہ اور ماویٰ و ملجا بن جاتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ (۱۲) اللہ کا قرب پیدا کرتا ہے اور جتنا ذکر میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا ہے اور جتنی ذکر سے غفلت ہوتی ہے اتنی ہی اللہ سے دوری ہوتی ہے۔ (۱۳) اللہ کی معرفت کا دروازہ کھولتا ہے۔ (۱۴) اللہ جل شانہٗ کی ہیبت اور اس کی بڑائی دل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ حضوری پیدا کرتا ہے۔ (۱۵) اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں ذکر کا

[۱] یعنی نفس کو بھولنا سبب ہے دارین کی شقاوت اور بدبختی کا۔ [۲] مصلحتوں ۔ سے یعنی مفید کاموں ۔ سے۔

سبب ہے چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ اور حدیث میں وارد ہے: مَنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي (الحدیث)، چنانچہ آیات اور احادیث کے بیان میں پہلے مفصل گذر چکا ہے اگر ذکر میں اس کے سوا اور کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تب بھی شرافت اور کرامت کے اعتبار سے یہی ایک فضیلت کافی تھی چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سی فضیلتیں ہیں۔ (۱۶) دل کو زندہ کرتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (حافظ ابن قیمؒ کے استاد) کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کیلئے ایسا ہے جیسا مچھلی کیلئے پانی۔ خود غور کرلو کہ بغیر پانی کے مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے۔ (۱۷) دل اور روح کی روزی ہے۔ اگر ان دونوں کو اپنی روزی نہ ملے تو ایسا ہے جیسا بدن کو اس کی روزی (یعنی کھانا) نہ ملے۔ (۱۸) دل کو زنگ سے صاف کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے۔ ہر چیز پر اس کے مناسب زنگ اور میل کچیل ہوتا ہے۔ دل کا میل اور زنگ، خواہشات اور غفلت ہیں۔ یہ اس کیلئے صفائی کا کام دیتا ہے۔ (۱۹) لغزشوں اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔ (۲۰) بندہ کو اللہ جل شانہٗ سے جو وحشت ہو جاتی ہے اس کو دور کرتا ہے کہ غافل کے دل پر اللہ کی طرف سے ایک وحشت رہتی ہے جو ذکر ہی سے دور ہوتی ہے۔ (۲۱) جو اذکار بندہ کرتا ہے وہ عرش کے چاروں طرف بندہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ (۲۲) جو شخص راحت میں اللہ جل شانہٗ کا ذکر کرتا ہے اللہ جل شانہٗ مصیبت کے وقت اسکو یاد کرتا ہے۔ (۲۳) اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ (۲۴) سکینہ اور رحمت کے اترنے کا سبب ہے اور فرشتے ذکر کرنے والے کو گھیر لیتے ہیں۔ (۲۵) اس کی برکت سے زبان غیبت، چغلخوری، جھوٹ، بدگوئی اور لغوگوئی سے محفوظ رہتی ہے۔ چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ جس شخص کی زبان اللہ کے ذکر کی عادی ہو جاتی ہے وہ ان اشیاء سے عموماً محفوظ رہتا ہے اور جس کی زبان عادی نہیں ہوتی ہر نوع کی لغویات (فضول باتوں میں) میں مبتلا رہتا ہے۔ (۲۶) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں اور لغویات اور غفلت کی مجلسیں شیطان کی مجلسیں ہیں۔ اب آدمی کو اختیار ہے جس قسم کی مجلسوں کو چاہے پسند کرلے اور ہر شخص اسی کو پسند کرتا ہے جس سے مناسبت رکھتا ہے۔ (۲۷) ذکر کی وجہ سے ذکر کرنے والا بھی سعید (نیک بخت) ہوتا

---

۱ یعنی بہت مانگا کرتے تھے۔

ہے اور اس کے پاس بیٹھنے والا بھی اور غفلت یا لغویات میں مبتلا ہونے والا خود بھی بد بخت ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے والا بھی۔ (۲۸) قیامت کے دن حسرت سے محفوظ رکھتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ مجلس جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہے۔ (۲۹) ذکر کے ساتھ اگر تنہائی کا رونا بھی نصیب ہو جائے تو قیامت کے دن کی تپش اور گرمی میں جبکہ ہر شخص میدانِ حشر میں بلبلا رہا ہوگا، یہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔ (۳۰) ذکر میں مشغول رہنے والوں کو ان سب چیزوں سے زیادہ ملتا ہے جو دعائیں مانگنے والوں کو ملتی ہیں۔ حدیث میں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص کو میرے ذکر نے دعا سے روک دیا اس کو میں دعائیں مانگنے والوں سے افضل عطا کروں گا۔ (۳۱) باوجود سہل ترین عبادت ہونے کے تمام عبادتوں سے افضل ہے اس لئے کہ زبان کو حرکت دینا بدن کے اور تمام اعضاء کو حرکت دینے سے سہل ہے۔ (۳۲) اللہ کا ذکر جنت کے پودے ہیں۔ (۳۳) جس قدر بخشش اور انعام کا وعدہ اس پر ہے اتنا کسی اور عمل پر نہیں ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سو (۱۰۰) مرتبہ کسی دن پڑھے تو اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے اور سو نیکیاں اس کیلئے لکھی جاتی ہیں اور سو برائیاں اس سے معاف کر دی جاتی ہیں اور شام تک شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ اور دوسرا کوئی شخص اس سے افضل نہیں ہوتا مگر وہ شخص کہ اس سے زیادہ عمل کرے اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ذکر کا افضل اعمال ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (۳۴) دوامِ ذکر کی بدولت اپنے نفس کو بھولنے سے امن نصیب ہوتا ہے جو سبب ہے دارین کی شقاوت کا[1] اسلئے کہ اللہ کی یاد کو بھلا دینا سبب ہوتا ہے خود اپنے نفس کے بھلا دینے کا اور اپنے تمام مصالح کے بھلا دینے کا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰـهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ: تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنھوں نے اللہ سے بے پروائی کی۔ پس اللہ نے انکو اپنی جانوں سے بے پروا کر دیا یعنی ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ اپنے حقیقی نفع کو نہ سمجھا (حشر، رکوع ۳) اور جب آدمی اپنے نفس کو

---

[1] گوشہ کے معنی کونہ۔　　[2] پراگندہ کے معنی بکھرا ہوا اور منتشر۔

بھلا دیتا ہے تو اس کی مصالح [۱] سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ سبب ہلاکت کا بن جاتا ہے جیسا کہ کسی شخص کی کھیتی ہو یا باغ ہو اور اس کو بھول جائے اس کی خبر گیری نہ کرے تو لامحالہ وہ ضائع ہوگا۔ اور اس سے امن جب ہی مل سکتا ہے جب اللہ کے ذکر سے زبان کو ہر وقت تر وتازہ رکھے اور ذکر اس کو ایسا محبوب ہو جائے جیسا کہ پیاس کی شدت کے وقت پانی اور بھوک کے وقت کھانا اور سخت گرمی اور سخت سردی کے وقت مکان اور لباس بلکہ اللہ کا ذکر اس سے زیادہ کا مستحق ہے اسلئے کہ ان اشیاء کے نہ ہونے سے بدن کی ہلاکت ہے جو روح کی اور دل کی ہلاکت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ (۳۵) ذکر آدمی کی ترقی کرتا رہتا ہے۔ بستر ے پر بھی اور بازار میں بھی، صحت میں بھی اور بیماری میں بھی، نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ مشغولی میں بھی اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر وقت ترقی کا سبب بنتی ہو حتیٰ کہ جس کا دل نورِ ذکر سے منور ہو جاتا ہے وہ سوتا ہوا بھی غافل شب بیداروں سے بڑھ جاتا ہے۔ (۳۶) ذکر کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے اور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے اور آخرت میں پل صراط پر آگے آگے چلتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا: [ایسا شخص جو پہلے مردہ یعنی گمراہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ یعنی مسلمان بنا دیا اور اس کو ایسا نور دیدیا کہ وہ اس نور کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے یعنی وہ نور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے کیا ایسا شخص بدحالی میں اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو گمراہیوں کی تاریکیوں میں گھرا ہو کہ ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا (انعام رکوع ۱۵)۔ پس اول شخص مؤمن ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی محبت اور اس کی معرفت اور اس کے ذکر سے منور ہے اور دوسرا شخص ان چیزوں سے خالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نور نہایت مہتم بالشان چیز ہے اور اسی میں پوری کامیابی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ اس کی طلب اور دعا میں مبالغہ فرماتے تھے [۱] اور اپنے ہر ہر جزو میں نور کو طلب فرماتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں متعدد دعائیں ایسی ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ نے اس کی دعا فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کے گوشت میں، ہڈیوں میں، پٹھوں میں، بال میں، کھال میں، کان میں، آنکھ میں،

---

[۱] اے اللہ مجھے بھی اس میں سے کچھ عطا فرما۔

اوپر نیچے دائیں بائیں آگے پیچھے نور ہی نور کردے حتیٰ کہ یہ بھی دعا کی کہ خود مجھ کو سرتا پا نور بنادے کہ آپ کی ذات ہی نور بن جائے۔ اسی نور کی بقدر اعمال میں نور ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں کے نیک عمل ایسی حالت میں آسمان پر جاتے ہیں کہ ان پر آفتاب جیسا نور ہوتا ہے اور ایسا ہی نور انکے چہروں پر قیامت کے دن ہوگا۔ (۳۷) ذکر تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیاء کے سب طریقوں میں رائج ہے جس شخص کیلئے ذکر کا دروازہ کھل گیا ہے اس کے لئے اللہ جل شانہٗ تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا اور جو اللہ جل شانہٗ تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے پاس کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہے۔ (۳۸) آدمی کے دل میں ایک گوشہ ہے جو اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی پر نہیں ہوتا اور جب ذکر دل پر مسلط ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اس گوشہ کو پر کرتا ہے بلکہ ذکر کرنے والے کو بغیر مال کے غنی کر دیتا ہے اور بغیر کنبہ اور جماعت کے لوگوں کے دلوں میں عزت والا بنا دیتا ہے اور بغیر سلطنت کے بادشاہ بنا دیتا ہے اور جو شخص ذکر سے غافل ہوتا ہے وہ باوجود مال و دولت اور حکومت کے ذلیل ہوتا ہے۔ (۳۹) ذکر پراگندہ کو مجتمع کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرتا ہے۔ دور کو قریب کرتا ہے اور قریب کو دور کرتا ہے۔ پراگندہ کو مجتمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے دل پر جو متفرق ہموم غموم تفکرات پریشانیاں ہوتی ہیں ان کو دور کر کے جمیعت خاطر پیدا کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پر جو تفکرات مجتمع ہیں ان کو متفرق کر دیتا ہے اور آدمی کی جو لغزشیں اور گناہ جمع ہو گئے ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے اور جو شیطان کے لشکر آدمی پر مسلط ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے۔ اور آخرت کو جو دور ہے قریب کر دیتا ہے اور دنیا کو جو قریب ہے دور کر دیتا ہے۔ (۴۰) ذکر آدمی کے دل کو نیند سے جگاتا ہے، غفلت سے چوکنا کرتا ہے اور دل جب تک سوتا رہتا ہے اپنے سارے ہی منافع کھوتا رہتا ہے۔ (۴۱) ذکر ایک درخت ہے جس پر معارف کے پھل لگتے ہیں۔ صوفیاء کی اصطلاح میں احوال اور مقامات کے پھل لگتے ہیں اور جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی اس درخت کی جڑ مضبوط ہوگی اور جتنی جڑ مضبوط ہوگی اتنے ہی زیادہ پھل اس پر آئیں گے۔ (۴۲) ذکر اس پاک ذات کے قریب کر دیتا ہے جس کا ذکر کر رہا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ معیت نصیب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

اَلَّذِیۡنَ اتَّقَوْا : اللہ جل شانہٗ متقیوں کے ساتھ ہے، اور حدیث میں وارد ہے: اَنَا مَعَ عَبْدِیْ مَاذَکَرَنِیْ : میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا رہتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ میرا ذکر کرنے والے میرے آدمی ہیں۔ میں ان کو اپنی رحمت سے دور نہیں کرتا اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں تو میں ان کا حبیب ہوں اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا طبیب ہوں کہ ان کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہوں تاکہ ان کو گناہوں سے پاک کروں۔ نیز ذکر کی وجہ سے جو اللہ جل شانہٗ کی معیت نصیب ہوتی ہے وہ ایسی معیت ہے جس کے برابر کوئی دوسری معیت نہیں ہے۔ نہ وہ زبان سے تعبیر ہوسکتی ہے نہ تحریر میں آسکتی ہے۔ اس کی لذت وہی جان سکتا ہے جس کو یہ نصیب ہوجاتی ہے (اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ مِنْہُ شَیْئًا) [1] (۴۳) ذکر غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے۔ مالوں کے خرچ کرنے کے برابر ہے۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کے برابر ہے۔ بہت سی روایات میں اس قسم کے مضامین گذر بھی چکے ہیں اور آئندہ بھی آنے والے ہیں۔ (۴۴) ذکر شکر کی جڑ ہے۔ جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ آپ نے مجھ پر بہت احسانات کیے ہیں مجھے طریقہ بتادیجئے کہ میں آپ کا بہت شکر ادا کروں، اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تم میرا ذکر کروگے اتنا ہی شکر ادا ہوگا۔ دوسری حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ درخواست ذکر کی گئی ہے کہ یا اللہ تیری شان کے مناسب شکر کس طرح ادا ہو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ تمہاری زبان ہر وقت ذکر کے ساتھ تروتازہ رہے۔ (۴۵) اللہ کے نزدیک پرہیزگار لوگوں میں زیادہ معزز وہ لوگ ہیں جو ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہوں اس لئے کہ تقویٰ کا منتہا جنت ہے اور ذکر کا منتہا اللہ کی معیت ہے۔ (۴۶) دل میں ایک خاص قسم کی قسوت (سختی ہے جو ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی نرم نہیں ہوتی)۔ (۴۷) ذکر دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔ (۴۸) ذکر اللہ کے ساتھ دوستی کی جڑ ہے اور ذکر سے غفلت اس کے ساتھ دشمنی کی جڑ ہے۔ (۴۹) اللہ کے ذکر کے برابر کوئی چیز نعمتوں کو کھینچنے والی اور اللہ کے عذاب کو ہٹانے والی نہیں ہے۔ (۵۰) ذکر کرنے والے پر اللہ کی صلوٰۃ (رحمت) اور فرشتوں کی صلوٰۃ (دعا) ہوتی ہے۔ (۵۱) جو شخص یہ چاہے کہ

دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت کے باغوں میں رہے وہ ذکر کی مجالس میں بیٹھے کیونکہ یہ مجالس جنت کے باغ ہیں۔ (۵۲) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں (حدیث مذکورہ میں یہ مضمون مفصل گذر چکا ہے)۔ (۵۳) اللہ ذکر کرنیوالوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں۔ (۵۴) ذکر پر مداومت کرنے والا جنت میں ہنستا ہوا داخل ہوتا ہے۔ (۵۵) تمام اعمال اللہ کے ذکر ہی کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔ (۵۶) تمام اعمال میں وہ عمل افضل ہے جس میں ذکر کثرت سے کیا جائے۔ روزوں میں وہ روزہ افضل ہے جسمیں ذکر کی کثرت ہو۔ حج میں وہ حج افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو۔ اسی طرح اور اعمال جہاد وغیرہ کا حکم ہے۔ (۵۷) یہ نوافل اور دوسری نفل عبادات کے قائم مقام ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا کے کہ فقراء نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ یہ مالدار لوگ بڑے بڑے درجے حاصل کرتے ہیں۔ یہ روزے نماز میں ہمارے شریک ہیں اور اپنے مالوں کی وجہ سے حج، عمرہ، جہاد میں ہم سے سبقت لیجاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں ایسی چیز بتاؤں جس سے کوئی شخص تم تک نہ پہنچ سکے۔ مگر وہ شخص جو یہ عمل کرے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھنے کو فرمایا، حضور ﷺ نے حج، عمرہ اور جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل ذکر کو قرار دیا ہے۔ (۵۸) ذکر دوسری عبادات کے لئے بڑا معین ومددگار ہے کہ اس کی کثرت سے ہر عبادت محبوب بن جاتی ہے۔ اور عبادات میں لذت آنے لگتی ہے اور کسی عبادت میں بھی مشقت اور بار نہیں رہتا۔ (۵۹) ذکر کی وجہ سے ہر مشقت آسان بن جاتی ہے اور ہر دشوار چیز سہل ہوجاتی ہے اور ہر قسم کے بوجھ میں خفت ہوجاتی ہے اور ہر مصیبت زائل ہوجاتی ہے۔ (۶۰) ذکر کی وجہ سے دل سے خوف وہراس دور ہوجاتا ہے۔ ڈر کے مقام پر اطمینان پیدا کرنے اور خوف کے زائل کرنے میں اللہ کے ذکر کو خصوصی دخل ہے اور اس کی یہ خاص تاثیر ہے جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنا ہی اطمینان نصیب ہوگا اور خوف زائل ہوگا۔ (۶۱) ذکر کی وجہ سے آدمی میں ایک خاص قوت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایسے کام اس سے صادر ہونے لگتے ہیں جو دشوار نظر آتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ ؓ کو جب انھوں نے چکی کی مشقت اور کاروبار کی دشواری کی وجہ سے ایک خادم طلب کیا تھا تو سوتے وقت

سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳-۳۳ مرتبہ اور اَللّٰہُ اَکْبَر ۳۴ مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ خادم سے بہتر ہے۔ (۶۲) آخرت کیلئے کام کرنے والے سب دوڑ رہے ہیں اور اس دوڑ میں ذاکرین کی جماعت سب سے آگے ہے۔ عمر مولیٰ غفرۃ ؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کو اعمال کا ثواب ملے گا تو بہت سے لوگ اس وقت حسرت کریں گے کہ ہم نے ذکر کا اہتمام کیوں نہ کیا کہ سب سے زیادہ سہل عمل تھا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مفرد لوگ آگے بڑھ گئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ مفرد لوگ کون ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر پر مر مٹنے والے کہ ذکر ان کے بوجھوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔ (۶۳) ذکر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ شانہٗ تصدیق کرتے ہیں اور اسکو سچا بتاتے ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ خود سچا بتائیں اس کا حشر جھوٹوں کے ساتھ نہیں ہو سکتا حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں میرے بندہ نے سچ کہا میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں سب سے بڑا ہوں۔ (۶۴) ذکر سے جنت میں گھر تعمیر ہوتے ہیں۔ جب بندہ ذکر سے رک جاتا ہے تو فرشتے تعمیر سے رک جاتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں تعمیر تم نے کیوں روک دی تو وہ کہتے ہیں کہ اس تعمیر کا خرچ ابھی تک آیا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم سات مرتبہ پڑھے ایک گنبد اس کے لئے جنت میں تعمیر ہو جاتا ہے۔ (۶۵) ذکر جہنم کیلئے آڑ ہے۔ اگر کسی بد عملی کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جائے تو ذکر درمیان میں آڑ بن جاتا ہے اور جتنی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی پختہ آڑ ہوگی۔ (۶۶) ذکر کرنیوالے کیلئے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب بندہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہتا ہے یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کہتا ہے تو فرشتے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما۔ (۶۷) جس پہاڑ پر یا میدان میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ فخر کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو آواز دے کر پوچھتا ہے کوئی ذکر کرنے والا تجھ پر آج گذرا ہے اگر وہ کہتا ہے کہ گذرا ہے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔ (۶۸) ذکر کی کثرت نفاق سے بری ہونے کا اطمینان (اور سند) ہے کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے منافقوں کی صفت یہ

بیان کی ہے کہ "لَایَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلاً: نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑا سا"، کعبؓ احبار سے نقل کیا گیا ہے کہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرے وہ نفاق سے بری ہے۔ (۶۹) نیک اعمال کے مقابلے میں ذکر کے لئے ایک خاص لذت ہے جو کسی عمل میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اگر ذکر میں اس لذت کے سوا کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تو یہی چیز اس کی فضیلت کیلئے کافی تھی۔ مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ لذت پانیوالے کسی چیز میں بھی ذکر کے برابر لذت نہیں پاتے۔ (۷۰) ذکر کرنیوالوں کے چہرے پر دنیا میں رونق اور آخرت میں نور ہوگا۔ (۷۱) جو شخص راستوں میں اور گھروں میں، سفر میں اور حضر میں کثرت سے ذکر کرے قیامت میں اس کی گواہی دینے والے کثرت سے ہونگے۔ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا: اس دن زمین اپنی خبریں بیان کریگی"، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہؓ نے لاعلمی ظاہر کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس مرد و عورت نے جو کام زمین پر کیا ہے، وہ بتائے گی کہ فلاں دن فلاں وقت مجھ پر یہ کام کیا ہے (نیک ہو یا برا) اسلئے مختلف جگہوں میں کثرت سے ذکر کرنیوالوں کی گواہ بھی بکثرت ہونگے۔ (۷۲) زبان جتنی دیر ذکر میں مشغول رہے گی لغویات، جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے محفوظ رہے گی اس لئے کہ زبان تو چپ رہتی ہی نہیں یا ذکر اللہ میں مشغول ہوگی ورنہ لغویات میں۔ اسی طرح دل کا حال ہے کہ اگر وہ اللہ کی محبت میں مشغول نہ ہوگا تو مخلوق کی محبت میں مبتلا ہوگا۔ (۷۳) شیاطین آدمی کے کھلے دشمن ہیں اور ہر طرح سے اسکو وحشت میں ڈالتے رہتے ہیں اور ہر طرف سے اسکو گھیرے رہتے ہیں۔ جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس کے دشمن ہر وقت اس کا محاصرہ کئے رہتے ہوں اس کا جو حال ہوگا ظاہر ہے اور دشمن بھی ایسے کہ ہر ایک ان میں سے یہ چاہے کہ جو تکلیف بھی پہنچا سکوں پہنچاؤں۔ ان لشکروں کو ہٹانیوالی چیز ذکر کے سوا کوئی نہیں ہے۔ بہت سی احادیث میں بہت سی دعائیں آئی ہیں جن کے پڑھنے سے شیطان قریب بھی نہیں آتا اور سوتے وقت پڑھنے سے رات بھر حفاظت رہتی ہے۔ (فضائل ذکر، ص-۴۸ تا ۵۵)۔

کلماتِ ذکر اور ان کی فضیلت و برکت:

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اللہ کے ذکر کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی اسی طرح اس کے خاص کلمات بھی تلقین فرمائے، اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا امکان تھا کہ علم ومعرفت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اللہ کا ذکر اس طرح کرتے جو اس کے شایان شان نہ ہوتا، یا جس سے بجائے حمد وثنا کے معاذ اللہ اس کی تنقیص ہوتی۔ عارف رومیؒ نے اپنی مثنوی میں حضرت موسیٰ اور ایک چرواہے کی جو حکایت بیان کی ہے وہ اسی کی ایک مثال ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جو کلمات ذکر تلقین فرمائے ہیں وہ معنوی لحاظ سے مندرجہ ذیل چند قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ہیں۔ یا تو ان میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ اور تقدیس ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات سے منزہ اور پاک ہے جس میں عیب ونقص کا شائبہ بھی ہو) "سُبْحَانَ اللّٰه" کا یہی مفہوم اور مدعا ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ ساری خوبیاں اور تمام کمالی صفات اللہ تعالیٰ میں ہیں اور اسلئے حمد وثنا اسی کو سزاوار ہے)۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کی یہی خصوصیت ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی شان یکتائی کا بیان ہے چنانچہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی شان یہی ہے۔ یا ان میں اللہ تعالیٰ کی اس شان عالی کا اظہار ہے کہ ہم نے اس کے بارے میں منفی اور مثبت طور پر جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند وبالا اور وراء الوراء ہے، "اَللّٰهُ اَكْبَر" کا یہی مفہوم ومدعا ہے۔ یا ان کلمات میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ نہیں، لہٰذا وہی اس کا حقدار ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" کی یہی نوعیت اور خصوصیت ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے:-

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں، "سُبْحَانَ اللّٰه" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" اور "اَللّٰهُ اَكْبَر" (مسلم)۔

(تشریح) اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں "اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ" کے بجائے "اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ اَرْبَعٌ" کے الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ سب کلموں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے چار کلمے ہیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقُوْلَ

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعاعیں پڑتی ہیں، ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" کہوں (مسلم)۔

(تشریح) ان چاروں کلموں کا اجمالی مفہوم اوپر کی تمہیدی سطروں میں ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوگیا ہوگا کہ یہ نہایت مختصر اور ہلکے پھلکے چار کلمے اللہ تعالیٰ کی تمام مثبت و منفی صفات کمال پر کس قدر حاوی ہیں۔ بعض عرفاء کاملین نے لکھا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ جو اس کی تمام صفات کمال کی ترجمانی کرتے ہیں ان میں سے کسی کا مفہوم بھی ان چار کلموں سے باہر نہیں ہے۔ مثلاً اَلْقُدُّوسُ، اَلسَّلَامُ اور اَلطَّاھِرُ جیسے اسماء حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے ہر عیب و نقص کی نفی کرتے ہیں، سُبْحَانَ اللّٰہ کا مفہوم ان سب پر حاوی ہے۔ اسی طرح اَلرَّحْمٰنُ، اَلرَّحِیْمُ، اَلْکَرِیْمُ، اَلْعَلِیْمُ، اَلْقَدِیْرُ، اَلسَّمِیْعُ، اَلْبَصِیْرُ، اَلْعَزِیْزُ اور اَلْحَکِیْمُ جیسے تمام اسماء حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کے احاطے میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح جو اسماء حسنیٰ اس کی وحدانیت و یکتائی اور اس کی شان لاشریکی و بے مثالی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے اَلْوَاحِدُ اور اَلْاَحَدُ وغیرہ، ان کی پوری ترجمانی کلمہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کرتا ہے۔ علیٰ ہذا اَلْعَلِیُّ، اَلْاَعْلٰی، اَلْکَبِیْرُ اور اَلْمُتَعَالِی جیسے اسماء حسنیٰ جن کا مفہوم و مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کسی نے جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور وراء الوراء ہے۔ بلاشبہ کلمہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اس حقیقت کی بہترین تعبیر ہے۔

پس جس نے دل کے شعور و یقین کے ساتھ کہا "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" اس نے اللہ کی ساری ثناء و صفت بیان کردی، اور تمام اسماء حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی جن ایجابی یا سلبی صفات کمال کا بیان ہے دل سے ان سب کی شہادت دے دی، اسلئے یہ چار کلمے اپنی قدر و قیمت اور عظمت و برکت کے لحاظ سے بلاشبہ اس ساری کائنات کے مقابلے میں فائق ہیں جس پر سورج کی روشنی یا اس کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ جن قلوب کو ایمان کی دولت نصیب ہے ان کے لئے یہ حقیقت بالکل وجدانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کی یہ دولت نصیب فرمائے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی شَجَرَۃٍ یَابِسَۃِ الْوَرَقِ فَضَرَبَھَا بِعَصَاہُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَلَااِلٰہَ اِلَّا

اَللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبَ الْعَبْدِ کَمَا یَتَسَاقَطُ وَرَقُ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھ چکے تھے، آپ ﷺ نے اس پر اپنا عصائے مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑ پڑے (اور ساتھ والوں نے وہ منظر دیکھا) پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کلمے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَلَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر" بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں، جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے (الترمذی)۔

(تشریح) نیک اعمال کی اس خاصیت کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی برکت اور تاثیر سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ ارشاد ہے: اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ: یقینی بات ہے کہ نیکیاں گناہوں کا صفایا کر دیتی ہیں۔ احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز اور صدقہ وغیرہ بہت سے اعمال صالحہ کی اس تاثیر کا خصوصیت سے بیان فرمایا ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے ان چار کلموں کی یہ تاثیر بیان فرمائی اور درخت کے سوکھے پتے عصا کی ایک ضرب سے جھاڑ کے صحابہ کرامؓ کو اس کا ایک نمونہ بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور ان کلموں کی عظمت و تاثیر سے استفادہ کی توفیق دے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ فِیْ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ حُطَّتْ خَطَایَاہُ وَاِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے روزانہ سو دفعہ کہا (سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ) ان کے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ" کا مطلب وہی ہے جو "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہ" کا ہے، یعنی ہر اس بات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس جو اس کے شایان شان نہیں ہے اور جس میں ذرا بھی قصور یا عیب کا کوئی شائبہ ہے، اور اسی کے ساتھ تمام صفات کمال کا اس کی ذات عالی کیلئے اثبات اور اس کی بنا پر اس کی حمد و ثناء اس طرح یہ مختصر کلمہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ" اس سب پر حاوی ہے جو سلبی یا ایجابی طور پر اللہ تعالیٰ کی ثناء و صفت میں کہا جا سکتا ہے۔ حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں اس مختصر دو حرفی کلمہ کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ جو بندہ روزانہ یہ کلمہ سو (۱۰۰) دفعہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ دور ہو جائیں گے اور وہ گناہوں کی گندگی سے پاک صاف ہو جائے گا، اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں کے برابر حد و حساب سے باہر ہوں۔ گویا جس طرح

تیز روشنی اندھیرے کو ایک دم ختم کر دیتی ہے، اور جس طرح سخت تپش بالخاصہ نمی اور رطوبت کو فنا کر دیتی ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اور دوسری نیکیاں گناہوں کے گندے اثرات کو فنا کر دیتی ہیں۔ قرآن مجید کی بعض آیات اور رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کی برکت اور تاثیر سے صرف وہ خطائیں معاف ہوتی ہیں جو "کبیرہ" درجہ کی نہ ہوں، اسلئے بڑے درجہ کے گناہ جن کو خاص اصطلاح میں "گناہ کبیرہ" کہا جاتا ہے ان کی معافی کیلئے توبہ واستغفار ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْکَلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ مَا اصْطَفَی اللّٰهُ لِمَلٰئِکَتِهٖ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ": حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ؛ کلاموں میں کون سا کلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کیلئے منتخب فرمایا ہے۔ یعنی "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" (رواہ مسلم)۔

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا خاص ذکر یہی "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ہے۔ اس حدیث میں اس کلمہ کو سب سے افضل کہا گیا ہے۔ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ کی حدیث میں جو دو ہی ورق پہلے درج ہو چکی ہے فرمایا گیا ہے، کہ سب سے افضل یہ چار کلمے ہیں "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ" اور ایک دوسری حدیث میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو افضل الذکر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کلمے دوسرے سب کلاموں کے مقابلے میں افضل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو کلمے ہیں زبان پر ہلکے پھلکے، میزان اعمال میں بڑے بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ" (رواہ البخاری ومسلم)۔

(تشریح) ان دو کلموں کا زبان پر ہلکا ہونا تو ظاہر ہے، اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہونا بھی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے، لیکن میزانِ اعمال میں بھاری ہونے والی بات کا سمجھنا شاید بعض لوگوں کیلئے آسان نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح مادی چیزیں ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا وزن معلوم کرنے کیلئے آلات ہوتے ہیں جن کو میزان

(ترازو یا کانٹا) کہا جاتا ہے اسی طرح بہت سی غیر مادی چیزیں بھی ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا ہلکا اور بھاری پن بتانے والا آلہ ہوتا ہے وہی اس کی میزان ہوتی ہے۔ مثلاً حرارت اور برودت یعنی گرمی اور ٹھنڈک ظاہر ہے کہ مادی چیزیں نہیں ہیں بلکہ کیفیات ہیں، لیکن انکا ہلکا اور بھاری پن تھرمامیٹر کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت میں اللہ کے نام کا وزن ہوگا، کلماتِ ذکر کا وزن ہوگا، تلاوتِ قرآن کا وزن ہوگا، نماز کا وزن ہوگا، ایمان کا اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی محبت کا وزن ہوگا۔ اس وقت یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ بعض بہت چھوٹے اور ہلکے پھلکے کلمے بے حد وزنی ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھی بھاری اور وزنی نہ ہوگی۔ لَا یَزِنُ مَعَ اِسْمِ اللّٰہِ شَیْئٌ"۔

اس کلمہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم" کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اس کی حمد وستائش کے ساتھ، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بڑی عظمت والا ہے۔

.... عَنْ جُوَیْرِیَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِھَا بُکْرَۃً حِیْنَ صَلَّی الصُّبْحَ وَھِیَ فِیْ مَسْجِدِھَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰی وَھِیَ جَالِسَۃٌ قَالَ مَازِلْتِ عَلَی الْحَالِ الَّذِیْ فَارَقْتُکِ عَلَیْھَا؟ قَالَتْ نَعَمْ، قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَکِ اَرْبَعَ کَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْیَوْمِ لَوَزَنَتْھُنَّ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَرِضٰی نَفْسِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ: ام المؤمنین حضرت جویریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز فجر پڑھنے کے بعد ان کے پاس سے باہر نکلے، وہ اس وقت اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ پھر آپ ﷺ دیر کے بعد جب چاشت کا وقت آچکا تھا واپس تشریف لائے، حضرت جویریہؓ اسی طرح بیٹھی اپنے وظیفہ میں مشغول تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: میں جب سے تمھارے پاس سے گیا ہوں کیا تم اس وقت سے برابر اسی حال میں اور اسی طرح پڑھ رہی ہو؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمھارے پاس سے جانے کے بعد میں نے چار کلمے تین دفعہ کہے، اگر وہ تمھارے اس پورے وظیفے کے ساتھ تولے جائیں جو تم نے آج صبح سے پڑھا ہے تو ان کا وزن بڑھ جائے گا، وہ کلمے یہ ہیں" سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَرِضٰی نَفْسِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ: اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد اس کی ساری مخلوقات کی تعداد کے برابر

اور اس کے عرش عظیم کے وزن کے برابر، اور اس کی ذات پاک کی رضا کے مطابق، اور اس کے کلموں کی مقدار کے مطابق" (رواہ مسلم)۔

عَنْ سَعْدِبْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّہٗ دَخَلَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِمْرَأَۃٍ وَبَیْنَ یَدَیْھَا نَوًی اَوْحَصًی تُسَبِّحُ بِہٖ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکِ بِمَا ھُوَاَیْسَرُ عَلَیْکِ مِنْ ھٰذَا اَوْ اَفْضَلُ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَمَاخَلَقَ فِی السَّمَاءِ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَمَاخَلَقَ فِی الْاَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَمَابَیْنَ ذَالِکَ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَمَاھُوَ خَالِقٌ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ مِثْلَ ذَالِکَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ مِثْلَ ذَالِکَ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مِثْلَ ذَالِکَ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ مِثْلَ ذَالِکَ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہنچے ایک بیوی کے پاس اور ان کے آگے کھجور کی کچھ گٹھلیاں تھیں، (یا سنگریزے تھے) وہ ان گٹھلیوں (یا سنگریزوں) پر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں تم کو وہ نہ بتادوں جو تمھارے لئے اس سے زیادہ آسان ہے (یا فرمایا کہ اس سے افضل ہے) وہ یہ ہے کہ تم اس طرح کہو "سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَمَاخَلَقَ فِی السَّمَاءِ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَمَاخَلَقَ فِی الْاَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَمَابَیْنَ ذَالِکَ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَمَاھُوَ خَالِقٌ......" سبحان اللہ ساری آسمانی مخلوق کی تعداد کے مطابق، سبحان اللہ ساری زمینی مخلوقات کی تعداد کے مطابق، سبحان اللہ زمین و آسمان کے درمیان ساری مخلوقات کی تعداد کے مطابق، سبحان اللہ اس ساری مخلوقات کی تعداد کے مطابق جس کو وہ ابدآلاباد تک پیدا فرمانے والا ہے، اور (اللّٰہ اکبر) اسی طرح اور (الحمد للّٰہ) اسی طرح اور (لا الٰہ الا اللّٰہ) اسی طرح، اور (لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ) اسی طرح (رواہ الترمذی وابوداؤد)۔

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک طریقہ جس طرح کثرت ذکر ہے اسی طرح ایک آسان تر طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ایسے الفاظ شامل کردیئے جائیں جو کثرتِ تعداد پر دلالت کرنے والے ہو۔ جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں حضور ﷺ نے بتلایا ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بعض حدیثوں میں کثرت ذکر کی ترغیب دی ہے اور قریب ہی وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں آپ ﷺ نے روزانہ سو دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ" کہنے

والے کو گناہوں کے معاف کیے جانے کی خوشخبری سنائی ہے، اسلئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت کردہ اس حدیث، اوراس سے پہلے والی حضرت جویریہؓ کی حدیث سے کثرت ذکر کی نفی یا ناپسندیدگی سمجھنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ ان دونوں حدیثوں کا منشاء اور مدعا دراصل یہ ہے کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک زیادہ آسان طریقہ یہ بھی ہے اور خاص کروہ لوگ جو اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ذکر اللہ کیلئے زیادہ وقت فارغ نہ کرسکیں، وہ اس طرح سے بھی بڑا ثواب حاصل کرسکتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ: جس شخص کا مقصد اپنے باطن اور اپنی زندگی کو ذکر کے رنگ میں رنگنا ہو اس کو کثرت ذکر کا طریقہ اختیار کرنا ناگزیر ہے، اور جس کا مقصد ذکر سے صرف ثواب اُخروی حاصل کرنا ہو اس کو ایسے کلمات ذکر کا انتخاب کرنا چاہئے جو معنوی لحاظ سے زیادہ فائق اور وسیع تر ہوں جیسے کہ ان دونوں حدیثوں میں مذکور ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عہد نبوی ﷺ میں تسبیح کا رواج تو نہیں تھا لیکن بعض حضرات اس مقصد کیلئے گٹھلیاں یا سنگریزے استعمال کرتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس میں تسبیح کے دانوں کے ذریعہ شمار میں کوئی فرق نہیں، بلکہ تسبیح دراصل اسی کی ترقی یافتہ اور سہل شکل ہے۔ جن حضرات نے تسبیح کو بدعت قرار دیا ہے بلاشبہ انھوں نے شدت اور غلو سے کام لیا ہے (معارف الحدیث، جلد ۵، ص ۱۴۱ تا ۵۲)۔

کلمات ذکر سو سو بار پڑھنے کی فضیلت:

عَنْ اِسْحٰق بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ کَتَبَ اللّٰهُ له مِائَةَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَاَرْبَعًا وَّ عِشْرِیْنَ اَلْفَ حَسَنَةٍ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا لَّا یَهْلِکُ مِنَّا اَحَدٌ قَالَ بَلٰی اِنَّ اَحَدَکُمْ لَیَجِیْئُ بِالْحَسَنَاتِ لَوْ وُضِعَتْ عَلٰی جَبَلٍ اَثْقَلَتْهُ ثُمَّ تَجِیْئُ النِّعَمُ فَتَذْهَبُ بِتِلْکَ ثُمَّ یَتَطَاوَلُ الرَّبُّ بَعْدَ ذٰلِکَ بِرَحْمَتِهٖ رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد کذافی الترغیب قلت واقرہ علیه الذهبی: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اس کیلئے جنت واجب ہوجائے گی اور جو

شخص سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سو مرتبہ پڑھے گا اس کیلئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایسی حالت میں تو کوئی بھی (قیامت میں) ہلاک نہیں ہو سکتا (کہ نیکیاں غالب ہی رہیں گی) حضور ﷺ نے فرمایا (بعض لوگ پھر بھی ہلاک ہونگے اور کیوں نہ ہوں، بعض آدمی اتنی نیکیاں لے کر آئیں گے کہ اگر پہاڑ پر رکھ دی جائیں تو وہ دب جائے۔ لیکن اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ کالعدم ہو جائیں گی۔ البتہ اللہ جل شانہٗ پھر اپنی رحمت اور فضل سے دستگیری فرمائیں گے۔

(ف) اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں دب جانے اور کالعدم ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں جہاں نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں گی۔ وہاں اس چیز کا بھی مطالبہ اور محاسبہ ہوگا کہ اللہ جل جلالہٗ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں ان کا کیا حق ادا کیا اور کیا شکر ادا کیا۔ بندے کے پاس ہر چیز اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔ ہر چیز کا ایک حق ہے۔ اس حق کی ادائیگی کا مطالبہ ہونا ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے یُصْبِحُ عَلٰی کُلِّ سُلَامٰی مِنْ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃٌ اَلْحَدِیْثَ. فی المشکوۃ بروایۃ المسلم قلت ورواہ ابوداؤد وابن ماجۃ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صبح کو ہر آدمی کے ہر جوڑ اور ہڈی پر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آدمی میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ ہیں۔ اس کے ذمہ ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ کرے۔ یعنی اس بات کے شکر میں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے سونے کے بعد جو مر جانے کے مشابہ حالت تھی پھر از سرِ نو زندگی بخشی اور ہر عضو صحیح سالم رہا۔ صحابہؓ نے عرض کیا اتنے صدقے روزانہ کرنے کی طاقت کون رکھتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے۔ لاالٰہ الا للّٰہ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے۔ اللّٰہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ راستہ سے کسی تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا صدقہ ہے۔ غرض بہت سے صدقات شمار کرائے۔ اس قسم کی اور بھی احادیث ہیں جن سے آدمی کی اپنی ذات میں جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ کھانے پینے راحت و آرام کے متعلق جتنی اللہ کی نعمتیں ہر وقت میسر ہوتی ہیں وہ مزید براں۔ (فضائلِ ذکر، ۱۳۶ تا ۱۳۷)۔

تسبیحاتِ فاطمہؓ اور کچھ دوسرے کلماتِ ذکر کی فضیلت:

عَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ

[1] حضرت سلیمان علیہ السلام دنیا کو ایسی فانی چیز جانتے ہوئے بھی جوان چیزوں کو اختیار کرتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کی تیاری بھی باقاعدہ کرتے تھے اور دنیا ان کو غافل نہ کرتی تھی۔

لَایَخِیْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْفَاعِلُهُنَّ دُبُرَ کُلِّ صَلٰوةٍ مَّکْتُوْبَةٍ ثَلٰثٌ وَّثَلٰثُوْنَ تَسْبِیْحَةً ثَلٰثٌ وَّثَلٰثُوْنَ تَحْمِیْدَةً وَّاَرْبَعٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَکْبِیْرَةً: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ چند پیچھے آنے والے (کلمات) ایسے ہیں جن کا کہنے والا نامراد نہیں ہوتا وہ یہ ہیں کہ ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ، سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمدللہ ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر (رواہ مسلم کذافی المشکوۃ و عزاہ السیوطی فی الجامع الی احمد و مسلم والترمذی والنسائی ورقم له' بالضعف و فی الباب عن ابی الدرداء عند الطبرانی)۔

(ف) ان کلمات کو پیچھے آنے والے یا تو اس وجہ سے فرمایا کہ یہ نمازوں کے بعد پڑھے جاتے ہیں یا اس وجہ سے کہ گناہوں کے بعد پڑھنے سے ان کو دھونے اور مٹا دینے والے ہیں یا اس وجہ سے کہ یہ کلمات ایک دوسرے کے بعد سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۳۳-۳۳ مرتبہ اور اَللّٰهُ اَکْبَرُ ۳۴ مرتبہ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ رَفَعَه' اَمَا یَسْتَطِیْعُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّعْمَلَ کُلَّ یَوْمٍ مِّثْلَ اُحُدٍ عَمَلًا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَّسْتَطِیْعُ قَالَ کُلُّکُمْ یَسْتَطِیْعُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ وَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ للکبیر والبزار کذافی جمع الفوئد والیهما عزاہ فی الحصن و مجمع الزوائد وقال رجالهار جال الصحیح: حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا یعنی بطور سوال کے یہ بات فرمائی کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ روزانہ احد (جو مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے) کی برابر عمل کرلیا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی کون طاقت رکھتا ہے (کہ اتنے بڑے پہاڑ کے برابر عمل کرے)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر شخص طاقت رکھتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا اس کی کیا صورت ہے ارشاد فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ کا ثواب احد سے زیادہ ہے۔ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا احد سے زیادہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا احد سے زیادہ ہے، اَللّٰهُ اَکْبَرُ کا احد سے زیادہ ہے۔

(ف) یعنی ان کلموں میں سے ہر کلمہ ایسا ہے جس کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے اور ایک پہاڑ کیا نہ

معلوم کتنے ایسے پہاڑوں سے زیادہ ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ سُبْحَانَ الله اَلْحَمْدُلله سارے آسمانوں اور زمینوں کوثواب سے بھردیتے ہیں۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰہ کاثواب آدھی ترازو ہے اور اَلْحَمْدُلله اس کی پرکردیتی ہے اوراَللّٰہُ اَکْبَر آسمان زمین کے درمیان کوپرکردیتی ہے ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کاارشادنقل کیاگیا ہے کہ سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُلِلّٰه لَااِلٰهَ اِلَّا اللهُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ مجھے ہراس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پرآفتاب نکلے۔ اورآفتاب دنیا کی تمام چیزوں پرنکلتا ہےاس لئے مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ملاعلیؒ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ساری ہی دنیااللہ کے واسطےخرچ کردوں تو اس سے بھی یہ زیادہ محبوب ہیں کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوائی تخت پرتشریف لے جارہے تھے۔ پرندے آپ پرسایہ کئے ہوئے تھے اور جن وانس وغیرہ لشکر دو قطار،ایک عابد پرگزرہوا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کےاس وسعت ملکی اورعموم سلطنت کی تعریف کی آپ نے ارشادفرمایا کہ مومن کے اعمالنامہ میں ایک تسبیح سلیمان بن داؤد کے سارے ملک سے اچھی ہے کہ یہ ملک فنا ہوجائے گا اورتسبیح باقی رہنے والی چیز ہے[1] (فضائل ذکر ۱۴۰تا۱۴۱)۔

تسبیحات کے ایک ایک حرف پردس دس نیکیاں اوردنیوی مجلس کا کفارہ:

عَنْ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ کُتِبَتْ لَه' بِکُلِّ حَرْفٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمَنْ اَعَانَ عَلٰی خُصُوْمَةٍ بَاطِلٍ لَمْ يَزَلْ فِیْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰی يَنْزِعَ وَمَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُه' دُوْنَ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِاللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ فِیْ اَمْرِهٖ وَمَنْ بَهَتَ مُؤْمِنًا اَوْ مُؤْمِنَةً حَبَسَهُ اللّٰهُ فِیْ رَدْغَةِ الْخَبَالِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰی يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ وَلَيْسَ بِخَارِجٍ :حضور ﷺ کاارشاد ہے کہ جوشخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَر پڑھے ہرحرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملیں گی اور جوشخص کسی جھگڑے میں ناحق کی حمایت کرتا ہے وہ اللہ کے غصہ میں رہتا ہے،جب تک کہ اس سےتوبہ نہ کرے اورجواللہ کی کسی سزامیں سفارش کرے(اورشرعی سزا کے ملنے میں حارج ہو)وہ اللہ کامقابلہ کرتا ہےاور جوشخص کسی مومن مرد یاعورت پربہتان

باندھے وہ قیامت کے دن رَدْغَۃُ الخبال میں قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اس بہتان سے نکلے اور کس طرح اس سے نکل سکتا ہے (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالھما رجال الصحیح کذافی مجمع الزوائد قلت اخرجہ ابو داؤد بدون ذکر التسبیح فیہ)۔

(ف) ناحق کی حمایت آجکل ہماری طبیعت بن گئی ہے ایک چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم غلطی پر ہیں مگر رشتہ داروں کی طرف داری ہے پارٹی کا سوال ہے[1] کہ اللہ کے غصہ میں داخل ہوں اللہ کی ناراضگی ہو اس کا عتاب ہو مگر کنبہ برادری کی بات کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہم اس ناحق کرنے والے کو ٹوک نہ سکیں اور سکوت کریں یہ بھی نہیں بلکہ ہر طرح سے اس کی حمایت کریں گے اگر اس پر کوئی دوسرا مطالبہ کھڑا کرنے والا ہو تو اس کا مقابلہ کریں گے کسی دوست نے چوری کی ظلم کیا، عیاشی کی اس کے حوصلے بلند کریں گے اس کی ہر طرح مدد کریں گے کیا یہی ہے ہمارے ایمان کا مقتضی، یہی ہے دینداری، اسی پر اسلام کے ساتھ ہم فخر کرتے ہیں یا اپنے اسلام کو دوسروں کی نگاہ میں بھی بدنام کرتے ہیں اور اللہ کے یہاں خود بھی ذلیل ہوتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص عصبیۃ پر کسی کو بلائے یا عصبیت پر لڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کسی عصبیت سے مراد یہ ہے کہ ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے۔ ردغۃ الخبال وہ کیچڑ ہے جو جہنمی لوگوں کے لہو پیپ وغیرہ سے جمع ہو جائے۔ کس قدر گندی اور اذیت دینے والی جگہ ہے جس میں ایسے لوگوں کو قید کر دیا جائے گا جو مسلمانوں پر بہتان باندھتے ہوں آج دنیا میں بہت سرسری معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس شخص کے متعلق جو چاہا منہ بھر کر کہہ دیا، کل جب زبان سے کہی ہوئی ہر بات کو ثابت کرنا پڑے گا اور ثبوت بھی وہی جو شرعاً معتبر ہو دنیا کی طرح نہیں کہ چرب لسانی اور جھوٹی باتیں ملا کر دوسرے کو چپ کرا دیا جائے اس وقت آنکھیں کھلیں گی ہم نے کیا کہا تھا اور کیا نکلا نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی بعض کلام زبان سے ایسا نکالتا ہے جس کی پروا بھی نہیں کرتا لیکن اس کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آدمی بعضی بات صرف اس وجہ سے کہتا ہے کہ لوگ ذرا ہنس پڑیں گے لیکن اس کی وجہ سے اتنی دور (جہنم میں) پھینک دیا جاتا ہے جتنی دور آسمان سے زمین ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے زیادہ سخت ہے ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی کو گناہ سے عار دلاوے وہ خود مرنے سے پہلے اس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ گناہ مراد ہے جس سے گناہگار توبہ کر چکا ہو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر کھینچتے تھے کہ تیری بدولت ہم ہلاکتوں میں پڑتے ہیں۔ ابن المنکدرؒ مشہور محدثین میں ہیں

---

[1] عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جددوا ایمانکم قیل یا رسول اللہ کیف نجدد ایماننا؟ قال اکثروا من قول لا الہ الا اللہ (رواہ احمد)

اور تابعی ہیں انتقال کے وقت رونے لگے کسی نے پوچھا کیا بات ہے فرمانے لگے مجھے کوئی گناہ تو ایسا معلوم نہیں جو میں نے کیا ہو اس پر روتا ہوں کوئی بات ایسی ہو گئی ہو جس کو میں نے سرسری سمجھا ہو اور وہ اللہ کے نزدیک سخت ہو۔

عَنْ اَبِیْ بَرْزَۃَ الْاَسْلَمِیِّؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بِاٰخِرِہٖ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّقُوْمَ مِنَ الْمَجْلِسِ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ لَتَقُوْلُ قَوْلًا مَا کُنْتَ تَقُوْلُہٗ فِیْمَا مَضٰی قَالَ کَفَّارَۃٌ لِّمَا یَکُوْنُ فِی الْمَجْلِسِ: حضور اقدس ﷺ کا معمول اخیر زمانہ عمر شریف میں یہ تھا کہ جب مجلس سے اٹھتے تو سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ پڑھا کرتے کسی نے عرض کیا کہ آجکل ایک دعا کا معمول حضور ﷺ کا ہے پہلے تو یہ معمول نہیں ہوتا تھا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مجلس کا کفارہ ہے دوسری روایت میں بھی یہ قصہ مذکور ہے اس میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ یہ کلمات مجلس کا کفارہ ہیں حضرت جبرائیلؑ نے مجھے بتائے ہیں (رواہ ابن ابی شیبة و ابوداؤد و النسائی والحاکم و ابن مردویه کذا فی الدروفیه ایضًا بروایة ابن ابی شیبة عن ابی العالیة بزیادة علمنیهن جبرئیل علیه السلام)۔

(ف) حضرت عائشہؓ سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی مجلس سے اٹھتے تو سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ پڑھا کرتے، میں نے عرض کیا کہ آپ اس دعا کو بڑی کثرت سے پڑھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مجلس کے ختم پر اس کو پڑھ لیا کرے تو اس مجلس میں جو لغزشیں اس سے ہوئی ہوں وہ سب معاف ہو جائیں گی، مجالس میں عموماً فضول باتیں بیکار تذکرے ہو ہی جاتے ہیں۔ کتنی مختصر دعا ہے اگر کوئی شخص ان دعاؤں میں سے کوئی سی ایک دعا پڑھ لے تو مجلس کے وبال سے خلاصی پا سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے کیسی کیسی سہولتیں مرحمت فرمائی ہیں۔ (فضائل ذکر، ۱۵۵ تا ۱۵۷)۔

کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی خاص فضیلت:

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّکْرِ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ": حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:۔ سب سے

افضل ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)۔

(تشریح) حضرت سمرہ بن جندبؓ والی وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ سب کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں سُبْحَانَ اللہ اور اَلْحَمْدُ للہِ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اللّٰہُ اَکْبَرُ حضرت جابرؓ والی اس حدیث میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو افضل ترین کلمہ فرمایا گیا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ دنیا بھر کے دوسرے سب کلموں اور کلاموں کے مقابلے میں تو یہ چاروں کلمے افضل ہیں، لیکن ان سب میں نسبتاً لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ افضل ہے، کیونکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ باقی کلموں کے مدعا کو بھی ضمنی طور پر اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

جب بندہ یہ کہتا ہے کہ معبود برحق صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں، تو اس کے ضمن میں یہ بات خود بخود آ جاتی ہے کہ وہ ہر نقص وعیب سے پاک اور منزہ ہے، اور تمام صفات کمال کا وہ جامع ہے اور عظمت و کبریائی میں وہ برتر ہے کیونکہ جو لاشریک معبود ہو اس میں یہ سب باتیں ہونا لازمی ہیں اس لئے جس نے صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا، اس نے گویا وہ سب کچھ بھی کہہ دیا جو سُبْحَانَ اللہ اَلْحَمْدُ للہِ اور اللّٰہُ اَکْبَر کے ذریعہ کہا جاتا ہے علاوہ ازیں "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کلمہ ایمان ہے اور اسی لئے سب پیغمبروں کی تعلیم کا پہلا سبق ہے نیز اپنے اپنے تجربہ کی بنا پر عرفا اور صوفیا کا اس پر گویا اتفاق ہے کہ باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کے اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں سب سے زیادہ موثر اسی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں رسول ﷺ نے ایمانی کیفیت کو قلب میں تازہ کرنے اور ترقی دینے کے لئے اس کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی کثرت کا حکم دیا ہے[1]۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاقَالَ عَبْدٌ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِہٖ اِلَّا فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰی تُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو بندہ دل کے اخلاص سے کہے " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " اس کے لئے لازماً آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش الٰہی تک پہونچے گا۔ بشرطیکہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) اس حدیث میں کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی ایک خاص فضیلت وخصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اخلاص سے یہ کلمہ کہا جائے اور اللہ سے دور کرنے والے بڑے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کلمہ براہ راست عرش الٰہی تک پہونچتا ہے، اور خاص مقبولیت سے نوازا جاتا ہے اور ترمذی ہی کی ایک دوسری حدیث میں

ہے،"وَلَاالٰہَ اِلَّا اللّٰہ لَیْسَ لَھَا حِجَاب" مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَتّٰی تَخلُصَ اِلَیْہِ:کلمہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں یہ کلمہ سیدھا اللہ کے پاس پہونچتا ہے]معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کے دوسرے کلموں کے مقابلے میں اس کلمہ کی یہ ایک مخصوص فضیلت اور خصوصیت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ " حجۃ اللہ البالغہ "میں فرماتے ہیں کہ "لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" میں بہت سے خواص ہیں ۔پہلی خاصیت یہ ہے کہ وہ شرک جلی کو ختم کر دیتا ہے۔دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ شرک خفی کو بھی ختم کرتا ہے،اور تیسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بندے کے اور معرفت الٰہی کے درمیان حجابات کو سوختہ کر کے حصول معرفت وقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامِ یَارَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُکَ بِہٖ اَوْ اَدْعُوْکَ بِہٖ فَقَالَ یَا مُوْسیٰ قُلْ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ یَارَبِّ کُلُّ عِبَادِکَ یَقُوْلُ ھٰذَا اِنَّمَا اُرِیْدُ شَیْئًا تَخُصُّنِیْ بِہٖ قَالَ مُوْسیٰ لَوْ اَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَعَامِرَ ھُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِیْ کِفَّۃٍ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِیْ کِفَّۃٍ لَمَالَتْ بِھِنَّ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے میرے رب مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جس کے ذریعہ میں تیرا ذکر کروں (یا کہا کہ جس کے ذریعہ میں تجھے پکاروں)تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا کرو۔انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو وہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ: اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے آسمانوں کی آبادی ہے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دوسرے پلڑے میں تو لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا وزن ان سب سے زیادہ ہوگا(رواہ البغوی فی شرح السنۃ)۔

(تشریح)موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی اور محبت کا جو خاص تعلق تھا اور اس کی بنا پر قرب خصوصی کی جو قدرتی خواہش تھی اس کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھے ذکر کا کوئی خاص کلمہ تعلیم فرمایا جائے ،اللہ تعالیٰ نے ان کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بتایا جو افضل الذکر ہے انھوں نے عرض کیا کہ میری استدعا کسی

خاص کلمہ کے لئے ہے جس سے مجھے ہی نوازا جائے۔ الغرض کلمہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ کا عموم اس کی قدر و قیمت اور عظمت کے بارے میں ان کے لئے حجاب بن گیا اس لئے ان کو بتایا گیا کہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ کی حقیقت زمین و آسمان کی ساری کائنات کے مقابلے میں زیادہ قیمتی اور بھاری ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ نعمت عظمٰی ہر عامی کو بھی پہونچادی ہے بہرکیف انبیاء و مرسلین کے لئے بھی کوئی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰـہ سے زیادہ قیمتی اور بابرکت نہیں ہے۔ اس بے بہا نعمت خداوندی کا شکر یہی ہے کہ اس کلمہ پاک کو اپنا ورد بنایا جائے، اور اس کی کثرت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خاص رابطہ قائم کیا جائے۔

کلمہ توحید کی خاص عظمت و برکت:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ، فِیْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهٗ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهٗ ذَالِكَ حَتّٰى يُمْسِیَ وَلَمْ يَاْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْهُ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جس نے سو دفعہ کہا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ (نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں، فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی ستائش ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے) تو وہ دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو غلط کاریاں محو کردی جائیں گی اور یہ عمل اس کے لئے اس دن شام تک شیطان کے حملہ سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، اور کسی آدمی کا عمل اس کے عمل سے افضل نہ ہوگا سوائے اس آدمی کے جس نے اس سے بھی زیادہ عمل کیا ہو (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) بیشک یہ کلمہ توحید جس میں کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ پر کچھ اور اضافہ ہے جس سے اس کے منفی و مثبت مضمون کی مزید تشریح اور وضاحت ہوتی ہے اتنا ہی عظیم القدر اور بابرکت ہے جتنا کہ اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے۔ مرنے کی بعد انشاء اللہ یہ چیز ہم سب کے مشاہدے میں آجائے گی۔ بعض لوگوں کو ایسی حدیثوں کی بارے میں شکوک و شبہات ہوتے ہیں جن میں کسی کلمہ کا اتنا ثواب بتایا جائے۔ حالانکہ خود انہیں اپنی زندگی میں بارہا

اس کا تجربہ ہوا ہوگا کہ برائی اور فساد کا ایک کلمہ آگ لگا دیتا ہے، اور اس کے منحوس اثرات برسہا برس تک کے لئے خاندانوں اور گروہوں کی زندگیوں کو جہنم بنا دیتے ہیں اسی طرح کبھی خلوص سے نکلا ہوا ایک اصلاحی کلمہ خیر فساد کی بھڑکتی آگ کو بجھانے میں ٹھنڈے پانی کا کام کرتا ہے، اور بے چینیوں اور تلخیوں کو دور کر کے زندگیوں کو باغ و بہار بنا دیتا ہے۔ انسان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک کلمہ کے جو اثرات ہماری اس دنیا ہی میں ہوتے ہیں ان میں غور وفکر کرکے آخرت کے ان سے بڑے اور دور رس نتائج وثمرات کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں رہتا۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی خاص فضیلت:

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلیٰ کَلِمَةٍ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ بَلیٰ فَقَالَ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے مجھ سے ایک دن فرمایا۔ میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرتؐ ضرور بتائیں آپ نے فرمایا وہ ہے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" (رواہ مسلم و البخاری)۔

(تشریح) اس کلمہ کے "خزائن جنت" میں سے ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھے گا اس کے لئے اس کلمہ کے بے بہا اجر وثواب کا خزانہ اور ذخیرہ جنت میں محفوظ کیا جائے گا جس سے وہ آخرت میں ویسا ہی فائدہ اٹھا سکے گا جیسا کہ ضرورت کے موقعوں پر محفوظ خزانوں سے اٹھایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کا منشا اس لفظ سے اس کلمہ کی صرف عظمت اور قدر و قیمت بتانا ہے۔ یعنی یہ کہ جنت کے خزانوں کے جواہرات میں سے یہ ایک جوہر ہے۔ کسی چیز کو بہت قیمتی بتانے کیلئے یہ بہترین تعبیر ہو سکتی ہو واللہ اعلم۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کی کسی کام کے لئے سعی وحرکت اور اس کے کرنے کی قوت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہی، کوئی بندہ خود کچھ بھی نہیں کر سکتا دوسرا ایک مطلب جو اس کے قریب ہی قریب ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "گناہ سے باز آنا اور اطاعت کا بجالانا اللہ کی مدد وتوفیق کے بغیر بندے سے ممکن نہیں"۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَکْثِرْ مِنْ قَوْلِ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" فَاِنَّهَا مِنْ کَنْزِ الْجَنَّةِ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه "

زیادہ پڑھا کرو، کیونکہ یہ خزائن جنت میں سے ہے (رواہ الترمذی)۔

...... عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ عَبْدِیْ وَاسْتَسْلَمَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا میں تم کو وہ کلمہ بتاؤں جو عرش کے نیچے سے اترا ہے اور خزانہ جنت میں سے ہے، وہ ہے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" (جب بندہ دل سے یہ کلمہ پڑھتا ہے تو) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔ یہ بندہ (اپنی انانیت سے دستبردار ہوکر) میرا تابعدار بالکل فرمانبردار ہوگیا (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)۔

(تشریح) اس حدیث میں کلمہ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" کو "مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ" کے علاوہ "مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ" بھی فرمایا گیا ہے یہ بھی دراصل اس کلمہ کی عظمت کے اظہار کا ایک عنوان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اس کا نزول عرش الٰہی سے ہوا ہے واللہ اعلم۔

(فائدہ) بعض مشائخ طریقت کا ارشاد ہے کہ جس طرح شرک جلی وخفی اور قلب ونفس کی دوسری کدورتیں دور کرنے اور ایمان ومعرفت کا نور حاصل کرنے میں کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه خاص اثر کرتا ہے اسی طرح عملی زندگی درست کرنے یعنی معصیات اور منکرات سے بچنے اور نیکی کی راہ پر چلنے میں یہ کلمہ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" خاص اثر رکھتا ہے۔ (معارف الحدیث، جلد ۵، ص ۵۲ تا ۵۹)۔

اسمائے حسنیٰ کا ذکر:

اللہ تعالیٰ کو جملہ مفرد ناموں جیسے "اللہ اللہ" "احد احد" سے یاد کرنا بھی روحانی ترقی اور اللہ تعالیٰ سے محبت میں ترقی اور اضافے کیلئے بہت مفید اور مجرب ہے۔ بعض لوگوں نے اس پر تنقید کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اسم مفرد نام مثلاً "اللہ اللہ" "احد احد" کے ذکر کا حکم نہیں فرمایا ہے اور نہ مسلمانوں کیلئے اسم مفرد کا ذکر مشروع کیا گیا ہے۔ ان کی یہ بات اور یہ تنقید ہرگز درست نہیں ہے۔ ذرا غور کیجئے "سبحان اللہ" بھی جملہ مرکبہ بلکہ مضاف، مضاف الیہ ہے اور اس کا عامل ہمیشہ مقدر رہتا ہے یعنی اس کے ساتھ "سَبَّحْتُ یا اُسَبِّحُ" فعل پوشیدہ مانا جاتا ہے اسی طرح اسم مفرد مثلاً اسم ذات لفظ "اللہ" کہنے کے ساتھ بھی ذہن میں حرف ندا اور دعا ہوتی ہے اور ظاہری الفاظ میں ندا ودعا کو حذف کیا جاتا ہے اور یہ سب تقریباً ہر زبان میں مشہور ومعروف ہے جو بچہ ماں باپ سے کوئی چیز مانگتا ہے یا محبت سے پکارتا ہے تو "ابوابو" اور "امی امی" کہہ کر پکارتا ہے اسی طرح "اللہ اللہ"

کہنے والا بھی اصل میں یہ کہتا ہے کہ یا اللہ اپنی محبت میرے سینے میں ڈال دے یا اللہ اپنی عظمت سے میرے دل کو بھر دے یا یوں ہی محبت میں "اللہ اللہ" کہتا ہے۔ نیز کلام عرب میں جملہ اسمیہ میں کبھی کبھی مبتداء کو ذکر کر دیا جاتا ہے جبکہ خبر محذوف ہوتی ہے۔ یہاں بھی لفظ "اللہ" کے ساتھ ذہن میں قادر، رازق وغیرہ ہوتے ہیں لیکن یہ حذف کئے جاتے ہیں مثلاً ذکر کرنے والا یوں پکارتا ہے اللہ قادر'، اللہ خالق'، اللہ رازق'۔

اسمائے حسنیٰ کے ذکر کی اہمیت:

بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ہر نام کا ذکر روحانی اور باطنی ترقی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لو لگانے اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاک نام "اللہ اللہ" کے ذکر سے بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات اور ناموں سے یاد کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

اسم ذات اور اسمائے حسنیٰ کے بارے میں قرآنی آیات:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ : اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں سب نام اچھے، پس انہی سے اسے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں (اور صفات) میں کج روی اختیار کر رہے ہیں وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اس کا بدلہ پائیں گے (اعراف، ۱۸۰)۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے صرف اچھے ہی نام اور اچھی ہی صفتیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کو انہی ناموں اور صفتوں سے پکارا کرو اور ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو جو صفاتِ الٰہی کے باب میں گمراہی کی روش اختیار کر چکے ہیں اور یہ جو کچھ شرک وغیرہ بد اعمالیاں کرتے ہیں اس کی سزا وہ عنقریب بھگتیں گے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ

---

۱ تفصیل کیلئے حیاۃ الصحابہ جلد اول اس میں ہے کہ: ------ اخرجه الامام احمد و ابن ماجه كذا في البدايه و اخرجه ايضًا الحاكم (جلد۳، ص ۲۸۴) و قال صحيح الاسناد ولم يخرجاه وقال الذهبي صحيح و اخرجه ابو نعيم في الحلية (جلد ۱، ص ۱۴۹) وابن ابي شيبه كما في الكنز (جلد۷، ص ۱۴) وابن البر في الاستيعاب (جلد ۱، ص ۱۴۱) اخرجه ابو نعيم ايضًا في الحلية (جلد ۱، ص ۱۴۰)

الْحُسْنیٰ: کہو کہ خواہ "اللہ" کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو سب اچھے نام (اور صفات) اسی کی ہیں (بنی اسرائیل،۱۱۰)۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خواہ لفظ "اللہ" سے پکارو یا لفظ "رحمٰن" سے جس نام سے بھی اس کو پکارو تمام اچھے نام و صفات اسی ہی کیلئے ہیں۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا: اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب سے کٹ کر (صرف) اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ (مزمل،۸)۔

تبتل اور تبتیل دونوں کے معنی انقطاع، الگ ہونے اور کٹ جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو یاد کیا کرو اور لوگوں سے کٹ کر پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اور ہر صفت بندہ مؤمن کیلئے دل کا ریگ مال اور نور ہے اس کے تکرار سے دل کے زنگ دور ہو جاتے ہیں اور بندے کے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کا تکرار محبت الٰہی کی دلیل بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی اور اضافے کا بڑا سبب بھی ہے اور اس کے نام کے تکرار سے بندہ کو فراغت قلبی، دلی یکسوئی اور تبتل الی اللہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لفظ "اللہ" بڑا ہی بابرکت ہے:

بلا شبہ اللہ تعالیٰ کا نام لفظ "اللہ" بڑا ہی بابرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ: بڑا ہی بابرکت ہے نام تیرے عظمت والے اور بڑی شان والے رب کا (رحمٰن،۷۸)۔

بے شک رب ذو الجلال والا کرام کی ہستی بڑی عظمت والی بڑی شان وعزت والی اور بڑی ہی بابرکت ہے اور اسی سے تمام خیر و برکات لازماً ظاہر ہونگی اور اسی بابرکت ہستی کے تمام نام و صفات عموماً اور اس کا ذاتی نام لفظ "اللہ" خصوصاً بڑا ہی بابرکت ہے اس کے تکرار اور اس کی یاد میں بندے کیلئے بڑی خیر و برکت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پاک نام کی یاد نصیب فرمائے۔

اسمائے حسنیٰ کے بارے میں احادیث:

اسمائے حسنیٰ اور اسم ذات کے متعلق حضور اقدس ﷺ کے ارشادات اور صحابہ کرامؓ کا عمل بھی کتب احادیث میں موجود یہاں ان کو بھی پڑھ لیجئے۔

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ
اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے اس کو یاد کیا وہ جنت میں
داخل ہوگا (بخاری و مسلم)

..... اس حدیث میں اسمائے حسنیٰ کے ذکر اور ان کی تکرار کی طرف ترغیب دی گئی ہے۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفیؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ " **المراد بالحفظ القرأة بظهر المقلب فيكون كناية عن التكرار لان الحفظ يستلزم التكرار** "، اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کے یاد (کرنے اور) حفظ سے مراد ان کا دل (کی یادداشت) سے پڑھنا ہے پس یہ لفظ (حفظ) تکرار سے کنایہ ہے کیونکہ حفظ کیلئے تکرار لازم ہے۔ (عمدة القاری، جلد-۱۰، ص-۵۸۰)۔

..... علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں حضرت بلالؓ کے متعلق یوں فرمایا ہے کہ "حضرت بلالؓ کو لڑکوں کے حوالے کردیا جاتا اور انھیں مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں پھراتے رہتے تھے۔ " **وهو يقول احد احد** اور کہہ رہے ہوتے کہ "احد احد"۔ (البدایہ والنہایہ، جلد۳، ص ۲۷-۲۸)۔

..... نیز ابن اسحاقؒ کی دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت بلالؓ کی چھاتی پر گرم پتھر رکھدئے جاتے۔ "**فيقول وهو فى ذالك احد احد** "تو وہ اسی حال میں احد احد کہہ رہے ہوتے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد۳، ص ۵۵)۔

..... حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ ورقہ بن نوفلؓ حضرت بلالؓ کے پاس سے گذرتے کفار انھیں تکلیفیں پہنچارہے ہوتے اور حضرت بلالؓ " **احد احد** " کہہ رہے ہوتے تو ورقہؓ کہتے "**والله يا بلالؓ** " "اللہ کی قسم بلال واقعی معبود ایک ہی ہے" لے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد۳، ص ۵۵-۵۶)۔ ان روایتوں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ "**احد احد**" کا ذکر حضرت بلالؓ کا دائمی ذکر تھا۔

اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک آدمی بھی "اللہ اللہ" کہنے والا موجود ہو:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛

لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حتّٰی لَایُقَالَ فِیْ الْاَرْضِ "اَللّٰہ اَللّٰہ": قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ دنیا میں "اللہ اللہ" نہ کہا جائے۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ: لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰی اَحَدٍ یَقُوْلُ "اَللّٰہ اَللّٰہ": قیامت قائم نہیں ہوگی کسی ایسے شخص پر جو کہتا ہو "اللہ اللہ" (مسلم ومشکوٰۃ)۔

اسم ذات "اللہ اللہ" کا ذکر روحانی ترقی اور نورِ ایمان میں ترقی کیلئے بہت مفید ہے:

خلاصہ یہ کہ اسمائے مفردہ کا ذکر خصوصاً اسم ذات "اللہ اللہ" کا ذکر روحانی ترقی اور نورِ ایمان میں ترقی کیلئے بہت مفید ہے۔جو بندہ اخلاص ومحبت کے ساتھ اس پاک نام کی رٹ لگاتا ہے تو اس کی برکت سے قلب اور روح منور ہو جاتا ہے اور ذکر دل کی گہرائیوں میں رچ بس جاتا ہے اور دل یادِالٰہی سے معمور ہو جاتا ہے اور بندے کی سرگوشیاں اور دلی مناجات اپنے رب کے ساتھ ہمہ وقت جاری ہو جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی سچی محبت اور مضبوط سچا تعلق اور نبی کریم ﷺ کی والہانہ محبت اور سچی اتباع نصیب فرمائے (آمین)۔

اسمائے حسنیٰ کی تعداد:

اسمائے حسنیٰ کے بارے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ حقیقی معنی میں اللہ پاک کا نام یعنی اسم ذات صرف ایک ہی ہے،اور وہ ہے "اللہ" البتہ اس کے صفاتی نام سینکڑوں ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں،انہی کو اسماء حسنیٰ کہا جاتا ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام جعفر بن محمد صادقؒ اور سفیان بن عیینہؒ اور بعض دوسرے اکابر امت سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (اسماء حسنیٰ) نام تو صرف قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں،اور پھر انہی حضرات سے ان کی تفصیل اور تعیین بھی نقل کی ہے۔اس کے بعد حافظ ممدوحؒ نے ان میں سے بعض اسماء کے متعلق یہ تبصرہ کر کے کہ یہ اپنی خاص شکل میں قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں بلکہ استخراج اور اشتقاق کے طور پر وضع کئے گئے ہیں،ان کے بجائے دوسرے اسماء قرآن مجید ہی

سے نکال کے بتایا ہے کہ یہ ننانوے اسماء الٰہیہ قرآن مجید میں اپنی اصل شکل میں مذکور ہیں اور ان کی پوری فہرست دی ہے جو انشاء اللہ عنقریب نقل ہوگی۔

ہمارے ہی زمانہ کے بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کا تتبع احادیث سے کیا تو دوسو (۲۰۰) سے زائد ان کو ملے۔ یہ سارے صفاتی اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کمال کے عنوانات اور اس کی معرفت کے دروازے ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک بڑی جامع اور تفصیلی شکل یہ بھی ہے کہ بندہ عظمت اور محبت کے ساتھ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور ان کو اپنا وظیفہ بنائے۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی چند احادیث ذیل میں پڑھئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) صحیحین کی روایت میں صرف اتنا ہی ہے، ان ننانوے ناموں کی تفصیل اور تعیین اس روایت میں نہیں کی گئی ہے۔ عنقریب ہی انشاء اللہ جامع ترمذی وغیرہ کی اس روایت کا ذکر آئے گا جس میں تفصیل کے ساتھ یہ ننانوے نام بیان کئے گئے ہیں۔ شارحین حدیث اور علماء کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اسماء الٰہیہ صرف ننانوے میں منحصر نہیں ہیں اور یہ ان کی پوری تعداد نہیں ہے، کیونکہ تتبع اور تلاش کے بعد احادیث میں اس سے بہت زیادہ تعداد مل جاتی ہے۔ اسلئے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اور مدعا صرف یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو یاد کرے گا اور ان کی نگہداشت کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی صرف ننانوے ناموں کا احصاء کر لینے پر بندہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔

حدیث پاک کے جملہ "مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ" کی تشریح میں علماء اور شارحین نے مختلف باتیں لکھی ہیں، ایک مطلب اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء الٰہیہ کے مطالب سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین کرے گا جن کے یہ اسماء عنوانات ہیں وہ جنت میں جائے گا، دوسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء حسنیٰ کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں جائے گا، تیسرا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ننانوے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اور ان کے ذریعہ اس سے دعا

کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ امام بخاریؒ نے "مَنْ اَحْصَاھَا" کی تشریح "مَنْ حَفِظَھَا" سے کی ہے، بلکہ اس حدیث کی بعض روایات میں "مَنْ اَحْصَاھَا" کی جگہ "مَنْ حَفِظَھَا" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں، اسلئے اس تشریح کو ترجیح دی گئی ہے، اور اسی لئے ترجمہ میں اس عاجز نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بندہ ایمان اور عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے اس کے ننانوے نام محفوظ کرلے اور ان کے ذریعہ اس کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی تِسْعَۃً وَّ تِسْعِیْنَ اِسْمًا مِأۃً اِلَّا وَاحِدَۃً مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ: ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِیُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَھَّارُ الْوَھَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَکَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّکُوْرُ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْکَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَکِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّھِیْدُ الْحَقُّ الْوَکِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِیُ الْمُبْدِیُٔ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِیُ الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاھِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیُ الْمُتَعَالِیُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُفُ مَالِکُ الْمُلْکِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِیُ الْمَانِعُ الضَّارُ النَّافِعُ النُّوْرُ الْھَادِیُ الْبَدِیْعُ الْبَاقِیُ الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا (ان ناموں کی تفصیل یہ ہے) وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ ہے (۱) الرَّحْمٰنُ (بڑی رحمت والا) (۲) الرَّحِیْمُ (نہایت مہربان) (۳) الْمَلِکُ (حقیقی بادشاہ اور فرمانروا) (۴) الْقُدُّوْسُ (نہایت مقدس اور پاک) (۵) السَّلَامُ (جس کی ذاتی

صفت سلامتی ہے)(۶) اَلْمُؤمِنُ (امن وامان عطا فرمانیوالا)(۷) اَلْمُھَیْمِنُ (پوری نگہبانی فرمانے والا) (۸) اَلْعَزِیْزُ (غلبہ اور عزت جس کی ذاتی صفت ہے، اور جو سب پر غالب ہے) (۹) اَلْجَبَّارُ (صاحب جبروت ہے ساری مخلوق اس کے زیر تصرف ہے)(۱۰) اَلْمُتَکَبِّر (کبریائی اور بڑائی اس کا حق ہے)(۱۱) اَلْخَالِقُ (پیدا فرمانے والا)(۱۲) اَلْبَارِئُ (ٹھیک بنانے والا)(۱۳) اَلْمُصَوِّرُ (صورت گری کرنے والا)(۱۴) اَلْغَفَّارُ (گناہوں کا بہت زیادہ بخشنے والا) (۱۵) اَلْقَھَّارُ (سب پر پوری طرح غالب اور قابو یافتہ جس کے سامنے سب عاجز اور مغلوب ہیں)(۱۶) اَلْوَھَّابُ (بغیر کسی عوض اور منفعت کے خوب عطا فرمانے والا) (۱۷) اَلرَّزَّاقُ (سب کو روزی دینے والا)(۱۸) اَلْفَتَّاح (سب کیلئے رحمت اور رزق کے دروازے کھولنے والا)(۱۹) اَلْعَلِیْمُ (سب کچھ جاننے والا)(۲۰) اَلْقَابِضُ (تنگی کرنے والا)(۲۱) اَلْبَاسِطُ (فراخی کرنے والا یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کبھی کسی کے حالات میں تنگی پیدا کرتا ہے اور کبھی فراخی کردیتا ہے)(۲۲) اَلْخَافِضُ (۲۳) اَلرَّافِعُ (پست کرنے والا، بلند کرنے والا)(۲۴) اَلْمُعِز (۲۵) اَلْمُذِلُّ (عزت دینے والا، ذلت دینے والا یعنی کسی کو نیچا اور کسی کو اونچا کرنا، کسی کو عزت دے کر سرفراز کرنا اور کسی کو قعر مذلت میں گرادینا اس کے قبضہ واختیار میں ہے، اور یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے)(۲۶) اَلسَّمِیْعُ (۲۷) اَلْبَصِیْرُ (سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا)(۲۸) اَلْحَکَم (۲۹) اَلْعَدْلُ (حاکم حقیقی وسراپا عدل وانصاف)(۳۰) اَللَّطِیْفُ (لطافت اور لطف وکرم جس کی ذاتی صفت ہے)(۳۱) اَلْخَبِیْرُ (ہر بات سے باخبر) (۳۲) اَلْحَلِیْمُ (نہایت بردبار) (۳۳) اَلْعَظِیْمُ (بڑی عظمت والا، سب سے بزرگ وبرتر) (۳۴) اَلْغَفُوْرُ (بہت بخشنے والا)(۳۵) اَلشَّکُوْرُ (حسن عمل کی قدر کرنے والا اور بہتر سے بہتر جزا دینے والا)(۳۶) اَلْعَلِی (۳۷) اَلْکَبِیْرُ (سب سے بالا، سب سے بڑا)(۳۸) اَلْحَفِیْظُ (سب کا نگہبان)(۳۹) اَلْمُقِیْتُ (سب کو سامان حیات فراہم کرنے والا)(۴۰) اَلْحَسِیْبُ (سب کیلئے کفایت کرنے والا) (۴۱) اَلْجَلِیْلُ (عظیم القدر)(۴۲) اَلْکَرِیْمُ (صاحب کرم) (۴۳) اَلرَّقِیْبُ (نگہدار اور محافظ)

(۴۴) اَلْمُجِیْبُ (قبول فرمانے والا) (۴۵) اَلْوَاسِعُ (وسعت رکھنے والا) (۴۶) اَلْحَکِیْمُ (سب کام حکمت سے کرنے والا) (۴۷) اَلْوَدُوْدُ (اپنے بندوں کو چاہنے والا) (۴۸) اَلْمَجِیْدُ (بزرگی والا) (۴۹) اَلْبَاعِثُ (اٹھانے والا، موت کے بعد مردوں کو جلانے والا) (۵۰) اَلشَّهِیْدُ (حاضر جو سب کچھ دیکھتا ہے اور جانتا ہے) (۵۱) اَلْحَقُّ (جس کی ذات اور جس کا وجود اصلاً حق ہے) (۵۲) اَلْوَکِیْلُ (کارساز حقیقی) (۵۳) اَلْقَوِیُّ (۵۴) اَلْمَتِیْنُ (صاحب قوت، اور بہت مضبوط) (۵۵) اَلْوَلِیُّ (سرپرست ومددگار) (۵۶) اَلْحَمِیْدُ (مستحق حمد وستائش) (۵۷) اَلْمُحْصِیُ (سب مخلوقات کے بارے میں پوری معلومات رکھنے والا) (۵۸) اَلْمُبْدِئُ (۵۹) اَلْمُعِیْدُ (پہلا وجود بخشنے والا، دوبارہ زندگی دینے والا) (۶۰) اَلْمُحْیِیُ (۶۱) اَلْمُمِیْتُ (زندگی بخشنے والا، موت دینے والا) (۶۲) اَلْحَیُّ (زندہ جاوید، زندگی جس کی ذاتی صفت ہے) (۶۳) اَلْقَیُّوْمُ (خود قائم رہنے والا اور سب مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق قائم رکھنے والا) (۶۴) اَلْوَاجِدُ (سب کچھ اپنے پاس رکھنے والا) (۶۵) اَلْمَاجِدُ (بزرگی اور عظمت والا) (۶۶) اَلْوَاحِدُ (۶۷) لْاَحَدُ (ایک اپنی ذات میں، اور یکتا اپنی صفات میں) (۶۸) اَلصَّمَدُ (سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج) (۶۹) اَلْقَادِرُ (۷۰) اَلْمُقْتَدِرُ (قدرت والا، سب پر کامل اقتدار رکھنے والا) (۷۱) اَلْمُقَدِّمُ (۷۲) اَلْمُؤَخِّرُ (جسے چاہے آگے کر دینے والا، اور جسے چاہے پیچھے کر دینے والا) (۷۳) اَلْاَوَّلُ (۷۴) اَلْاٰخِرُ (سب سے پہلے اور سب سے پیچھے یعنی جب کوئی نہ تھا، کچھ نہ تھا، جب بھی وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا کچھ نہ رہے گا وہ اس وقت اور اس کے بعد بھی موجود رہے گا) (۷۵) اَلظَّاهِرُ (۷۶) اَلْبَاطِنُ (بالکل آشکار اور بالکل مخفی) (۷۷) اَلْوَالِیُ (مالک وکارساز) (۷۸) اَلْمُتَعَالِیُ (بہت بلند وبالا) (۷۹) اَلْبَرُّ (بڑا محسن) (۸۰) اَلتَّوَّابُ (توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا) (۸۱) اَلْمُنْتَقِمُ (مجرمین کو کیفر کردار کو پہونچانے والا) (۸۲) اَلْعَفُوُّ (بہت معافی دینے والا) (۸۳) اَلرَّؤُفُ (بہت مہربان) (۸۴) مَالِکُ الْمُلْکِ

ل　حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسی کو راجح بتایا ہے۔

(سارے جہان کا مالک)(۸۵) ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (صاحب جلال اور بہت کرم فرمانیوالا۔ جسکے کرم سے بندہ ہمیشہ خائف رہے اور جس کے کرم سے ہمیشہ امید رکھے) (۸۶) الْمُقْسِطُ (حقدار کا حق ادا کرنے والا عادل و منصف)(۸۷) الْجَامِعُ (ساری مخلوق کو قیامت کے دن یکجا کرنے والا)(۸۸) الْغَنِیُّ (۸۹) الْمُغْنِیُ (خود بے نیاز جس کو کسی سے کوئی حاجت نہیں، اور اپنی عطا کے ذریعہ بندوں کو بے نیاز کر دینے والا) (۹۰) الْمَانِعُ (روک دینے والا ہر اس چیز کو جس کو روکنا چاہے)(۹۱) الضَّارُ (۹۲) النَّافِعُ (اپنی حکمت اور مشیت کے تحت ضرر پہونچانے والا اور نفع پہونچانے والا)(۹۳) النُّوْرُ (سراپا نور)(۹۴) الْهَادِیُ (ہدایت دینے والا)(۹۵) الْبَدِیْعُ (بغیر مثال سابق کے مخلوق کا پیدا فرمانے والا)(۹۶) الْبَاقِیُ (ہمیشہ رہنے والا جس کو کبھی فنا نہیں) (۹۷) الْوَارِثُ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا)(۹۸) الرَّشِیْدُ (صاحب رشد و حکمت جس کا ہر فعل اور فیصلہ درست ہے)(۹۹) الصَّبُوْرُ (بڑا صابر کہ بندوں کی بڑی سے بڑی نافرمانیاں دیکھتا ہے اور فوراً عذاب بھیج کر ان کو تہس نہس نہیں کر دیتا)(رواہ الترمذی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)۔

(تشریح) حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث کا ابتدائی حصہ بالکل وہی ہے جو صحیحین کے حوالے سے ابھی اوپر نقل ہو چکا ہے۔ البتہ اس میں ننانوے ناموں کی تفصیل بھی ہے جو صحیحین کی روایت میں نہیں ہے۔ اس بنا پر بعض محدثین اور شارحین حدیث کی یہ رائے ہے کہ حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ ﷺ کا اصل ارشاد بس اسی قدر ہے جتنا صحیحین کی روایت میں ہے یعنی "اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ : اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کا احصا کیا وہ جنت میں جائے گا" اور ترمذی کی اس روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ کی روایتوں میں جو ننانوے نام بہ تفصیل ذکر کئے گئے ہیں وہ ارشاد نبوی ﷺ کا جز نہیں ہیں، بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی شاگرد نے حدیث کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی تفسیر کے طور پر قرآن و حدیث میں وارد شدہ یہ اسماء الٰہیہ ذکر کر دیئے ہیں، گویا محدثین کی اصطلاح یہ اسماء حسنیٰ مدرج ہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم کی روایات میں ننانوے ناموں کی جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اس میں بہت بڑا فرق اور اختلاف ہے۔ اگر یہ ننانوے اسماء حسنیٰ رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے ہوتے تو ان میں اتنا اختلاف اور فرق ناممکن تھا۔

بہر حال یہ تو فن حدیث و روایت کی ایک بحث ہے، مگر اتنی بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ترمذی کی

مندرجہ بالا روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ وغیرہ کی روایات میں جو ننانوے اسماء حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں وہ سب قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ننانوے اسماء الٰہیہ کے احصاء پر (محفوظ کرنے پر) جو بشارت سنائی ہے اس کے وہ بندے یقیناً مستحق ہیں جو اخلاص اور عظمت کے ساتھ ان اسماء حسنیٰ کو محفوظ کریں اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی لم اور اس کے سبب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو صفات کمال حق تعالیٰ کے لئے ثابت کی جانی چاہئیں اور جن چیزوں کی اس کی ذات پاک سے نفی کی جانی چاہئے، ان ننانوے اسماء حسنیٰ میں وہ سب کچھ آجاتا ہے، اس بناء پر یہ اسماء حسنیٰ اللہ کی معرفت کا مکمل اور صالح نصاب ہیں اور اسی وجہ سے ان کے مجموعہ میں غیر معمولی برکت ہے، اور علم قدس میں ان کو خاص قبولیت حاصل ہے۔ اور جب کسی بندے کے اعمال نامہ میں یہ اسماء الٰہیہ ثبت ہوں تو یہ اس کے حق میں رحمت الٰہی کے فیصلہ کے موجب ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں ننانوے اسماء حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے دو تہائی تو قرآن مجید میں مذکور ہیں باقی احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؒ وغیرہ جن حضرات نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام قرآن مجید میں موجود ہیں ان کا ذکر ابھی اوپر کیا جا چکا ہے، اور اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ کی آخری کاوش کا بھی حوالہ دیا جا چکا ہے کہ انھوں نے صرف قرآن مجید سے وہ ننانوے اسماء الٰہیہ نکالے ہیں جو اپنی اصل شکل میں قرآن پاک میں موجود ہیں۔

اگر ان محدثین اور شارحین کی بات مان لی جائے جن کی رائے ہے کہ ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں جو اسماء حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں یہ حدیث مرفوع کا جزو نہیں ہیں بلکہ کسی راوی کی طرف سے مُدرج ہیں[1] یعنی حدیث کے اجمال کی تفصیل کے طور پر انھوں نے قرآن و حدیث میں وارد شدہ ان ناموں کا اضافہ کر دیا ہے تو پھر حافظ ابن حجرؒ کی پیش کردہ وہ فہرست قابل ترجیح ہونی چاہئے جس کے سب اسماء بغیر کسی خاص تصرف کے قرآن مجید ہی سے لئے گئے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی وہ فہرست فتح الباری سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے اسم ذات "اللہ" کو بھی ان ننانوے ناموں میں شمار کیا ہے، بلکہ اسی سے اپنی فہرست کا آغاز کیا ہے۔

ننانوے اسماءِ حُسنیٰ جو سب کے سب قرآن مجید میں ہیں:

اللهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ

الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ التَّوَّابُ الْوَهَّابُ

الْخَلَّاقُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْمُحِيْطُ الْقَدِيْرُ الْمَوْلٰى النَّصِيْرُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْقَرِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَكِيْلُ الْحَسِيْبُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْوَارِثُ الشَّهِيْدُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْغَنِيُّ الْمَالِكُ الشَّدِيْدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْقَاهِرُ الْكَافِيُ الشَّاكِرُ الْمُسْتَعَانُ الْفَاطِرُ الْبَدِيْعُ الْغَافِرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْكَفِيْلُ الْغَالِبُ الْحَكَمُ الْعَالِمُ الرَّفِيْعُ الْحَافِظُ الْمُنْتَقِمُ الْقَائِمُ الْمُحْيِيُ الْجَامِعُ الْمَلِيْكُ الْمُتَعَالُ النُّوْرُ الْهَادِيُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَفُوُّ الرَّؤُوْفُ الْاَكْرَمُ الْاَعْلٰى الْبَرُّ الْحَفِيُّ الرَّبُّ الْاِلٰهُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ''۔ (فتح الباری، ص۸۳، جز۲۶)

ننانوے اسماء حسنیٰ جو ترمذی کی روایت میں مذکور ہیں اور اسی طرح یہ جو حافظ ابن حجرؒ نے قرآن مجید سے نکالے ہیں، بلاشبہ ان میں سے ہر ایک معرفت الٰہی کا دروازہ ہے۔ علمائے امت نے مختلف زمانوں میں ان کی شرح میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مہمات میں ان کے ذریعہ دعا کرنا بہت سے اہل اللہ کے خاص معمولات میں سے ہے اور اس کی قبولیت مجرب ہے۔

اسم اعظم

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بعض وہ ہیں جن کو اس لحاظ سے خاص عظمت و امتیاز حاصل ہے کہ جب ان کے ذریعہ دعا کیجائے تو قبولیت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے۔

ان اسماء کو حدیث میں "اِسْمِ اَعْظَم" کہا گیا ہے، لیکن صفائی اور صراحت کے ساتھ ان کو متعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ کسی درجہ میں ان کو مبہم رکھا گیا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ لیلۃ القدر کو اور جمعہ کے دن قبولیت دعا کے خاص وقت کو مبہم رکھا گیا ہے۔ احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک ہی اسم پاک "اِسْمِ اَعْظَم" نہیں ہے جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ متعدد اسماء حسنیٰ کو "اِسْمِ اَعْظَم" کہا گیا ہے۔ نیز انہی احادیث سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ عوام میں اسم اعظم کا جو تصور ہے اور اس کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ بالکل بے اصل ہیں، اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس سلسلہ کی

احادیث ذیل میں پڑھی جائیں۔

...... عَنْ بُرَيْدَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ، فَقَالَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اس طرح دعا کرتے ہوئے سنا، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر رہا تھا "اے اللہ؛ میں اپنی حاجت تجھ سے مانگتا ہوں بوسیلہ اس کے کہ بس تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، ایک اور یکتا ہے، بالکل بے نیاز ہے، اور سب تیرے محتاج ہیں، نہ کوئی تیری اولاد، نہ تو کسی کی اولاد اور نہ تیرا کوئی ہمسر"۔ رسول اللہ ﷺ نے (جب اس بندے کو یہ دعا کرتے سنا تو) فرمایا کہ؛ اس بندے نے اللہ سے اس کے اس اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی ہے کہ جب اس کے وسیلہ سے اس سے مانگا جائے تو وہ دیتا ہے، اور جب اس کے وسیلہ سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے (رواہ الترمذی و ابوداؤد)۔

...... عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اَسْئَلُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِيْ اِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک بندہ وہاں نماز پڑھ رہا تھا، اس نے اپنی دعا میں عرض کیا "اے اللہ؛ میں تجھ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں بوسیلہ اس کے کہ ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے سزاوار ہے، کوئی معبود نہیں تیرے سوا، تجھ ہی سے مانگتا ہوں، اے ذوالجلال والاکرام؛ اے حیّ و قیوم؛"۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس بندے نے اللہ کے اس اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی ہے کہ اس کے وسیلہ سے جب خدا سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے، جب اس کے وسیلہ سے اس سے مانگا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ)۔

...... عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ

فِیْ هَاتَیْنِ الْاٰیَتَیْنِ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ وَفَاتِحَةِ اٰلِ عِمْرَانَ، الٓمّٓ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ : اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسم اللہ الاعظم ان دو آیتوں میں موجود ہے ایک " وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ " اور دوسری آل عمران کی ابتدائی آیت " الٓمّٓ . اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ " (جامع ترمذی، سنن ابوداود، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)۔

(تشریح) ان احادیث میں غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک مخصوص نام پاک کو اسم اعظم نہیں فرمایا گیا ہے، بلکہ یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آخری حدیث میں جن دو آیتوں کا حوالہ دیا گیا، اور اس سے پہلی دونوں حدیثوں میں دو شخصوں کی جو دو دعائیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک میں متعدد اسماء الٰہیہ کی خاص ترکیب سے اللہ تعالیٰ کا جو مرکب اور جامع وصف مفہوم ہوتا ہے اس کو "اِسمِ اعظم" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے اس نوع کے علوم و معارف سے خاص طور پر نوازا ہے، انھوں نے ان احادیث سے یہی سمجھا ہے۔ شاہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

واعلم ان الاسم الاعظم الذی اذا سئل به اعطی واذا دعی ہ اجاب ھو الاسم الذی یدل علی اجمع تدل من تدلیات الحق والذی تداوله الملاء الا علی

ا؎ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں "احسان" کے بیان میں قرآن مجید کی تلاوت پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:
"تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق و محبت اور انتہائی تعظیم و اجلال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے، اور اس کے مواعظ اور نصائح میں غور اور ان سے اثر لینے کی کوشش کرے، اور اس کے احکام و ہدایات کی تعمیل اور پیروی کے عزم کے ساتھ تلاوت کرے اور اس میں بیان ہونے والے قصص اور امثال سے عبرت حاصل کرے اور جب اللہ کی صفات کا بیان آئے تو کہے "سبحان اللہ" اور جب ان آیتوں سے گذرے جن میں جنت اور اللہ کی رحمت کا بیان ہے تو اللہ سے فضل و کرم فرمانے کی دعا کرے اور اپنے لئے جنت اور رحمت کا سوال کرے۔ اور جب ان آیتوں سے گذرے جن میں دوزخ کا اور اللہ کے غضب کا بیان ہے تو اللہ سے پناہ مانگے"

بلاشبہ اس طرح کی تلاوت قلب کا خاص الخاص صیقل ہے اور جس بندہ کو کسی درجہ میں بھی ایسی تلاوت نصیب ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس فضل سے محروم نہ فرمائے۔

اکثر تداول ونطقت به التراجمة في كل عصر.... وهذا معنى يصدق على "انت الله لا اله الا انت الاحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوًا احد" وعلى "لك الحمد لا اله انت الحنان المنان بديع السموات والارض يا ذالجلال الاكرام يا حيّ يا قيوم" ويصدق على اسماء تضاهي ذالك. (حجۃ اللہ البالغہ، ص ۷۷، جلد۲)۔ واللہ اعلم (معارف الحدیث، جلد ۵، ص ۵۹ تا ۷۲)۔

قرآن مجید کی تلاوت:

قرآن مجید کی تلاوت بھی "ذِکرُ الله" کی ایک قسم ہے، اور بعض حیثیتوں سے سب سے افضل اور اعلیٰ قسم ہے۔اس میں بندے کی مشغولیت اللہ تعالیٰ کو بیحد محبوب ہے۔

بلا شبہ اللہ تعالیٰ تشبیہ اور مثال سے وراء الورا ہے، لیکن ناچیز راقم سطور نے اس حقیقت کو اپنے اس ذاتی تجربہ سے خوب سمجھا ہے کہ جب کبھی کسی کو اس حال میں دیکھا کہ وہ میری لکھی ہوئی کوئی کتاب قدر اور توجہ سے پڑھ رہا ہے تو دل سرور سے بھر گیا اور اس شخص سے ایک خاص تعلق اور لگاؤ پیدا ہو گیا، ایسا تعلق اور لگاؤ جو بہت سے قریبی عزیزوں دوستوں سے بھی نہیں ہوتا۔ بہر حال میں نے تو اپنے اسی تجربہ سے یہ سمجھا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنے پاک کلام قرآن مجید کی تلاوت کرتے سنتا اور دیکھتا ہوگا تو اس بندہ پر اس کو کیسا پیار آتا ہوگا (الا یہ کہ کسی شدید جرم کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے پیار اور نظرِ کرم کا مستحق ہی نہ ہو)۔

رسول اللہ ﷺ نے امت کو قرآن مجید کی عظمت سے آشنا کرنے اور اس کی تلاوت وغیرہ کی ترغیب دینے کیلئے مختلف عنوانات استعمال فرمائے ہیں۔ہم نے بھی اس سلسلہ کی احادیث کو مختلف عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات سے وہ نفع اٹھانے کی توفیق دے جو ان کا اصل مقصد ہی۔

قرآن مجید کی عظمت وفضیلت:

قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کیلئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے، یہاں تک کہ زمینی مخلوقات میں کعبۃ اللہ اور انبیا علیہم السلام کی مقدس ہستیاں اور عالمِ بالا و عالمِ غیب کی مخلوقات میں عرش، کرسی، لوح وقلم، جنت اور جنت کی نعمتیں اور اللہ کے مقرب ترین فرشتے، یہ سب اپنی معلوم و مسلّم عظمت کے باوجود غیر اللہ اور مخلوق ہیں۔لیکن قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اس سے الگ کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کی حقیقی صفت ہے جو اس کی ذاتِ عالی کے ساتھ قائم ہے۔یہ

اللہ پاک کا بے انتہا کرم اور اس کی عظیم ترین نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسول امین ﷺ کے ذریعہ وہ کلام ہم تک پہونچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں، پھر اس کو سمجھ کر اپنی زندگی کا راہنما بنا سکیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طویٰ کی مقدس وادی میں ایک مبارک درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنوایا تھا۔ کتنا خوش قسمت تھا وہ بے جان درخت جس کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنوانے کیلئے بطور آلہ کے استعمال فرمایا تھا۔ جو بندہ اخلاص اور عظمت واحترم کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس کو اس وقت شجرہ موسوی والا یہ شرف نصیب ہوتا ہے، اور گویا وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے کلامِ مقدس کا ریکارڈر ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ انسان اس سے آگے کسی شرف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس مختصر تمہید کے بعد قرآن مجید کی عظمت وفضیلت کے بیان میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل چند حدیثیں پڑھئے۔

قرآن کی تلاوت قلب کا صیقل:

عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ ھٰذِہِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ کَمَا یَصْدَأُ الْحَدِیْدُ اِذَا اَصَابَہُ الْمَاءُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا جِلَاءُ ھَا قَالَ کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ بنی آدم کے قلوب پر اسی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح پانی لگ جانے سے لوہے پر زنگ آجاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ: حضور ﷺ دلوں کے اس زنگ کے دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ؛ موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

(تشریح) قلب کا زنگ یہ ہے کہ وہ اللہ سے اور آخرت کے انجام سے غافل اور بے فکر ہو جائے، یہ سارے چھوٹے بڑے گناہوں کی جڑ (بنیاد) ہے۔ اور بلاشبہ اس بیماری کی اکسیر دوا یہی ہے کہ اپنی موت کو بہت زیادہ یاد کیا جائے۔ اس کا دھیان اور مراقبہ کیا جائے، اور قرآن مجید کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خاص الخاص نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادب اور اخلاص کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے، اگر یہ تلاوت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شوق اور تدبر کے ساتھ ہوگی تو انشاء اللہ قلب کے زنگ کو دور کر کے اس کو نور سے بھر دے گی۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے[1]۔

ماہر قرآن کا مقام:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قرآن میں مہارت حاصل کرلی ہو (اور اس کی وجہ سے وہ اس کو حفظ یا ناظرہ بہتر طریقے اور بے تکلف رواں پڑھتا ہو) وہ معزز اور وفادار و فرمانبردار فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو بندہ قرآن پاک (اچھا یاد اور رواں نہ ہونے کی وجہ سے زحمت اور مشقت کے ساتھ) اس طرح پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے (ایک تلاوت کا اور دوسرے زحمت و مشقت کا) (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) اس حدیث میں "سَفَرَہ" کا جو لفظ ہے اس سے اکثر شارحین نے حاملِ وحی فرشتے مراد لئے ہیں اور بعض حضرات نے اس سے انبیاء و رسل علیہم السلام مراد لئے ہیں، اور لفظی معنی میں ان دونوں ہی کی گنجائش ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بندے قرآن کو کلام اللہ یقین کرتے ہوئے اس سے شغف رکھیں اور کثرتِ تلاوت اور اہتمام کی وجہ سے قرآن پاک سے ان کو خاص مناسبت اور مہارت حاصل ہو جائے ان کو انبیاء و رسل کی یا حاملِ وحی فرشتوں کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی۔ اور جن ایمان والے بندوں کا حال یہ ہو کہ صلاحیت اور مناسبت کی کمی کی وجہ سے وہ قرآن کو رواں نہ پڑھ سکتے ہوں، بلکہ تکلف کے ساتھ اور اٹک اٹک کے پڑھتے ہوں اور اس کے باوجود اجر و ثواب کی امید پر تلاوت کرتے ہوں، ان کو تلاوت کے اجر و ثواب کے علاوہ اس زحمت و مشقت کا بھی ثواب ملے گا، اس لئے ان کو اپنی اس حالت کی وجہ سے شکستہ دل نہ ہونا چاہئے۔ (معارف الحدیث، جلد ۵ ص ۸۴ تا ۸۶)۔

قرآن مجید کے سیکھنے سکھانے کی فضیلت:

عن عثمانؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَه: حضرت عثمانؓ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے (رواه البخاری و ابوداؤد والترمذی والنسائی و ابن ماجة هذا فی الترغیب و عزاه الیٰ مسلم ایضًا لکن حکی الحافظ فی الفتح عن ابی العلاء ان مسلماسکت عنه)۔

اکثر کتب میں یہ روایت واؤ کے ساتھ ہے جس کا ترجمہ لکھا گیا۔ اس صورت میں فضیلت اس شخص کیلئے ہے جو کلام

مجید سیکھے اور اس کے بعد دوسروں کو سکھائے۔ لیکن بعض کتب میں یہ روایت او کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ اس صورت میں بہتری اور فضیلت عام ہوگی کہ خود سیکھے یا دوسروں کو سکھائے دونوں کیلئے مستقل خیر و بہتری ہے۔

کلام پاک چونکہ اصل دین ہے۔ اس کی بقاء واشاعت پر ہی دین کا مدار ہے اس لئے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے۔ کسی توضیح کا محتاج نہیں، البتہ اس کی انواع مختلف ہیں۔ کمال اس کا یہ ہے کہ مطالب ومقاصد سمیت سیکھے اور ادنیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے۔ نبی کریم ﷺ کا دوسرا ارشاد حدیث مذکور کی تائید کرتا ہے جو سعید بن سلیمؒ سے مرسلاً منقول ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو حاصل کرے اور پھر کسی دوسرے شخص کو جو کوئی اور چیز عطا کیا گیا ہو اپنے سے افضل سمجھے تو اس نے حق تعالیٰ شانہٗ کے اس انعام کی جو اپنے کلام پاک کی وجہ سے اس پر فرمایا ہے تحقیر کی ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کلامِ الٰہی سب کلاموں سے افضل ہے جیسا کہ مستقل احادیث میں آنے والا ہے تو اس کا پڑھنا پڑھانا یقیناً سب چیزوں سے افضل ہونا چاہئے۔ ایک دوسری حدیث سے ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلام پاک کو حاصل کیا اس نے علوم نبوت کو اپنی پیشانی میں جمع کرلیا۔ سہل تستریؒ فرماتے کہ حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے کلام پاک کی محبت قلب میں ہو۔ شرح احیاء میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے سائے کے نیچے رہیں گے ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن پاک تعلیم دیتے ہیں۔ نیز ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو بچپن میں قرآن شریف سیکھتے ہیں اور بڑے ہوکر اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

قرآن مجید یاد کرنے اور اپنی اولاد کو حفظ پر لگانے کی فضیلت:

عَنْ مَعاذِ نِ الجهنیؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم مَنْ قَرَأَ الْقُرانَ وَعَمِلَ بِمَافِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدُه تاجاً يوم القِيمة ضوئُه' اَحْسَنُ مِنْ ضَوءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيا لو كانَتْ فَمَاظَنُّكُم بِالَّذِي عَمِلَ بِهٰذا: حضرت معاذ جہنیؓ نے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی۔ اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے (رواہ احمد وابوداؤد وصححہ الحاکم)۔

یعنی قرآن پاک کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بہت زیادہ ہوگی۔ اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو۔ یعنی

آفتاب اتنی دور سے اس قدر روشنی پھیلاتا ہے۔ اگر وہ گھر کے اندر آجائے تو یقیناً بہت زیادہ روشنی اور چمک کا سبب ہوگا تو پڑھنے والے کے والدین کو جو تاج پہنایا جاوے گا اس کی روشنی اس روشنی سے زیادہ ہوگی جس کو گھر میں طلوع ہونے والا آفتاب پھیلا رہا ہے اور جبکہ والدین کیلئے یہ ذخیرہ ہے تو خود پڑھنے والے کے اجر کا خود اندازہ کر لیا جاوے کہ کس قدر ہوگا کہ جب اس کے طفیلیوں کا یہ حال ہے تو خود اصل کا حال بدرجہا زیادہ ہوگا کہ والدین کو یہ اجر صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ وہ اس کے وجود یا تعلیم کا سبب ہوئے ہیں۔ آفتاب کے گھر میں ہونے سے جو تشبیہ دی گئی ہے اس میں علاوہ ازیں کہ قرب میں روشنی زیادہ محسوس ہوتی ہے ایک اور لطیف امر کی طرف بھی اشارہ ہے وہ یہ کہ جو چیز ہر وقت پاس رہتی ہے اس سے انس والفت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے آفتاب کی دوری کی وجہ سے جو اس سے بیگانگی ہے وہ ہر وقت کے قرب کی وجہ سے مبدل بہ انس ہوجاوے گی، تو اس صورت میں روشنی کے علاوہ اس کے ساتھ موانست کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس طرف بھی کہ وہ اپنی ہوگی کہ آفتاب سے اگرچہ ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے لیکن اگر وہ کسی کو ہبہ کردیا جائے تو اس کیلئے کس قدر افتخار کی چیز ہو۔

حاکمؒ نے بریدہؓ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کو ایک تاج پہنایا جاوے گا جو نور سے بنا ہوا ہوگا اور اس کے والدین کو ایسے دو جوڑے پہنائے جاویں گے کہ تمام دنیا ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ یہ جوڑے کس صلہ میں ہیں تو ارشاد ہوگا کہ تمہارے بچے کے قرآن شریف پڑھنے کے عوض ہیں۔

جمع الفوائد میں طبرانیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت انسؓ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف سکھلاوے اس کے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جو شخص حفظ کرائے اس کو قیامت میں چودھویں رات کے چاند کے مشابہ اُٹھایا جاوے گا اور اس کے بیٹے سے کہا جاوے گا کہ پڑھنا شروع کر جب بیٹا ایک آیت پڑھے گا باپ کا ایک درجہ بلند کیا جاوے گا حتٰی کہ اسی طرح قرآن شریف پورا ہو۔

بچے کے قرآن شریف پڑھنے پر باپ کیلئے یہ فضائل ہیں اور اسی پر بس نہیں۔ دوسری بات بھی سن لیجئے کہ اگر خدانخواستہ آپ نے اپنے بچے کو چار پیسے کے لالچ میں دین سے محروم رکھا تو یہی نہیں کہ آپ اس لایزال ثواب سے محروم رہیں گے۔ بلکہ اللہ کے یہاں آپ کو جواب دہی بھی کرنی پڑے گی۔ آپ اس ڈر سے کہ یہ مولوی و حافظ پڑھنے کے بعد صرف مسجد کے ملّانے اور ٹکڑے کے محتاج بن جاتے ہیں، اس وجہ سے آپ لاڈلے بچے کو اس سے بچاتے ہیں یاد رکھیں کہ اس سے آپ اس کو تو دائمی مصیبت میں گرفتار کر ہی رہے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اپنے اوپر بھی بڑی سخت جواب دہی لے رہے ہیں۔ حدیث کا ارشاد ہے: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ

رَعِیَّتِہٖ : ہر شخص سے اس کے ماتحتوں اور دست نگروں کا بھی سوال ہوگا کہ ان کو کس قدر دین سکھلایا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان عیوب سے آپ بچئے اور بچانے کی کوشش کیجئے۔ مگر جوؤں کے ڈر سے کپڑا نہ پہننا کوئی عقل کی بات نہیں۔ البتہ اس کے صاف رکھنے کی ضرور کوشش چاہئے۔ بالجملہ اگر آپ اپنے بچے کو دینداری صلاحیت سکھلائیں گے۔ اپنی جواب دہی سے سبک دوش ہوں گے اور اس وقت تک وہ زندہ رہے جس قدر نیک اعمال کرے گا۔ دعا و استغفار آپ کیلئے کرے گا۔ آپ کیلئے رفع درجات کا سبب بنے گا، لیکن دنیا کی خاطر چار پیسے کے لالچ سے آپ نے اس کو دین سے بے بہرہ رکھا تو یہی نہیں کہ خود آپ کو اپنی حرکت کا وبال بھگتنا پڑے گا جس قدر بداطواریاں فسق و فجور اس سے سرزد ہونگے۔ آپ کے نامہ اعمال بھی اس ذخیرے سے خالی نہ رہیں گے۔ خدارا اپنے حال پر رحم کھائیں۔ دنیا بہرحال گذر جانے والی چیز ہے اور موت ہر بڑی سے بڑی تکلیف کا خاتمہ ہے لیکن جس تکلیف کے بعد موت بھی نہیں اس کا کوئی منتہی نہیں۔

جس شخص کو قرآن مجید کی کچھ سورتیں یا آیتیں یاد نہ ہوں اس کا دل ویران گھر کی مانند ہے:

عَنْ ابن عباسؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِنَّ الَّذِی لَیْسَ فِیْ جوفہٖ شَیْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ : عبداللہ بن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے(رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث صحیح و راہ الدارمی و الحاکم و صححہ)۔

ویران گھر کے ساتھ تشبیہ دینے میں ایک خاص لطیفہ بھی ہے وہ یہ کہ خانہ خالی را دیومی گیرد اسی طرح جو قلب کلام پاک سے خالی ہوتا ہے۔ شیاطین کا اس پر تسلط زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث میں حفظ کی کس قدر تعریف فرمائی ہے کہ اس دل کو ویران گھر ارشاد ہوا ہے جس میں کلام پاک محفوظ نہیں۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں کلام مجید پڑھا جاتا ہے اس کے اہل وعیال کثیر ہو جاتے ہیں اس میں خیر و برکت بڑھ جاتی ہے ملائکہ اس میں نازل ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں۔ اور جس گھر میں تلاوت نہیں ہوتی اس گھر میں تنگی اور بے برکتی ہوتی ہے، ملائکہ اس گھر سے چلے جاتے ہیں۔ شیاطین اس میں گھس جاتے ہیں۔ ابن مسعودؓ سے منقول ہے اور بعض لوگ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ خالی گھر وہی ہے جس میں تلاوت قرآن شریف نہ ہوتی ہو۔

قرآن مجید سے تکیہ نہ لگاؤ:

عَنْ عُبَیْدَۃَ الْمُلَیْکِی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوْا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنْ اٰنَاءِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَاَفْشُوْہُ وَتَدَبَّرُوْا مَافِیْہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَاتَعْجَلُوْا ثَوَابَہٗ فَاِنَّ لَہٗ ثَوَاباً: عبیدہ ملیکیؒ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے قرآن والو قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ اور اس کی تلاوت شب و روز کرو جیسا کہ اس کا حق ہے کلام پاک کی اشاعت کرو اور اس کو اچھی آواز سے پڑھو اور اس کے معانی میں تدبر کرو تا کہ تم فلاح کو پہنچو اور اس کا بدلہ (دنیا میں طلب نہ کرو کہ (آخرت میں) اس کیلئے بڑا اجر و بدلہ ہے (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)۔

حدیث بالا میں چند امور ارشاد فرمائے ہیں (۱) قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ۔ قرآن شریف سے تکیہ نہ لگانے کے دو مفہوم ہیں۔ اوّل یہ کہ اس پر تکیہ نہ لگاؤ کہ یہ خلاف ادب ہے۔ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ قرآن پاک پر تکیہ لگانا، اس کی طرف پاؤں پھیلانا، اس کی طرف پشت کرنا، اس کو روندنا وغیرہ حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ کنایہ ہے غفلت سے کہ کلام پاک برکت کے واسطے تکیہ ہی پر رکھا رہے جیسا کہ بعض مزارات پر دیکھا گیا کہ قبر کے سرہانے برکت کے واسطے رحل پر رکھا رہتا ہے یہ کلام پاک کی حق تلفی ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے (۲) اور اس کی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے یعنی کثرت سے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے خود کلام پاک میں بھی اس کی طرف توجہ فرمایا گیا ارشاد ہے " اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰـھُمُ الْکِتَابَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ": جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے یعنی جس عزت سے بادشاہ کا فرمان اور جس شوق سے محبوب کا کلام پڑھا جاتا ہے اسی طرح پڑھنا چاہیے (۳) اور اس کی اشاعت کرو یعنی تقریر سے، تحریر سے، ترغیب سے، عملی شرکت سے جس طرح ہو سکے اس کی اشاعت جتنی ہو سکے کرو نبی کریم ﷺ کلام پاک کی اشاعت اور اس کے پھیلانے کا حکم فرماتے ہیں لیکن ہمارے روشن دماغ اس کے پڑھنے کو فضول بتلاتے ہیں اور ساتھ ہی حب رسول اور حب اسلام کے لمبے چوڑے دعوے بھی ہاتھ سے نہیں جاتے۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

آقا کا حکم ہے کہ قرآن پاک کو پھیلاؤ مگر ہمارا عمل ہے کہ جو کوشش اس کی رکاوٹ میں ہو سکے دریغ نہ کریں گے۔ جبریہ تعلیم کے قوانین بنوائیں گے تا کہ بچے بجائے قرآن پاک کے پرائمری پڑھیں۔ ہمیں اس پر غصہ ہے کہ مکتب

کے میاں جی بچوں کی عمر ضائع کر دیتے ہیں اس لئے ہم وہاں نہیں پڑھانا چاہتے مسلم ،یقیناً کوتاہی کرتے ہیں مگر ان کی کوتاہی سے آپ سبکدوش ہو جاتے ہیں یا آپ پر سے قرآن پاک کی اشاعت کا فریضہ ہٹ جاتا ہے اس صورت میں تو یہ فریضہ آپ پر عائد ہوتا ہے وہ اپنی کوتاہیوں کے جواب دہ ہیں ،مگر ان کی کوتاہی سے آپ بچوں کو جبراً قرآن پاک کے مکاتب سے ہٹادیں اور ان کے اور ان کے والدین پر نوٹس جاری کرائیں کہ وہ قرآن پاک حفظ یا ناظرہ پڑھانے سے مجبور ہوں اور اس کا وبال آپ کی گردن پر رہے یہ حمّٰی دق کا علاج سنکھیا سے نہیں تو اور کیا ہے۔عدالت عالیہ میں اپنے اس جواب کو اس لئے جبراً تعلیم قرآن سے ہٹا دیا کہ مکتب کے میاں جی بہت بری طرح سے پڑھاتے تھے آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ کتنا وزن رکھتا ہے بنئے کی دوکان پر جانے کے واسطے یا انگریزوں کی چاکری کے واسطے ۴/۳ کی تعلیم اہمیت رکھتی ہو۔مگر اللہ کے یہاں تعلیم قرآن سب سے اہم ہے۔(۴) خوش آوازی سے پڑھو جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں گذر چکا۔(۵) اور اس کے معنی میں غور کرو تو رات میں نقل کیا ہے حق سبحانہٗ تقدس ارشاد فرماتے ہیں :اے میرے بندے تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی۔تیرے پاس راستے میں کسی دوست کا خط آجاتا ہے تو چلتے چلتے راستے میں ٹھہر جاتا ہے۔الگ کو بیٹھ کر غور سے پڑھتا ہے،ایک ایک لفظ پر غور کرتا ہے۔میری کتاب تجھ پر گذرتی ہے۔میں نے اس میں سب کچھ واضح کر دیا ہے۔بعض اہم امور کا بار بار تکرار کیا ہے تاکہ تو اس پر غور کرے اور تو بے پرواہی سے اڑا دیتا ہے کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی ذلیل ہوں۔اے میرے بندے تیرے بعض دوست تیرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو ہمہ تن ادھر متوجہ ہو جاتا ہے،کان لگاتا ہے غور کرتا ہے،کوئی بیچ میں تجھ سے بات کرنے لگتا ہے تو تُو اشارے سے اس کو روکتا ہے،منع کرتا ہے،میں تجھ سے اپنے کلام کے ذریعے باتیں کرتا ہوں اور تو ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا۔کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔آھ۔تدبر اور غور کے متعلق کچھ مقدمہ میں اور کچھ حدیث نمبر ۸ کے ذیل میں مذکور ہو چکا ہے۔(۶) اور اس کا بدلہ دنیا میں نہ چاہو،یعنی تلاوت پر کوئی معاوضہ نہ لو کہ آخرت میں اس کا بہت بڑا معاوضہ ملنے والا ہے۔دنیا میں اگر اس کا معاوضہ لے لیا جاوے گا تو ایسا ہے کہ جیسے روپیوں کے بدلے کوئی شخص کوڑیوں پر راضی ہو جاوے۔حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دینار و درہم کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی۔اسلام کی ہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے گی تو برکت وحی سے یعنی فہم قرآن سے محروم ہو جاوے گی۔کذا فی الاحیاء اللّٰھم احفظنا منہ (فضائل قرآن)۔

تلاوتِ قرآن کا اجروثواب:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ

کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ بِہٖ حَسَنَۃٌ وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا لَا اَقُوْلُ "الم" حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ جس نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کرم کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے (مزید وضاحت کیلئے آپ ﷺ نے فرمایا) میں یہ نہیں کہتا (یعنی میرا مطلب یہ نہیں ہے) کہ "الم" ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (اس طرح "الم" پڑھنے والا بندہ تمیں نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرنے کا مستحق ہوگا) (رواہ الترمذی والدارمی)۔

(تشریح) اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون کہ ایک نیکی کرنے والے کو دس نیکیوں کے برابر ثواب عطا ہوگا۔ واضح طور پر قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۃ انعام میں ارشاد ہے کہ:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا: جو بندہ ایک نیکی لیکر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا (الانعام، ع ۲۰)۔

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو حروف تہجی کے ہر حرف کی تلاوت ایک نیکی شمار ہوگی جو اجر و ثواب کے لحاظ سے دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ اسی حدیث کی بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ؛ "میں نہیں کہتا کہ " بسم اللہ" ایک حرف ہے بلکہ ب ایک حرف ہے، س ایک حرف ہے، م ایک حرف ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ ' الم ' ایک حرف ہے، بلکہ ا، ل، م الگ الگ حروف ہیں"۔ اللہ پاک یقین کی دولت نصیب فرمائے۔ اس حدیث میں کلامِ پاک کی تلاوت کرنے والوں کیلئے بڑی ہی خوشخبری ہے۔ فطوبیٰ لھم۔

اس حدیث سے ایک واضح اشارہ بھی ملا کہ قرآن مجید کی تلاوت پر ثواب کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تلاوت معنی مفہوم سمجھے بغیر ہی کی جاتی ہے، اور حدیث نے صراحۃً بتلایا کہ ان حروف کی تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۲ تا ۸۳)۔

قرآن اور قوموں کا عروج و زوال:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ: حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب پاک (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کرے گا اور بہت سوں کو نیچے گرائے گا (مسلم)۔

(تشریح) قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفتِ قائمہ اور بندوں کیلئے اس کا فرمان اور عہد نامہ ہے۔ اس کی وفاداری اور تابعداری اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور تابعداری ہے اسی طرح اس سے انحراف اور بغاوت اللہ تعالیٰ سے انحراف اور سرکشی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور جو امت خواہ وہ کسی نسل سے ہو، اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو، قرآن مجید کو اپنا راہنما بنا کر اپنے کو اس کا تابعدار بنا دے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سر بلند کرے گا۔ اور اس کے برعکس جو قوم اور امت اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوگی تو نیچے گرا دی جائے گی۔

اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے۔ اس حدیث میں "اَقْوَامًا" کے لفظ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ عروج وزوال کے اس الٰہی قانون کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ قوموں اور امتوں سے ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف الحدیث، ج-۵ ص ۸۱ تا ۸۲)۔

خاص خاص سورتوں اور آیتوں کی برکات:

بعض حدیثوں میں خاص خاص آیتوں اور سورتوں کے فضائل بھی بیان ہوئے ہیں۔ ذیل میں اس سلسلہ کی چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں۔

سُورۃ الکہف:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ مَنْ قَرَءَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اَضَاءَ لَهُ النُّوْرُ مَابَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھے اس کیلئے نور روشن ہو جائے گا دو جمعوں کے درمیان (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)۔

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ کہف کو جمعہ کے دن کے ساتھ کوئی خاص مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس دن میں اس کی تلاوت کیلئے رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن سورۃ کہف کے پڑھنے سے قلب میں ایک خاص نور پیدا ہوگا جس کی روشنی اور برکت اگلے جمعہ تک رہے گی۔ اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہی اور کہا ہے "ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم

بخرجاہ"۔

ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہی) سورۃ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ "جوان کو یاد کرلے گا اور پڑھے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا"۔اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ سورۃ کہف کے ابتدائی حصہ میں جو تمہیدی مضمون ہے اور اسی کے ساتھ اصحاب کہف کا جو واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اس میں ہر دجالی فتنہ کا پورا توڑ موجود ہے۔اور جس دل کو ان حقائق اور مضامین کا یقین نصیب ہوجائے جو کہف کی ان ابتدائی آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ دل کسی دجالی فتنہ سے کبھی متاثر نہ ہوگا۔اسی طرح اللہ کے جو بندے ان آیتوں کی اس خاصیت اور برکت پر یقین کرتے ہوئے ان کو اپنے دل ودماغ میں محفوظ کرینگے اور ان کی تلاوت کرینگے اللہ تعالیٰ ان کو بھی دجالی فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔

سورۃ یٰس:

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارِ الْمُزَنِي اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَءَ يٰس اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالىٰ غُفِرَلَه' مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَءُ وهَاعِنْدَ مَوْتَاكُمْ : حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا کیلئے سورۃ یٰس پڑھی اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، لہٰذا یہ مبارک سورۃ مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

(تشریح) اس حدیث میں مرنے والوں کے پاس (عندموتاکم) یٰس شریف پڑھنے کیلئے جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ مرنے والے کے پاس اس کے آخری وقت میں یہ سورۃ پڑھی جائے۔اور اکثر علماء نے یہی سمجھا ہے اور اس لئے یہی معمول ہے لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرجانے والے کی قبر پر یہ سورت پڑھی جائے تاکہ یہ اس کی مغفرت کا وسیلہ بن جائے۔عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِىْ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِىْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ مَنْ قَرَءَ يٰس فِىْ صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَائِجُه': عطاء بن ابی رباح تابعی سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو بندہ دن کے ابتدائی حصے میں یعنی علی الصباح سورۃ یٰس پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرمائے گا (رواہ الدارمی مرسلاً)۔

سُورۃ وَاقِعہ:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَءَ سُوْرَۃَ الْوَاقِعَۃِ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ لَمْ تُصِبْہُ فَاقَۃٌ" اَبَدًا وَکَانَ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ یَاْمُرُ بَنَاتَہٗ یَقْرأنَ بِھَا فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص ہر رات سورۃ واقعہ پڑھا کرے اسے کبھی فقر و فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی۔ (نیچے راوی بیان کرتے ہیں) کہ خود حضرت ابن مسعودؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی صاحبزادیوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے، اور وہ ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھتی تھیں (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

سُورۃ المُلک:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ سُوْرَۃً فِی الْقُرْآنِ ثَلٰثُوْنَ آیَۃً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰی غُفِرَلَہٗ وَھِیَ تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ: حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، قرآن کی ایک سورت نے جو صرف تیس آیتوں کی ہے اس نے ایک بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی حضور میں سفارش کی، یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا اور وہ سورۃ ہے تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)۔

الٓمّ تنزیل:

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَایَنَامُ حَتّٰی یَقْرَءَ آلٓمّ تَنْزِیْل وَ تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ: حضرت جابرؓ سے روایت ہی کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ الٓمّ تنزیل اور تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ نہ پڑھ لیتے یعنی رات کو سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حضور ﷺ کا معمول تھا (رواہ احمد والترمذی والدارمی)۔

معوّذتین:

عَنْ عُقْبَۃَبْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تَرَ آیَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّیْلَۃَ لَمْ یُرَمِثْلُھُنَّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ:

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں آج رات جو آیتیں مجھ پر نازل ہوئی ہیں (وہ ایسی بے مثال ہیں کہ) انکے مثل نہ کبھی دیکھی گئیں نہ سنی گئیں "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس" (رواہ مسلم)۔

(تشریح) یہ دونوں سورتیں اس لحاظ سے بے مثال ہیں کہ ان میں اول سے آخر تک تعوذ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ لی گئی ہے، ظاہر کے شرور سے بھی اور باطن کے شرور سے بھی۔ اور اللہ نے ان میں شرور سے حفاظت کی بے پناہ تاثیر رکھی ہے، گویا ہر قسم کے شرور سے حفاظت کیلئے یہ حصن حصین ہیں، اور دونوں اختصار کے باوجود نہایت جامع اور کافی وافی ہیں۔

عَنْ عُقْبَةَبْنِ عَامِرٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْجُحْفَةِ وَالْاَبْوَاءِ اِذْغَشِيَتْنَا رِيْحٌ وَظُلْمَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ بِاَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَيَقُوْلُ يَا عُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا جُحْفَہ اور اَبْواء کے درمیان (یہ دونوں دو مشہور مقام تھے مدینہ اور مکہ کے درمیان) اچانک سخت آندھی آ گئی اور سخت اندھیری چھا گئی رسول اللہ ﷺ یہ دونوں سورتیں (معوذتین) پڑھ کر اللہ سے پناہ مانگنے لگے اور مجھ سے ارشاد فرمانے لگے: عقبہ تم بھی یہ دو سورتیں پڑھ کر اللہ کی پناہ لو۔ کسی پناہ لینے والے نے ان کے مثل پناہ نہیں لی (یعنی اللہ کی پناہ لینے کیلئے کوئی دعا ایسی نہیں ہے جو ان دونوں سورتوں کے مثل ہو، اس خصوصیت میں یہ بے مثل اور بے مثال ہیں) (رواہ ابوداؤد)۔

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مصیبت اور خطرے کا سامنا ہو تو معوذتین پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینی چاہیے اس سے بہتر بلکہ اس جیسا بھی کوئی دوسرا تعوذ نہیں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَاَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَءُ بِهِمَا عَلٰى رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذَالِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر رات کو جب آرام فرمانے کیلئے اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنی دونوں ہاتھوں کو ملا لیتے (جس طرح دعا کے وقت

دونوں ہاتھ ملائے جاتے ہیں) پھر ہاتھوں پر پھونکتے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے، پھر جہاں تک ہوسکتا اپنے جسم مبارک پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرتے، سر مبارک اور چہرہ مبارک اور جسد اطہر کے سامنے کی حصے سے شروع فرماتے (اس کے بعد باقی جسم پر جہاں تک آپ کے ہاتھ جا سکتے وہاں تک ہاتھ پھیرتے) یہ آپ ﷺ تین دفعہ کرتے (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) رات کو سونے سے پہلے کا یہ مختصر معمولِ نبوی ﷺ تو بہت آسان ہے، کم از کم اس کا اہتمام ہم سب کو کرنا چاہئے، اس کی برکات بیان سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

آیۃ الکرسی:

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِیْ اَیُّ اٰیَةٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی مَعَکَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِیْ اَیُّ اٰیَةٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی مَعَکَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ"؟ قَالَ فَضَرَبَ فِیْ صَدْرِیْ وَقَالَ لِیَهْنِکَ الْعِلْمُ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ: حضرت اُبی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ان کی کنیت ابوالمنذر سے مخاطب کرتے ہوئے) ان سے فرمایا: اے ابوالمنذر، تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ نے (مکرر) فرمایا: اے ابوالمنذر، تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے عرض کیا: "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" تو آپ نے میرے سینہ ٹھونکا (گویا اس جواب پر شاباش دی) فرمایا: اے ابوالمنذر، تجھے یہ علم موافق آئے اور مبارک ہو۔

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے سوال کے جوب میں اُبی بن کعب نے پہلے عرض کیا کہ "اللّٰہ و رسولہ اعلم" (اللہ اور اس کے رسول کو اس کا علم زیادہ ہے کہ کون سی آیت کتاب اللہ میں زیادہ عظمت والی ہے) یہ جواب ادب کے تقاضے کے مطابق تھا، لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ وہی سوال فرمایا تو اُبی بن کعب نے اپنے علم و فہم کے مطابق جواب دیا کہ میرے خیال میں تو "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" یعنی آیۃ الکرسی قرآن

مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کی تصویب فرمائی اور شاباش دی، اور اس شاباش میں ان کا سینہ آپ نے غالباً اس لئے ٹھونکا کہ قلب (جو محلِ علم و معرفت ہے) وہ سینہ ہی میں ہوتا ہے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیاتِ قرآنی میں آیۃ الکرسی سب سے زیادہ با عظمت آیت ہے، اور یہ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہہ اور صفاتِ کمال اور اس کی شانِ عالی کی عظمت و رفعت جس طرح بیان کی گئی ہے وہ اس میں منفرد اور بے مثال ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آخری آیتیں:

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاٰيَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَءَ بِهِمَا فِیْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ کے آخری دو آیتیں جو کوئی کسی رات میں ان کو پڑھے گا وہ اس کیلئے کافی ہونگی (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) حدیث کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص رات کو بقرہ کی یہ آخری آیتیں پڑھ لے گا وہ انشاء اللہ ہر شر سے محفوظ رہے گا۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص تہجد میں صرف یہی آیتیں پڑھ لے تو اس کیلئے اتنا ہی کافی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

آل عمران کی آخری آیات:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ مَنْ قَرَءَ اٰخِرَ اٰلِ عِمْرَانَ فِیْ لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ: حضرت عثمانؓ بن عفان سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جو شخص کسی رات کو ال عمران کی آخری آیات پڑھے گا اس کیلئے پوری رات کی نماز کا ثواب لکھا جائے گا (رواہ الدارمی)۔

(تشریح) "آخر آل عمران" سے مراد "اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض" سے ختم سورت تک کی آیات ہیں۔ صحیح روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جب تہجد کیلئے اٹھتے تو سب سے پہلے (وضو کرنے سے بھی پہلے) یہی آیات پڑھتے تھے۔

آل عمران کا یہ آخری رکوع بھی سورۃ بقرہ کے آخری رکوع کی طرح نہایت جامع دعا پر مشتمل ہے، اور غالباً اس رکوع کی خاص فضیلت کا راز ان دعائیہ آیات ہی میں مضمر ہے۔ کائنات کی تخلیق میں تفکر کرنے والے اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے والے بندوں کی زبان سے یہ جامع دعا اس رکوع میں اس طرح ذکر کی گئی ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ○ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا، رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ○ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ: اے ہمارے پروردگار؛ تو نے یہ کارخانۂ ہستی بے مقصد نہیں پیدا کیا، تو اس بات سے پاک اور مقدس ہے کہ کوئی عبث کام کرے (یقیناً اس دنیوی زندگی کے بعد جزا و سزا برحق ہے) سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب؛ جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب: ہم نے ایک داعی اور منادی کو سنا کہ وہ ایمان کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب؛ ہمارے گناہوں کو بخش دے ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے، اور ہمیں اپنے وفادار اور نیکو کار بندوں کیساتھ دنیا سے اُٹھا، اور اے ہمارے رب؛ ہمیں وہ سب عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی اہلِ ایمان کیلئے وعدہ فرمایا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن کی رسوائی سے بچا۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔

سورۃ آلِ عمران کے آخری رکوع کی یہ دعا قرآن مجید کی جامع ترین دو تین دعاؤں میں سے ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس رکوع کی خاص فضیلت ان دعائیہ آیات ہی کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عثمان غنیؓ نے جو یہ فرمایا کہ "جو شخص رات کو یہ آیتیں پڑھے اس کیلئے پوری رات کے نوافل کا ثواب لکھا جائے گا" ظاہر ہے کہ یہ بات انھوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہوگی۔ حضور ﷺ سے سنے بغیر کوئی صحابیؓ اپنی طرف سے ایسی بات نہیں کہہ سکتے، اس لئے حضرت عثمانؓ کا یہ ارشاد حدیثِ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

(فائدہ) اُمتِ مسلمہ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کی جو خاص رحمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تھوڑے عمل پر بڑے اجر و ثواب کی بہت سی صورتیں اور بہت سے طریقے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس اُمت کو بتلائے گئے ہیں، تاکہ جو لوگ اپنے خاص حالات کی وجہ سے بڑے بڑے عمل نہ کر سکیں وہ یہ چھوٹے چھوٹے عمل کر کے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے مستحق ہو سکیں (معارف الحدیث ج ۵)۔

حضرت عکرمہؓ جب کلام پاک پڑھنے کیلئے کھولا کرتے تھے تو بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے اور زبان پر جاری ہو جاتا تھا ھٰذَا کَلَامُ رَبِّیْ، ھٰذَا کَلَامُ رَبِّیْ (یہ میرے رب کا کلام ہے۔ یہ میرے رب کا کلام ہے)، یہ ان آداب کا اجمال ہے اور ان تفصیلات کا اختصار ہے جو مشائخ نے آدابِ تلاوت میں لکھے ہیں جن کی کسی قدر توضیح بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جن کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ بندہ نوکر بن کر نہیں، چاکر بن کر نہیں، بلکہ بندہ بن کر آقا و مالک محسن و منعم کا کلام پڑھے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے کو قرأت کے آداب سے قاصر سمجھتا رہے گا۔ وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا اور جو اپنے کو رضا و عجب کی نگاہ سے دیکھے گا وہ ترقی سے دور ہوگا۔

آداب

مسواک اور وضو کے بعد کسی یک سوئی کی جگہ میں نہایت وقار و تواضع کے ساتھ رو بہ قبلہ بیٹھے اور نہایت ہی حضورِ قلب اور خشوع کے ساتھ اس لطف سے جو اس وقت کے مناسب ہے اس طرح پڑھے کہ گویا خود سبحانہٗ و عز اسمہٗ کو کلام پاک سنا رہا ہے۔ اگر وہ معنی سمجھتا ہے تو تدبر و تفکر کے ساتھ آیات وعد و رحمت پر دعائے مغفرت و رحمت مانگے اور آیات عذاب و وعید پر اللہ سے پناہ چاہے کہ اس کے سوا کوئی بھی چارہ ساز نہیں۔ آیات تنزیہ و تقدیس پر سبحان اللہ کہے اور خود تلاوت میں رونا نہ آوے تو بہ تکلف رونے کی سعی کرے۔

وَالَذُّ حَالَاتِ الْغَرَامِ لِمُغْرَمٍ　شَكْوَى الْهَوٰى بِالْمُدْمَعِ الْمُهْرَاقِ

کسی عاشق کیلئے سب سے لذت کی حالت یہ ہے کہ محبوب سے اس کا گلہ ہو رہا ہو (اس طرح کہ اس کی آنکھوں سے بارش ہو)۔

پس اگر یاد کرنا مقصود نہ ہو تو پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔ کلام پاک کو رحل یا تکیہ یا کسی اونچی جگہ پر رکھے۔ تلاوت کے درمیان کسی سے کلام نہ کرے۔ اگر کوئی ضرورت ہی پیش آ جاوے تو کلام پاک بند کر کے بات کرے اور پھر اس کے بعد اعوذ پڑھ کر دوبارہ شروع کرے اگر مجمع میں لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھنا افضل ہے ورنہ آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے۔ مشائخ نے تلاوت کے چھ آداب ظاہری اور چھ باطنی ارشاد فرمائے ہیں۔

ظاہری آداب

.... غایت احترام سے باوضو رو بہ قبلہ بیٹھے۔

.... پڑھنے میں جلدی نہ کرے ترتیل و تجوید سے پڑھے۔

..... رونے کی سعی کرے، چاہے بہ تکلف ہی کیوں نہ ہو۔
..... آیاتِ رحمت و آیاتِ عذاب کا حق ادا کرے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔
..... اگر ریا کا احتمال ہو یا کسی دوسرے مسلمان کی تکلیف وحرج کا اندیشہ ہو تو آہستہ آہستہ ورنہ آواز سے۔
..... خوش الحانی سے پڑھے کہ خوش الحانی سے کلام پاک پڑھنے کی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔

باطنی آداب

..... کلام پاک کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ کلام ہے۔
..... حق سبحانہٗ تقدس کی علوشان اور رفعت وکبریائی کو دل میں رکھے جس کا کلام ہے۔
..... دل کو وساوس وخطرات سے پاک رکھے۔
..... معانی کا تدبر کرے اور لذت کے ساتھ پڑھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک شب تمام رات اس آیت کو پڑھ کر گذار دی۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُالْحَكِيْمُ: اے اللہ اگر ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر مغفرت فرمادے تو عزت وحکمت والا ہے۔

سعید بن جبیرؒ نے ایک رات اس آیت کو پڑھ کر صبح کر دی۔

وَامْتَازُوالْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ:
او مجرموں: آج قیامت کے دن فرماں برداروں سے الگ ہو جاؤ۔

..... جن آیات کی تلاوت کر رہا ہے دل کو ان کے تابع بنادے مثلاً اگر آیت رحمت زبان پر ہے دل سرور محض بن جاوے اور آیتِ عذاب اگر آ گئی ہے تو دل لرز جائے۔
..... کانوں کو اس درجہ متوجہ بنادے کہ گویا خود حق سبحانہٗ وتقدس کلام فرمار ہے ہیں اور یہ سن رہا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے مجھے بھی ان آداب کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور تمہیں بھی۔

مسئلہ:

اتنے قرآن شریف کا حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہو جاوے ہر شخص پر فرض ہے اور تمام کلام پاک کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے اگر کوئی بھی العیاذ باللہ حافظ نہ رہے تو تمام مسلمان گنہگار رہیں بلکہ زرکشی سے ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پاک پڑھنے والا نہ ہو سب گنہگار ہیں۔ اس زمانہ ضلالت و جہالت میں جہاں ہم مسلمانوں میں اور بہت سے دینی امور میں گمراہی پھیل رہی ہے وہاں ایک عام آوازہ یہ بھی ہے کہ قرآن شریف کے حفظ کرنے کو فضول سمجھا جا رہا ہے۔ اس کے الفاظ رٹنے کو حماقت بتلایا جاتا ہے، اس کے الفاظ یاد کرنے کو دماغ سوزی اور تضیع اوقات کہا جاتا ہے۔ اگر ہماری بددینی کی یہی ایک وبا ہوتی تو اس پر کچھ تفصیل سے لکھا جاتا مگر یہاں ہر ادا مرض ہے اور ہر خیال باطل ہی کی طرف کھینچتا ہے اس لئے کس کس چیز کو روئیے اور کس کس کا شکوہ کیجئے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَان (فضائل قرآن)۔

بابِ دُعا

نفع و نقصان، عزت و ذلت اور خوف و غم لینے دینے کا مالک صرف ایک اللہ رب العالمین ہے اس کے سوا کوئی بھی نفع و نقصان وغیرہ کا مالک نہیں۔ اس لئے بندے کے لئے صحیح رویہ یہی ہے کہ خوف و طمع اور امید و بیم کا رشتہ صرف اپنے رب کے ساتھ رکھے اور ہر حاجت، ہر مشکل اور اندیشہ میں صرف اسی کو پکارے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے مخلوق اور اسباب سے چمٹے رہتے ہیں اور مشکل حالات اور اپنی حوائج میں خالق و مالک کو چھوڑ کر مخلوق اور اسباب کی طرف متوجہ رہتے ہیں وہ خواہ مخواہ ذلت و رسوائی اور دنیوی و اخروی نقصان و خسران میں اپنے آپ کو ڈالدیتے ہیں۔

غور کیجئے کہ خالق کائنات، مالکِ اسباب اگر کسی پر کوئی آفت اور مصیبت یا ذلت نازل کرنا چاہتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مخلوق اور اسباب کی اوٹ اور پردے میں اس ذلت و رسوائی اور نقصان سے بچ سکے۔

صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگئے:

اسلئے بندے کو چاہئے کو وہ ہر حال میں صرف اپنے رب کو پکارے اسی کا نام دُعا ہے۔ اور قرآن مجید میں اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے بہت بسط اور تفصیل سے اپنے بندوں کو سمجھایا ہے۔ قرآن مجید کے بہت سے مضامین اور بہت سے مقامات میں سے صرف ایک ہی مضمون کو پڑھ لیجئے۔ سورۃ اعراف کے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان و زمین کا مالک ہے اسی کے حکم سے ستارے سیارے دن رات گردش کر رہے ہیں، دنیا کا سارا نظم و نسق صرف اسی کے اختیار میں ہے اور وہ بڑی ہی برکت و رحمت والی ہستی ہے اسلئے اس سے مانگنے کیلئے کسی واسطے اور وسیلے کی ضرورت نہیں بلکہ:

> اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ: اے میرے بندو! اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے (اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارنا حدود سے تجاوز اور زیادتی ہے) بے شک اللہ تعالیٰ حدود سے تجاوز کرنے (اور زیادتی کرنے) والوں کو پسند نہیں کرتا (اور معاشرے کی اصلاح بھی اسی سے ہوئی ہے اور ہوتی ہے کہ بندے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اسی کو پکاریں اور اسی کے حکموں پر عمل کریں، لہٰذا تم) ملک میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ برپا کرو

اور اسی کو پکارو خوف وطمع (اور امید وبیم کی حالت) میں، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کاروں سے قریب ہے (اعراف، ۵۴تا۵۶)۔

ہمارا پروردگار ہماری جانوں سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے:

ہمارا خالق کائنات ہماری جانوں سے بھی قریب ہے لیکن اس کو موجودہ مادی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ج وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں اس کے ان وسوسوں کو جو اس کے دل میں گذرتے ہیں اور ہم اس کو اس کی شہ رگ (یعنی رگِ گردن) سے بھی زیادہ قریب ہیں (ق، ۱۶)۔

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ: اور ہم تم سے زیادہ اس (مرنے والے شخص) سے قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ پاسکتے (واقعہ، ۸۵)۔

اپنی فطرت اور وجدان کو ذکر و دعا سے نورانی بناؤ:

بلاشبہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ عزوجل ہم سے ہماری جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن ہم اس کو موجودہ مادی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے البتہ انسان کا وجدان اپنے رب کو پالیتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل اور بے پرواہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے اپنی فطرت کو مسخ اور اپنے وجدان کو زنگ آلود کرڈالا ہے تو وہ جانوروں کی طرح صرف مادی اور ظاہری چیزوں اور اسباب کو دیکھتے ہیں ان کو بنی بنائی پرحکمت دنیا تو نظر آتی ہے لیکن ان کے دل اندھے ہوجاتے ہیں اس لئے وہ اپنے رب کی قدرتوں اسکی قوت اور عظمت کو محسوس نہیں کرتے، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوجاتے ہیں اور اس کے برعکس جو لوگ اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور کردیتے ہیں اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا شکر کرتے رہتے ہیں، تو ان کا یہ وجدان اور ان کی قلبی بینائی اور زیادہ تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قرب اور اس کی قدرتوں کا مشاہدہ اپنے دل کی آنکھوں سے کرتے رہتے ہیں اور ان کی سرگوشیاں اور مناجات اپنے پروردگار کے ساتھ ہوا کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور برکتوں سے ان کی طرف متوجہ رہتا ہے اور وہ زندگی کے ہر موڑ پر ان کی مدد ونصرت فرماتا ہے۔ یہی وہ بندے ہیں

جن کا سہارا مخلوق اور اسباب کے بجائے صرف اور صرف خالق و مالکِ اسباب اللہ رب العالمین پر ہوتا ہے۔ اور وہ ہر حال میں اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور صرف اسی کو پکارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جلّ شانہ لازماً بندے کی پکار کا جواب دیتے ہیں:

لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکاریں اور زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر حالت میں اسی کی طرف متوجہ رہیں اور اس کے تمام احکامات و ہدایات کی پوری نگہداشت کریں اور یہ ممکن نہیں کہ بندہ تو اپنے رب کو پکارے اور اللہ رب العالمین اس کو اسکی پکار کا جواب نہ دے اور اس کی مدد و نصرت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کریم، رحیم، وہاب ہستی خود فرماتے ہیں کہ مجھ سے مانگا کرو میں دونگا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بندہ صرف اسی سے مانگے اور اللہ تعالیٰ پھر بھی اس کو محروم کردیں ایسا قطعاً نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ: اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو میں قریب ہوں۔ دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول کرلیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے پس (بندوں کو بھی) چاہئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر (کامل) ایمان و یقین رکھیں تاکہ وہ ھدایت پر رہیں (بقرہ،۱۸۶)۔

اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ ضرور دُعا قبول فرماتے ہیں بشرطیکہ......؟

اس میں شک نہیں کہ بندہ جب اپنے رب کو پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے اور اس کی دُعا کو قبول فرماتا ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ بندہ رب کے سامنے ہاتھ پھیلائے، گڑگڑائے اور اس کو مدد کیلئے پکارے اور وہ اس کی پکار کا جواب نہ دے، اس کی دُعا کو قبول نہ کرے اور وہ اس کی مدد اور فریاد رسی نہ کرے۔ شرط صرف یہ ہے کہ بندہ اخلاص اور یکسوئی و تضرع کے ساتھ پکارے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قوت اور قدرتوں پر اسکا ایمان اور مضبوط یقین اور صرف اسی پر بھروسہ ہو اور اس چیز کیلئے اپنے رب کو پکارے اور دُعا کرے جس کیلئے پکارنا اور دُعا کرنا اس کو زیبا ہے، اگر بندہ ان شرائط کا لحاظ کرکے اپنے رب سے وہ چیز مانگتا ہے جو مانگنا چاہئے تو اللہ تعالیٰ وہ چیز ضرور اس کو عطا فرمائے گا، اگر اس شکل میں عطا نہ کرے جس شکل میں اس نے مانگی ہے تو اس سے بہتر شکل میں دیدیتا ہے یا اس کیلئے اس کو آخرت میں محفوظ کردیتا ہے۔

دُعا کی اہمیت:

دُعا کے متعلق حضرت مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن کمالات وامتیازات سے نوازا ان میں سب سے بڑا امتیاز و کمال عبدیت کاملہ کا مقام ہے۔عبدیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلل، بندگی و سرافگندگی عاجزی و لاچاری اور محتاجی و مسکینی کا پورا پورا اظہار، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے، اس کے در کی فقیری و گدائی، اس سب کے مجموعہ کا عنوان مقامِ عبدیت ہے، جو تمام مقامات میں اعلیٰ و بالا ہے اور بلاشبہ سیدنا حضرت محمد ﷺ اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں کامل ترین اور سب پر فائق ہیں، اور اسی لئے افضل مخلوقات اور اشرفِ کائنات ہیں۔قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنے متقصد کے لحاظ سے کامل یا ناقص سمجھی جاتی ہے۔مثلاً گھوڑا جس متقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے یعنی سواری اور تیز رفتاری، اس کو بڑھیا یا گھٹیا اسی متقصد کے پیانے سے سمجھا جائے گا۔اسی طرح گائے یا بھینس کا جو متقصد ہے یعنی دودھ کا حاصل ہونا اس کی قدر و قیمت دودھ کی کمی یا زیادتی کے حساب سے لگائی جائے گی، وقس علیٰ ھذا۔

انسان کی تخلیق کا متقصد اس کے پیدا کرنے والے نے عبدیت اور عبادت بتایا ہے۔"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ "اس لئے سب سے افضل واشرف انسان وہی ہوگا جو اس متقصد میں سب سے اکمل و فائق ہو۔پس سیدنا حضرت محمد ﷺ چونکہ کمالِ عبدیت میں سب سے فائق ہیں اس لئے آپ افضلِ مخلوقات اور اشرفِ کائنات ہیں، اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں جہاں آپ ﷺ کے بلند ترین خصائص و کمالات اور اللہ تعالیٰ کے آپ ﷺ پر خاص الخاص انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں معزز ترین لقب کے طور پر آپ ﷺ کو عبدہٗ فرمایا گیا ہے۔معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ اسراء میں فرمایا گیا ہے:"سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ "پھر اسی سفر معراج کی آخری منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ النجم میں فرمایا گیا:"فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى "۔اور سب سے بڑی نعمت و دولت قرآن حکیم کی تنزیل کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ فرقان میں ارشاد فرمایا گیا:"تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ "اور سورۃ کہف میں فرمایا گیا:"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بندوں کے مقامات میں سب سے بلند عبدیت کا مقام ہے اور سیّدنا حضرت محمد ﷺ اس مقام کے امام یعنی اس وصفِ خاص میں سب پر فائق ہیں۔اور دُعا چونکہ عبدیت کا جوہر اور خاص مظہر ہے۔اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے وقت (بشرطیکہ حقیقی دُعا ہو) بندے کا ظاہر و باطن عبدیت میں ڈوبا ہوتا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کے احوال و اوصاف میں غالب ترین وصف اور حال دُعا کا ہے، اور امت کو آپ ﷺ کے ذریعہ روحانی دولتوں کے جو عظیم خزانے ملے ہیں ان میں سب سے بیش قیمت خزانہ ان دُعاؤں کا ہے جو مختلف

اوقات میں اللہ تعالیٰ سے خود آپ ﷺ نے کیں یا امت کو ان کی تلقین فرمائی۔

ان میں سے کچھ دُعائیں ہیں جن کا تعلق خاص حالات یا اوقات اور مخصوص مقاصد و حاجات سے ہے، اور زیادہ تر وہ ہیں جن کی نوعیت عمومی ہے۔ ان دُعاؤں کی قدر و قیمت اور افادیت کا ایک عام عملی پہلو تو یہ ہے کہ ان سے دُعا کرنے اور اللہ سے اپنی حاجتیں مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ معلوم ہوتا ہے، اور اس باب میں وہ رہنمائی ملتی ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی، اور ایک دوسرا خاص علمی اور عرفانی پہلو یہ ہے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح پاک کو اللہ تعالیٰ سے کتنی گہری اور ہمہ وقتی وابستگی تھی، اور آپ کے قلب پر اس کا جلال و جمال کس قدر چھایا ہوا تھا، اور اپنی اور ساری کائنات کی بے بسی و لاچاری اور اس مالک الملک کی قدرتِ کاملہ اور ہمہ گیر رحمت و ربوبیت پر آپ کو کس درجہ یقین تھا کہ گویا یہ آپ کیلئے غیب نہیں شہود تھا۔ حدیث کے ذخیرے میں رسول اللہ ﷺ کی جو سیکڑوں دُعائیں محفوظ ہیں ان میں اگر تفکر کیا جائے تو کھلے طور پر محسوس ہوگا کہ ان میں سے ہر دُعا معرفتِ الٰہی کا شاہکار اور آپ ﷺ کے کمال روحانی و خدا آشنائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کے صدقِ تعلق کا مستقل برہان ہے، اور اس لحاظ سے ہر ماثور دُعا بجائے خود آپ ﷺ کا ایک روشن معجزہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

اس عاجز راقم سطور کا دستور ہے کہ جب کبھی پڑھے لکھے اور سمجھ دار غیر مسلموں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا تعارف کرانے کا موقع ملتا ہے تو آپ ﷺ کی کچھ دُعائیں ان کو ضرور سناتا ہوں۔ قریب قریب سو فی صدی تجربہ ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ آپ ﷺ کی دُعاؤں سے متاثر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کے کمالِ خدارسی و خداشناسی میں ان کو شبہ نہیں رہتا۔

اس تمہید کے بعد پہلے چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کی برکتیں بیان فرمائی ہیں یا دُعا کے آداب بتائے ہیں، یا اس کے بارے میں کچھ ہدایتیں دی ہیں۔ ان کے بعد ایک خاص ترتیب کے ساتھ وہ حدیثیں درج کی جائیں گی جن میں وہ دُعائیں مذکور ہیں جو مختلف موقعوں پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیں، یا امت کو جن کی تلقین فرمائی۔

دُعا کا مقام اور اس کی عظمت:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ هُوَالْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ" : حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ دُعا عین عبادت ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ" (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دُعا کرو اور مانگو، میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا، جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کریں گے ان کو ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا) (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ)۔

(تشریح) اصل حدیث صرف اتنی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا؛ "دُعا عین عبادت ہے"۔ غالباً حضور ﷺ کے اس ارشاد کا منشا یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کیلئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اسی طرح کی ایک کوشش دُعا بھی ہے، جو اگر قبول ہوگئی تو بندہ کامیاب ہوگیا اور اس کو کوشش کا پھل مل گیا اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بلکہ دُعا کی ایک مخصوص نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصولِ مقصد کا وسیلہ ہونے کے علاوہ بذاتِ خود عبادت ہے، اور عین عبادت ہے اور اس پہلو سے وہ بندے کا ایک مقدس عمل ہے جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

جو آیت آپ ﷺ نے سند کے طور پر تلاوت فرمائی اس سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا عین عبادت ہے، آگے درج ہونے والی دوسری حدیث میں دُعا کو عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ:
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) عبادت کی حقیقت ہے اللہ کے حضور میں خضوع وتذلل اور اپنی بندگی ومحتاجی کا مظاہرہ، اور دُعا کا جزو وکل اور اول وآخر اور ظاہر و باطن یہی ہے، اس لئے دُعا بلاشبہ عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے یہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دُعا سے زیادہ عزیز نہیں (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)۔

(تشریح) جب یہ معلوم ہو چکا کہ دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے تو یہ بات خود بخود متعین ہوگئی کہ انسانوں کے اعمال واحوال میں دُعا ہی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت اسی میں ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَاسُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِيْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْاَلَ الْعَافِيَةَ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ تم میں سے جس کیلئے دُعا کا دروازہ کھل گیا اس کیلئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اور اللہ کو سوالوں اور دُعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دُعا کریں یعنی کوئی دُعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی واخروی اور ظاہری وباطنی آفات اور بلیات سے سلامتی اور تحفظ۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دُعا مانگتا ہے وہ برملا اس بات کا اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی حفاظت اور کرم کے بغیر وہ زندہ سلامت بھی نہیں رہ سکتا اور کسی چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف سے اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ پس ایسی دُعا اپنی کامل عاجزی وبے بسی اور سراپا محتاجی کا مظاہرہ ہے اور یہی کمال عبدیت ہے اس لئے عافیت کی دُعا اللہ تعالیٰ کو سب دُعاؤں سے زیادہ محبوب ہے۔ دوسری بات حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جس کیلئے دُعا کا دروازہ کھل گیا یعنی جس کو دُعا کی حقیقت نصیب ہوگئی اور اللہ سے مانگنا آ گیا اس کیلئے رحمتِ الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ دُعا دراصل ان دُعائیہ الفاظ کا نام نہیں ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں، ان الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دُعا کا لباس یا قالب کہا جا سکتا ہے، دُعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب اور تڑپ ہے، اور حدیث پاک میں اس کیفیت کے نصیب ہونے کو بابِ دُعا کے کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور جب بندے کو وہ نصیب ہو جائے تو اس کیلئے رحمت کے دروازے کھل ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) دنیا میں کوئی نہیں ہے جو سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہو، ماں باپ تک کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر بچہ ہر وقت مانگے اور سوال کرے تو وہ بھی چڑھ جاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث نے بتایا کہ

اللہ تعالیٰ ایسا رحیم وکریم اور بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے پر اسے پیار آتا ہے۔ اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ اللہ کی نگاہ میں بندے کا سب سے عزیز اور قیمتی عمل دعا اور سوال ہے۔ لک الحمد یا ربّ العالمِیْن وَیَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن.

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَلُو اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُسْئَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے اس کا فضل مانگو (یعنی دعا کرو کہ وہ فضل وکرم فرمائے) کیونکہ اللہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کے بندے اس سے دعا کریں اور مانگیں۔ اور فرمایا کہ: (اللہ تعالیٰ کے کرم سے اُمید رکھتے ہوئے) اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ بلا اور پریشانی کو اپنے کرم سے دور فرمائے گا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے (کیونکہ اس میں عاجزانہ اور سائلانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہے) (رواہ الترمذی)۔

دُعا کی مقبولیت اور نافعیت:

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدُّعَاءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلُ فَعَلَیْکُمْ عِبَادَ اللّٰہِ بِالدُّعَاءِ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دعا کارآمد اور نفع مند ہوتی ہے ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے۔ پس اے خدا کے بندو دعا کا اہتمام کرو (اور امام احمد نے مسند میں اس حدیث کو بجائے عبداللہ بن عمرؓ کے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے) (رواہ الترمذی ورواہ احمد عن معاذ بن جبل)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو بلا اور مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کا صرف خطرہ اور اندیشہ ہے، اس سے حفاظت کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ نفع مند ہوگی۔ اور جو بلا یا مصیبت نازل ہو چکی ہے اس کے دفعیہ کیلئے بھی دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ وہ بھی نافع ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کو دور فرما کر عافیت نصیب فرمائے گا۔

عَنْ سَلْمَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّکُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اَنْ یَّرُدَّ هُمَا صِفْرًا: حضرت سلمان فارسیؓ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ؛ تمہارے پروردگار میں بدرجہ غایت حیا اور کرم کی صفت ہے، جب بندہ اس کے آگے مانگنے کیلئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ ان کو خالی واپس کرے (کچھ نہ کچھ عطا فرمانے کا فیصلہ ضرور فرماتا ہے) (رواہ الترمذی و ابوداؤد)۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يُنْجِيْكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَيَدُرُّلَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ تَدْعُوْنَ اللّٰهَ فِيْ لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ فَاِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ کیا میں تمھیں وہ عمل بتاؤں جو تمھارے دشمنوں سے تمھارا بچاؤ کرے اور تمھیں بھرپور روزی دلائے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دعا کیا کرو رات میں اور دن میں، کیونکہ دعا مومن کا خاص ہتھیار (یعنی اس کی خاص طاقت ہے) (رواہ ابویعلی فی مسندہ)۔

(تشریح) دعا دراصل وہی ہے جو دل کی گہرائی سے اور اس یقین کی بنیاد پر ہو کہ زمین و آسمان کے سارے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں، اور وہ اپنے در کے سائلوں، مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے، اور مجھے جب ہی ملے گا جب وہ عطا فرمائے گا، اس کے در کے سوا میں کہیں سے نہیں پاسکتا۔ اس یقین اور اپنی سخت محتاجی اور کامل بے بسی کے احساس سے بندے کے دل میں جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ دعا کی روح ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی بندہ جب اس اندرونی کیفیت کے ساتھ کسی دشمن کے حملہ سے یا کسی دوسری بلا اور آفت سے بچاؤ کیلئے یا وسعتِ رزق یا اس قسم کی کسی دوسری عام و خاص حاجت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کریم کا عام دستور ہے کہ وہ دعا قبول فرماتا ہے، اس لئے بلاشبہ دعا ان بندوں کا بہت بڑا ہتھیار اور میگزین ہے جن کو ایمان و یقین کی دولت اور دعا کی روح و حقیقت نصیب ہو۔

دُعا سے متعلّق ہدایات:

رسول اللہ ﷺ نے دعا کے بارے کچھ ہدایات بھی دی ہیں، ضروری ہے کہ دعا کرنے والے بندے ان کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُو اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ جب اللہ سے مانگو اور دُعا

کروتو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا اور عطا فرمائے گا، اور جان لو اور یاد رکھو کہ اللہ اس کی دُعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دُعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دُعا کے وقت دل کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اس کی کریمی پر نگاہ رکھتے ہوئے یقین کے ساتھ قبولیت کی امید رکھنی چاہئے، تذبذب اور بے یقینی کے ساتھ جو دُعا ہو گی وہ بے جان اور روح سے خالی ہوگی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلَا یَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ اِرْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ اُرْزُقْنِیْ اِنْ شِئْتَ وَلْیَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ یَفْعَلُ مَایَشَاءُ وَلَا مُکْرِهَ لَهٗ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب تم میں سے کوئی دُعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ "اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھے بخش دے، اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما، اور تو چاہے تو مجھے روزی دے"۔ بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بے شک وہ کرے گا وہ جو چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے (رواہ البخاری)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ عاجزی اور محتاجی اور فقیری اور گدائی کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ اپنے ربّ کریم سے بغیر کسی شک اور تذبذب کے اپنی حاجت مانگے، اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو ایسا کر دے، اس میں استغنا کا شائبہ ہے اور یہ مقامِ عبدیت اور دُعا کے منافی ہے، نیز ایسی دُعا کبھی جاندار دُعا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ اپنی طرف سے اس طرح عرض کرے کہ میرے مولا! میری یہ حاجت تو پوری کر ہی دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے گا وہ اپنے ارادہ اور مشیت سے کرے گا، کوئی ایسا نہیں ہے جو زور ڈال کر اس کی مشیت کے خلاف اس سے کچھ کرا لے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّسْتَجِیْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْیُکْثِرِ الدُّعَاءَ فِی الرَّخَاءِ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو کوئی یہ چاہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول فرمائے، تو اس کو چاہیئے کہ عافیت اور خوش حالی کے زمانہ میں دُعا زیادہ کیا کرے (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) یہ تجربہ اور واقعہ ہے کہ جو لوگ صرف پریشانی اور مصیبت کے وقت ہی خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی وقت ان کے ہاتھ دُعا کیلئے اٹھتے ہیں، ان کا رابطہ اللہ کے ساتھ بہت ضعیف ہوتا ہے، اور خدا کی رحمت پر ان کو وہ اعتماد نہیں ہوتا جس سے دُعا میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو بندے ہر حال میں اللہ سے مانگنے کے عادی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے اور اللہ کے کرم اور اس کی رحمت پر ان کو بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے، اس لئے ان کی دُعا قدرتی طور پر جاندار ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہی ہدایت دی ہے کہ بندوں کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے دنوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دُعا کیا کریں اور مانگا کریں، اس سے ان کو وہ مقام حاصل ہوگا کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے پیش آنے پر جب وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے تو ان کی دُعا خاص طور سے قبول ہوگی۔

دُعا میں عجلت طلبی کی ممانعت:

دُعا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں معروضہ کی پیشی ہے، اور وہ مالکِ کل اور قادرِ مطلق ہے، چاہے تو اسی لمحہ دُعا کرنے والے بندے کو وہ عطا فرمادے جو وہ مانگ رہا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ وہ ظلوم وجہول بندے کی خواہش کی ایسی پابندی کرے۔ بلکہ بسا اوقات خود اس بندے کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ اس کی مانگ جلد پوری نہ ہو۔ لیکن انسان کے خمیر میں جو جلد بازی ہے اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ جو میں مانگ رہا ہوں وہ مجھے فوراً مل جائے، اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ مایوس ہو کر دُعا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ انسان کی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ قبولیتِ دُعا کا مستحق نہیں رہتا، اور گویا اس کی یہ جلد بازی ہی اس کی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسْتَجَابُ لِاَحَدِكُمْ مَالَمْ یُعْجِلْ فَیَقُوْلُ قَدْدَعَوْتُ فَلَمْ یُسْتَجَبْ لِیْ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہاری دعائیں اس وقت تک قابلِ قبول ہوتی ہیں جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے (جلد بازی یہ ہے) کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دُعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی (رواہ البخاری ومسلم)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھو دیتا ہے، اس لئے چاہئے کہ بندہ ہمیشہ اس کے در کا فقیر بنا رہے اور مانگتا رہے، یقین کرے کہ ارحم الراحمین کی رحمت دیر سویر ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی۔ کبھی کبھی بہت سے بندوں کی دُعا جو وہ بڑے اخلاص و اضطرار سے کرتے ہیں اس

لئے بھی جلدی قبول نہیں کی جاتی کہ اس دُعا کا تسلسل ان کیلئے ترقی اور تقرب الی اللہ کا خاص ذریعہ ہوتا ہے، اگر ان کی منشاء کے مطابق ان کی دُعا جلدی قبول کر لی جائے تو اس عظیم نعمت سے وہ محروم رہ جائیں۔

حرام کھانے اور پہننے والے کی دُعا قبول نہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ "یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ وَقَالَ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَى السَّمَاءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى یُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مومن بندوں کو دیا ہے، پیغمبروں کیلئے اس کا ارشاد ہے۔" اے رسولو! تم کھاؤ پاک اور حلال غذا، اور عمل کرو صالح، میں خوب جانتا ہوں تمھارے اعمال" اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ؛ " اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو)"۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا، جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسی حالت میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دُعا کرتا ہے؛ " اے میرے رب، اے میرے پروردگار" اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس بھی حرام ہے اور حرام غذا سے اس کا نشوونما ہوا ہے تو اس آدمی کی دُعا کیسے قبول ہوگی (رواہ مسلم عن ابو ہریرۃ)۔

(تشریح) آج بہت سے دُعا کرنے والوں کے دلوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب دُعا اور اس کی قبولیت برحق ہے اور دُعا کرنے والوں کیلئے اللہ کا وعدہ ہے، "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ: تم دُعا کرو میں قبول کرونگا" تو پھر ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ اس حدیث میں اس کا پورا جواب ہے۔ آج دُعا کرنے والوں میں کتنے ہیں جنکو اطمینان ہے کہ وہ جو کھا رہے ہیں، جو پی رہے ہیں، جو پہن رہے ہیں وہ سب حلال اور

طیب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

وہ دعائیں جن کی ممانعت ہے:

انسان بے صبرا اور جلد گھبرا جانے والا ہے اور اس کا علم بھی بہت محدود اور ناقص ہے اس لئے بعض اوقات وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں بھی کرنے لگتا ہے جو اگر قبول ہو جائیں تو اس میں خود اسی کا خسارہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسی دعاؤں سے منع فرمایا ہے۔

..... عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى اَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى اَمْوَالِكُمْ لَاتُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُسْئَالُ فِيْهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيْبَ لَكُمْ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کبھی اپنے حق میں یا اپنی اولاد اور مال و جائداد کے حق میں بددعا نہ کرو، مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو اور تمہاری وہ دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمالے (جس کے نتیجہ میں خود تم پر یا تمہاری اولاد یا مال و جائداد پر کوئی آفت آجائے) (رواہ مسلم)۔

..... عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهٗ اِنَّهٗ اِذَا مَاتَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ وَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُهٗ اِلَّا خَيْرًا: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ تم میں سے کوئی اپنی موت کی تمنا نہ کرے، نہ جلدی موت آنے کیلئے اللہ سے دُعا کرے، کیونکہ جب موت آجائے گی تو عمل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا (اور اللہ کی رضا و رحمت حاصل کرنے والا کوئی عمل بندہ نہیں کر سکے گا، جو عمل بھی کیا جا سکتا ہے جیتے جی ہی کیا جا سکتا ہے) اور بندہ مومن کی عمر تو اس کیلئے خیر ہی میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ ہے (اس لئے موت کی تمنا اور دُعا کرنا بڑی غلطی ہے) (رواہ مسلم)۔

..... عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَدْعُوْا بِالْمَوْتِ وَلَاتَتَمَنَّوْهُ فَمَنْ كَانَ دَاعِيًا لَابُدَّ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مَاكَانَ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّیْ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ؛ تم لوگ موت کی دُعا اور تمنا نہ کرو، اگر کوئی ایسی دُعا کیلئے مضطر ہی ہو (اور کسی وجہ سے زندگی اس کیلئے دوبھر ہو) تو اللہ کے حضور یوں عرض کرے، اے اللہ؛ جب تک

میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو دنیا سے مجھے اٹھالے (رواہ النسائی)۔

(تشریح) ان حدیثوں میں دراصل موت کی اس دعا اور تمنا سے ممانعت فرمائی گئی ہے جو کسی تکلیف اور پریشانی سے تنگ آ کر زبان پر آ جاتی ہے۔ بعض حدیثوں کے الفاظ میں اس کی صراحت بھی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں " لَايَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهٖ : تم میں سے کوئی کسی پیش آ جانے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے "۔ اس صورت میں موت کی تمنا اور دُعا سے ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ صبر کی صفت کے خلاف ہے، اور دوسری اس سے بھی اہم وجہ یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے اس کیلئے تو بہ استغفار کے ذریعہ اپنے کو پاک صاف کرنے کا اور حسنات و طاعات کے ذریعہ اپنے ذخیرہ آخرت میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کا مزید تقرب حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ پس موت کی دُعا اس کھلے دروازے کو بند کرنے کی دُعا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس میں بندہ کیلئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ البتہ اللہ کے خاص مقرب بندے جب ان کا وقت موعود قریب آتا ہے تو لقاءِ الٰہی کے غلبہ شوق کی وجہ سے کبھی کبھی ان سے موت کی تمنا اور دُعا کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا: " فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ: اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مولا ہے، دنیا اور آخرت میں، مجھے اٹھالے اس حالت میں کہ تیرا فرمانبردار بندہ ہوں، اور مجھے ساتھ کر دے اپنے اچھے نیک بندوں کے " اور آخری وقت میں رسول اللہ ﷺ کی دُعا: " اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى : اے اللہ میں رفیقِ اعلیٰ کا طالب و سائل ہوں " اسی قبیل سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

دُعا کے چند آداب

دوسرے سے پہلے اپنے لئے دُعا:

دُعا کا ایک ادب یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کیلئے دُعا کرنی ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگے اس کے بعد دوسرے کیلئے۔ اگر صرف دوسرے کیلئے مانگے گا تو اسکی حیثیت محتاج سائل کی نہ ہوگی، بلکہ صرف " سفارشی " کی سی ہوگی، اور یہ بات دربارِ الٰہی کے کسی منگتا کیلئے مناسب نہیں ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی دستور تھا کہ جب آپ ﷺ کسی دوسرے کیلئے دعا فرمانا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے۔ عبدیت کاملہ کا تقاضہ یہی تھا۔

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ اَحَدًا

فَدَعَا لَهٗ بَدَأَ بِنَفْسِهٖ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو یاد فرماتے اور اس کیلئے دُعا کرنا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے، پھر اس شخص کیلئے دُعا فرماتے (رواہ الترمذی)۔

ہاتھ اٹھا کے دُعا کرنا:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ سَلُو اللّٰهَ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْأَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَافَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْابِهَا وُجُوْهَكُمْ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے اس طرح ہاتھ اٹھا کے مانگا کرو کہ ہتھیلیوں کا رخ سامنے ہو ہاتھ الٹے کرکے نہ مانگا کرو، اور جب دُعا کر چکو تو اٹھے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیر لو (رواہ ابوداؤد)۔

(تشریح) دوسری بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آنے والی اور نازل ہونے والی کسی بلا کو رکوانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے تو ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی تھی، اور جب دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگتے تھے تو سیدھے ہاتھ پھیلا کے مانگتے تھے جس طرح کسی سائل اور منگتا کو ہاتھ پسار کے اور پھیلا کے مانگنا چاہئے۔ اس کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جب اللہ سے اپنی حاجت مانگی جائے تو اس کے سامنے فقیروں کی طرح ہاتھ سیدھے پھیلا کے مانگی جائے، اور آخر میں وہ پھیلے ہوئے ہاتھ منہ پر پھیر لئے جائیں اس تصور کے ساتھ کہ یہ پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں رہے ہیں، رب کریم کی رحمت و برکت کا کوئی حصہ ان کو ضرور ملا ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِيَدَيْهِ: حضرت سائب بن یزید تابعیؒ اپنے والد یزید بن سعید بن ثمامہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کے دُعا مانگتے تو آخر میں اپنے ہاتھ چہرہ مبارک پر پھیر لیتے تھے (رواہ ابوداؤد والبیہقی)۔

(تشریح) دُعا میں ہاتھ اٹھانا اور آخر میں ہاتھ منہ پر پھیرنا رسول اللہ ﷺ سے قریب قریب بتواتر ثابت ہے۔ جن لوگوں نے اس سے انکار کیا ہے ان کو حضرت انسؓ کی ایک روایت سے صرف غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں قریباً تیس (۳۰) حدیثیں اس کے متعلق یکجا کر دی ہیں، اور تفصیل سے ان حضرات کی غلط فہمی کی حقیقت واضح کی ہے۔

دُعا سے پہلے حمد و صلوٰۃ:

عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً يَدْعُوْ فِيْ صَلٰوتِهٖ لَمْ يَحْمِدِ اللّٰهَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِّلَ هٰذَا ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اَوْ لِغَيْرِهٖ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَءْ بِتَحْمِيْدِ رَبِّهٖ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدُ بِمَا شَاءَ: حضرت فضالہ بن عبیدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا اس نے نماز میں دُعا کی، جس میں نہ اللہ کی حمد کی نہ نبی ﷺ پر درود بھیجا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اس آدمی نے دُعا میں جلد بازی کی۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس سے یا اس کی موجودگی میں دوسرے آدمی کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو (دُعا کرنے سے پہلے) اس کو چاہئے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے، پھر اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد جو چاہے اللہ سے مانگے (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی)۔

دُعا کے آخر میں آمین:

عَنْ اَبِيْ زُهَيْرٍ النُّمَيْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِي الْمَسْئَلَةِ فَوَقَفَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ مِنْهُ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بِاَيِّ يَخْتِمُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِاٰمِيْنَ، فَاِنَّهٗ اِنْ خَتَمَ بِاٰمِيْنَ فَقَدْ اَوْجَبَ: ابوزہیر نمیریؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے۔ ہمارا گذر اللہ کے ایک بندے پر ہوا جو بڑے الحاح سے اللہ سے مانگ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر اس کی دعا اور اللہ کے حضور میں اس کا مانگنا، گڑگڑانا سننے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ: اگر اس نے دُعا کا خاتمہ صحیح کیا اور مہر ٹھیک لگائی، تو جو اس نے مانگا ہے اس کا اس نے فیصلہ کرالیا۔ ہم میں سے ایک نے پوچھا کہ، حضور ﷺ صحیح خاتمہ کا اور مہر لگانے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آخر میں آمین کہہ کے دُعا ختم کرے (تو اگر

اس نے ایسا کیا تو بس اللہ سے طے کرالیا) (رواہ ابوداؤد)۔

(تشریح) ختم کے معنی ختم کرنے کے بھی ہیں اور مُہر لگانے کے بھی ہیں، بلکہ یہ دونوں دراصل ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں، اس لئے ترجمہ میں دونوں ہی لفظوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ حدیث کا اصل سبق یہ ہے کہ ہر دُعا کے خاتمہ پر بندے کو امین کہنا چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میری یہ دُعا قبول فرما۔ اسی پر ہر دُعا کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ اس کی حکمت عنقریب ہی پہلے لکھی جاچکی ہے۔

اپنے چھوٹوں سے بھی دُعا کی درخواست:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ اِسْتَاذَنْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْعُمْرَةِ فَاذِنَ وَقَالَ اَشْرِکْنَا یَااُخَیَّ فِیْ دُعَائِکَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ کَلِمَةً مَا یَسُرُّنِیْ اَنَّ لِیْ بِهَا الدُّنْیَا: حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ میں نے عُمرہ کرنے کیلئے مکہ معظمہ جانے کی رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت عطا فرمادی، اور ارشاد فرمایا: بھیّا ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شامل کرنا اور ہم کو بھول نہ جانا؟ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھیّا کا جو کلمہ کہا، اگر مجھے اس کے عوض ساری دنیا دے دی جائے تو میں راضی نہ ہوں گا (رواہ ابوداؤد والترمذی)۔

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دُعا ایسی چیز ہے جس کی استدعا بڑوں کو بھی اپنے چھوٹوں سے کرنی چاہئے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ وہ کسی ایسے مقبول عمل کیلئے یا ایسے مقدس مقام کو جارہا ہو جہاں قبولیت کی خاص امید ہو۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو "اُخیّ" کے لفظ سے خطاب فرمایا جو "اَخی" کی تصغیر ہے، اور جس کا لفظی ترجمہ "بھیّا" ہے۔ اس سے حضرت عمرؓ کو جتنی خوشی ہوئی (جس کا انھوں نے اظہار بھی فرمایا ہے) وہ بالکل برحق ہے۔ اسی کے ساتھ اس حدیث سے حضرت عمرؓ کے مقام کی رفعت اور بارگاہِ الٰہی میں ان کی مقبولیت کی جو شہادت ملتی ہے، وہ بجائے خود بہت بڑی سند ہے۔

وہ دعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں:

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِیْهِ بِظَهْرِ الْغَیْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَأْسِهٖ مَلَکٌ مُوَکَّلٌ کُلَّمَا

دَعَا لِاَخِيْهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ اٰمِيْنَ وَلَكَ بِمِثْلٍ: حضرت ابو الدرداؒء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کی اپنے بھائی کیلئے غائبانہ دُعا قبول ہوتی ہے اس کے پاس ایک فرشتہ ہے جس کی یہ ڈیوٹی ہے کہ جب وہ اپنے کسی بھائی کیلئے (غائبانہ) کوئی اچھی دُعا کرے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تیری یہ دُعا اللہ قبول کرے اور تیرے لئے بھی اسی طرح کا خیر عطا فرمائے (رواہ مسلم)۔

(تشریح) غائبانہ دُعا کی جس خصوصی قبولیت اور برکت کا اس حدیث میں ذکر ہے اس کی خاص وجہ بظاہر یہ ہے کہ ایسی دُعا میں اخلاص زیادہ ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثُ دَعْوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَاشَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین دعائیں جو خاص طور سے قبول ہوتی ہیں۔ان کی قبولیت میں شک نہیں ہے۔ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دُعا، دوسرے مسافر اور پردیسی کی دُعا، تیسرے مظلوم کی دُعا (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)۔

(تشریح) ان دعاؤں کی مقبولیت کا خاص راز بھی یہی ہے کہ یہ دعائیں اخلاص سے اور دل سے ہوتی ہیں۔اولاد کیلئے ماں باپ کا خلوص تو ظاہر ہے۔اسی طرح بیچارے پردیسی اور مظلوم کا دل شکستہ ہوتا ہے، اور دل کی شکستگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچنے کی خاص طاقت ہے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسُ دَعْوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدُرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يُفْقَدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعْوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ آدمیوں کی دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں۔مظلوم کی دُعا جب تک وہ بدلہ نہ لیوے، اور حج کرنے والے کی دُعا جب تک وہ لوٹ کے اپنے گھر واپس نہ آئے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی دُعا جب تک وہ شہید ہو کے دنیا سے لاپتہ نہ ہو جائے، اور بیمار کی

دُعا جب تک وہ شفایاب نہ ہو اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کیلئے غائبانہ دُعا، یہ سب بیان فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا کسی بھائی کیلئے غائبانہ دُعا ہے (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)۔

(تشریح) دُعا اگر حقیقۃً دُعا ہو اور خود دُعا کرنے والے کی ذات اور اس کے اعمال میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو قبولیت میں مانع ہوتی ہے تو دُعا عموماً قبول ہوتی ہے لیکن بندہ مومن کے بعض خاص احوال یا اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے رحمتِ الٰہی خصوصیت سے متوجہ ہوتی ہے اور دُعا کی قبولیت کا خصوصی استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جن پانچ آدمیوں کی دعاؤں کا ذکر ہے ان میں سے مظلوم کی دُعا اور غائبانہ دُعا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور حج اور جہاد ایسے اعمال ہیں کہ جب تک بندہ ان میں مشغول ہو وہ گویا اللہ کی بارگاہ میں ہے اور اس سے قریب تر ہے۔ اسی طرح مردِ مومن کی بیماری گناہوں سے اس کی تطہیر کا ذریعہ اور قربِ الٰہی کی راہ میں اس کی غیر معمولی ترقی کا وسیلہ ہوتی ہے، اور بیماری کے بستر پر وہ ولایت کی منزلیں طے کرتا ہے اس لئے اس کی دُعا بھی خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔

قبولیت دُعا کے خاص احوال و اوقات:

دُعا کی قبولیت میں بنیادی دخل تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دُعا کرنے والے کے تعلق اور اس اندرونی کیفیت کو ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" اور "ابتہال" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خاص احوال اور اوقات بھی ایسے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی خاص طور سے امید کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے ان احوال و اوقات کی خاص طور سے نشاندہی فرمائی ہے۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فَرِيْضَةً فَلَهٗ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَلَهٗ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ فرض نماز پڑھے (اور اس کے بعد دل سے دُعا کرے) تو اس کی دُعا قبول ہوگی، اسی طرح جو آدمی قرآن مجید ختم کرے (اور دُعا کرے) تو اس کی دُعا بھی قبول ہوگی (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

(تشریح) نماز اور خاص کر فرض نماز میں اور قرآن پاک کی تلاوت کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے، بشرطیکہ نماز اور تلاوت کی صرف صورت نہ ہو بلکہ حقیقت ہو۔ گویا یہ دونوں عمل بندہ مومن کی معراج ہیں۔ پس ان دونوں کے ختم پر بندہ اللہ سے جو دُعا کرے وہ اس کی مستحق ہے کہ رحمتِ الٰہی خود

آگے بڑھ کے اس کا استقبال کرے۔

..... عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اذان اور اقامت کے درمیان دُعا ردّ نہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے (رواہ الترمذی وابوداؤد)۔

..... عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُفْتَحُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ فِیْ اَرْبَعَةِ مَوَاطِنَ عِنْدَ الْتِقَاءِ الصُّفُوْفِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعِنْدَ نُزُوْلِ الْغَيْثِ وَعِنْدَ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ وَعِنْدَ رُؤْيَةِ الْكَعْبَةِ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ چار موقعے ہیں جن میں دُعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے۔(۱) راہ خدا میں جنگ کے وقت، (۲) اور جس وقت آسمان سے بارش ہو رہی ہو (اور رحمت کا سماں ہو) (۳) اور نماز کے وقت، (۴) اور کعبۃ اللہ نظر کے سامنے ہو (رواہ الطبرانی فی لکبیر)۔

..... عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةُ مَوَاطِنَ لَا تُرَدُّ فِيْهَا دَعْوَةُ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِیْ بَرِيَّةٍ حَيْثُ لَا يَرَاهُ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ فَيَقُوْمُ وَيُصَلِّیْ وَرَجُلٌ يَكُوْنُ مَعَهٗ فِئَةٌ فَيَفِرُّ عَنْهُ اَصْحَابُهٗ فَيَثْبُتُ وَرَجُلٌ يَقُوْمُ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ: حضرت ربیعہ بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ تین موقعے ایسے ہیں کہ ان میں دُعا کی جائے تو وہ ردّ نہیں ہوگی (بلکہ لازماً قبول ہی ہوگی)، ایک یہ کہ کوئی آدمی ایسے جنگل بیابان میں ہو جہاں خدا کے سوا کوئی اسے دیکھنے والا نہ ہو وہاں وہ خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے (اور پھر دُعا کرے)۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص میدانِ جہاد میں (دشمن کی فوج کے سامنے) ہو، اس کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں، مگر وہ (دشمنوں کے نرغہ میں) ثابت قدم رہا ہو (اور اس حال میں دُعا کرے) ۔تیسرے وہ آدمی جو رات کے آخری حصہ میں (بستر چھوڑ کے) اللہ کے حضور میں کھڑا ہو (اور پھر دُعا کرے، تو ان بندوں کی یہ دعائیں ضرور قبول ہوں گی) (رواہ ابن مندۃ فی مسندہ)۔

..... عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی اللَّيْلِ لَسَاعَةً

لَایُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ یَسْأَلُ اللّٰهَ فِیْهَا خَیْرًا مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ وَذَالِکَ کُلَّ لَیْلَةٍ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ: رات میں ایک خاص وقت ہے جو مومن بندہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرمادے گا۔ اور اس میں کسی خاص رات کی خصوصیت نہیں بلکہ اللہ کا یہ کرم ہر رات میں ہوتا ہے (رواہ مسلم)۔

(تشریح) حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث (معارف الحدیث کی جلد سوم میں) تہجد کے بیان میں صحیحین کے حوالہ سے ذکر کی جاچکی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سماء دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور خود ان کی طرف سے پکار ہوتی ہے کہ کوئی ہے مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے بخشش چاہنے والا کہ میں اس کی بخشش کا فیصلہ کروں، کوئی ہے مجھ سے دُعا کرنے والا کہ میں اس کی دُعا قبول کروں۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ متعین ہوجاتا ہے کہ حضرت جابرؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں ہر رات میں قبولیت دُعا کے جس خاص وقت کا ذکر کیا گیا ہے وہ رات کا آخری حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔ مندرجہ بالا حدیثوں سے دُعا کی قبولیت کے جو خاص احوال و اوقات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

فرض نمازوں کے بعد، ختم قرآن کے بعد، اذان اور اقامت کے درمیان، میدانِ جہاد میں جنگ کے وقت، بارانِ رحمت کے نزول کے وقت، جس وقت کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہو، ایسے جنگل بیابان میں نماز پڑھے کہ جہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو، میدانِ جہاد میں جب کمزور ساتھیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہو، اور رات کے آخری حصے میں۔

وہ حدیثیں اپنے موقع پر پہلے ذکر کی جاچکی ہیں جن میں شبِ قدر میں اور عرفہ کے دن، میدانِ عرفات میں اور جمعہ کی خاص ساعت میں اور روزہ کے افطار کے وقت، اور سفرِ حج اور سفرِ جہاد میں اور بیماری اور مسافری کے حالت میں دعاؤں کی قبولیت کی خاص توقع دلائی گئی ہے۔

لیکن یہ بات برابر ملحوظ رہنی چاہئے کہ دُعا کا مطلب، دُعا کے الفاظ اور صرف اسکی صورت نہیں ہے بلکہ اس کی وہ حقیقت ہے جو پہلے ذکر کی جاچکی ہے، پودا اسی دانے سے اُگتا ہے جس میں مغز ہو، اسی طرح آگے درج ہونے والی احادیث سے دُعا کی قبولیت کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہئے۔

دُعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی صورتیں:

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیتِ دُعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے، اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دُعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے، بندے کا علم بیحد ناقص ہے، بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم وجہول ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کیلئے دولتمندی نعمت ہے، اور بہت سے ہیں جن کیلئے دولت فتنہ ہے، بہت سے بندے ہیں جن کیلئے حکومت اور اقتدار قربِ خداوندی کا وسیلہ ہے۔ اور حجاج اور ابن زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کیلئے حکومتی اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے۔ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ اور زہر ہے، اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کیلئے بہتر نہیں ہوتی، یا اس کا عطا کرنا حکمتِ الٰہی کیخلاف ہوتا ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرمادے۔ دوسری طرف اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور دُعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دُعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا کبھی تو اس کو وہی عطا فرمادیتا ہے، جو دُعا میں اس نے مانگا اور کبھی اس کی دُعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرمادیتا ہے، اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کیلئے ذخیرہ آخرت بن جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے۔ بہرحال دُعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دُعا رائگاں نہیں جاتی اور دُعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَیْسَ فِیْهَا اِثْمٌ وَلَا قَطِیْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰی ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ یُعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَاِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ یَّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا قَالُوْا اِذًا نُکْثِرُ قَالَ اللّٰهُ اَکْثَرُ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مومن بندہ کوئی دُعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے۔ یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرمادیا جاتا ہے، یا اس کی

دُعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے، یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دُعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: جب بات یہ ہے (کہ ہر دُعا قبول ہوتی ہے اور اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے (رواہ احمد)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خزانہ لا انتہا اور غیر فانی ہے۔ اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ ہر ایک کیلئے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ، اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی ان دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائینگے تو بندے کی زبان سے نکلے گا؛

يَا لَيْتَهُ لَمْ يُعَجِّلْ لَهُ شَيْءٌ مِنْ دُعَائِهِ: اے کاش، میری کوئی بھی دُعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی، اور ہر دُعا کا پھل مجھے یہیں ملتا (کنز العمال، جلد۲، ص۵۷) (معارف الحدیث، جلد۵، ص۱۱۴ تا ۱۴۳)۔

استغفار کے فضائل

توبہ استغفار کے متعلق بندہ کی کتاب جواھر الاسلام کے کتاب الاخلاق کے باب توبہ میں مفصل بیان آچکا ہے اور یہاں اس کے فضائل بھی معارف الحدیث جلد پنجم سے نقل کر رہا ہوں ان کو پڑھ لیجئے۔ حضرت مولانا منظور نعمانیؒ توبہ واستغفار کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

دعا ہی کی ایک خاص قسم استغفار ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش مانگنا اور توبہ گویا اس کے لوازم میں سے ہے، بلکہ یہ دونوں ہی آپس میں لازم و ملزوم ہیں، توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو گناہ اور نافرمانی یا ناپسندیدہ عمل بندے سے سرزد ہو جائے اس کے برے انجام کے خوف کے ساتھ اس پر اسے دلی رنج و ندامت ہو، اور آئندہ کیلئے اس سے بچے رہنے اور دور رہنے کا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی رضا جوئی کا وہ عزم اور فیصلہ کرے۔

ظاہر ہے کہ جب یہ توبہ والی کیفیت نصیب ہوگی تو جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں بندہ اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی اور بخشش کی استدعا بھی ضرور کرے گا، تا کہ ان کی سزا اور برے انجام سے بچ سکے۔ اور اسی طرح جب سزا

اور عذاب کے خوف سے معافی اور بخشش مانگے گا تو اس کو گناہ پر رنج و افسوس اور آئندہ کیلئے اس کے پاس نہ جانے کا عزم بھی ضرور ہوگا۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ فی الحقیقت یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

توبہ و استغفار کی حقیقت اس مثال سے اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ کوئی آدمی مثلاً غصہ کی حالت میں خودکشی کے ارادہ سے زہر کھالے، اور جب وہ زہر اندر پہونچ کر اپنا عمل شروع کرے اور آنتیں کٹنے لگیں، اور وہ نا قابل برداشت تکلیف اور بے چینی ہونے لگے جو زہر کے نتیجہ میں ہوتی ہے، اور موت سامنے کھڑی نظر آئے تو اس کو اپنی اس احمقانہ حرکت پر رنج و افسوس ہو، اور اسوقت وہ چاہے کہ کسی بھی قیمت پر اس کی جان بچ جائے، اور جو دوا حکیم یا ڈاکٹر اسے بتائیں وہ اسے استعمال کرے، اور اگر قے کرنے کیلئے کہیں تو قے لانے کیلئے بھی ہر تدبیر اختیار کرے۔ یقیناً اس وقت وہ پوری صدق دلی کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کرے گا کہ اگر میں زندہ بچ گیا تو آئندہ کبھی ایسی حماقت نہیں کروں گا۔

بالکل اسی طرح سمجھنا چاہے کہ کبھی کبھی صاحبِ ایمان بندہ غفلت کی حالت میں اغواء شیطانی یا خود اپنے نفسِ امارہ کے تقاضے سے گناہ کر بیٹھتا ہے، لیکن جب اللہ کی توفیق سے اس کا ایمانی حاسہ بیدار ہوتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے اپنے مالک و مولیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے کو ہلاک کر ڈالا، اور اللہ کی رحمت و عنایت اور اس کی رضا کے بجائے میں اس کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوگیا، اور اگر میں اس حالت میں مر گیا تو قبر میں اور اس کے بعد حشر میں مجھ پر کیا گذرے گی اور وہاں اپنے مالک کو کیا منھ دکھاؤں گا اور آخرت کا عذاب کیسے برداشت کر سکوں گا۔ الغرض جب توفیق الٰہی سے اس کے اندر یہ فکر و احساس پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ یقین و عقیدہ رکھتے ہوئے کہ میرا مالک و مولیٰ بڑا رحیم و کریم ہے، معافی مانگنے پر بڑے سے بڑے گناہوں قصوروں کو وہ بڑی خوشی سے معاف فرما دیتا ہے، وہ اس سے معافی اور بخشش کی استدعا کرتا ہے اور اسی کو گناہ کے زہر کا علاج سمجھتا ہے۔

نیز اس کے ساتھ وہ آئندہ کیلئے فیصلہ کرتا ہے کہ اب کبھی اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کروں گا اور کبھی اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ بس بندے کے اسی عمل کا نام استغفار اور توبہ ہے۔

توبہ و استغفار بلند ترین مقام:

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مقبولین و مقربین کے مقامات میں سب سے بلند مقام عبدیت اور بندگی کا ہے، اور دعا چونکہ عبدیت اور بندگی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے، بلکہ ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق وہی "مُخُّ الْعِبَادَة" (یعنی بندگی اور عبادت کا مغز اور جوہر ہے) اس لئے انسانی اعمال و احوال میں سب سے اکرم و اشرف دعا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اپنے موقع پر درج ہو چکا ہے؛ لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ

اَلدُّعَاءِ (اللہ کے یہاں کوئی چیز دعا سے زیادہ عزیز اور قیمتی نہیں ہے)۔

اور استغفار و توبہ کے وقت بندہ چونکہ اپنی گنہگاری اور تقصیر کے احساس کی وجہ سے انتہائی ندامت اور احساسِ پستی کی حالت میں ہوتا ہے، اور گناہ کی گندگی کی وجہ سے مالک کو منھ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتا، اور اپنے کو مجرم اور خطاوار سمجھ کر معافی اور بخشش مانگتا اور آئندہ کیلئے توبہ کرتا ہے، اس لئے بندگی اور تذلل اور گنہگاری و قصورواری کے احساس کی جو کیفیت استغفار و توبہ کے وقت میں ہوتی ہے وہ کسی دوسری دعا کے وقت نہیں ہوتی، بلکہ نہیں ہوسکتی۔ اس بناپر استغفار و توبہ دراصل اعلیٰ درجہ کی عبادت اور قربِ الٰہی کے مقامات میں بلندترین مقام ہے، اور توبہ و استغفار کرنے والے بندوں کیلئے صرف معافی اور بخشش ہی کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و محبت اور اس کے پیار کی بشارت سنائی گئی ہے۔

وہ حدیثیں آگے آئیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ ہروقت توبہ و استغفار کرتے تھے۔ اوپر کی سطروں میں توبہ و استغفار کی متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے اس کثرتِ استغفار کی وجہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔

دراصل یہ خیال بہت ہی عامیانہ اور غلط ہے کہ استغفار و توبہ عاصیوں اور گنہگاروں ہی کا کام ہے، اور انہی کو اس کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے خاص مقرب بندے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام جو گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق بالکل ادا نہ ہوسکا، اس لئے وہ برابر توبہ استغفار کرتے ہیں، اور اپنے عمل کو حتیٰ کہ اپنی نمازوں کو قابل استغفار سمجھتے ہیں۔

اس سلسلہ کی تیسری جلد "کتاب الصلوٰۃ" میں حضرت ثوبانؓ کی حدیث گذرچکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ کہتے تھے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰه، اَسْتَغْفِرُ اللّٰه، اَسْتَغْفِرُ اللّٰه (یعنی اے اللہ میں تجھ سے بخشش و معافی چاہتا ہوں) نماز کے بعد آپ کا یہ استغفار اسی بنیاد پر ہوتا تھا کہ آپ محسوس کرتے تھے کہ نماز کا حق ادا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

بہرحال توبہ و استغفار عاصیوں اور گنہگاروں کیلئے مغفرت و رحمت کا ذریعہ اور مقربین و معصومین کیلئے درجاتِ قرب و محبوبیت میں بے انتہا ترقی کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم و یقین اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ اس تمہید کے بعد استغفار و توبہ سے متعلق احادیث پڑھئے۔ اور سب سے پہلے وہ احادیث پڑھئے جن میں توبہ و استغفار کے باب میں خود رسول اللہ ﷺ کا معمول ذکر کیا گیا ہے۔

توبہ و استغفار کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ حسنہ:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛"خدا کی قسم میں دن میں ستر (۷۰) دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ اور استغفار کرتا ہوں" (رواہ البخاری)۔

(تشریح) اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور جلال وجبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور واحساس ہوگا وہ اسی درجہ میں اپنے آپ کو اداءِ حقوقِ عبودیت میں قصوروار سمجھے گا، اور رسول اللہ ﷺ کو چونکہ یہ چیز بدرجہ کمال حاصل تھی اس لئے آپ پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت کا حق ادا نہ ہوسکا، اسی واسطے آپ بار بار اور مسلسل توبہ واستغفار فرماتے تھے۔ اور اس کا اظہار فرماکر دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

عَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ: حضرت اغرمزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ لوگو! اللہ کے حضور میں توبہ کرو، میں خود دن میں سو سو دفعہ اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں (رواہ مسلم)۔

(تشریح) پہلی حدیث میں "اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً" (ستر دفعہ سے زیادہ) اور اس حدیث میں "مِائَةَ مَرَّةٍ" (سو دفعہ) دراصل صرف کثرت کے بیان کیلئے ہیں اور قدیم عربی زبان کا یہ عام محاورہ ہے، ورنہ حضور ﷺ کے استغفار وتوبہ کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ اِنَّا کُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَجْلِسِ یَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِیْ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک نشست میں شمار کر لیتے تھے کہ آپ سو سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے "رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ" (اے میرے رب مجھے معاف کردے بخش دے اور میری توبہ قبول فرماکر مجھ پر عنایت فرما بے شک تو بہت عنایت فرما اور بہت بخشنے والا ہے) (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)۔

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطور وردِ وظیفہ

کے استغفار و توبہ کا یہ کلمہ ایک نشست میں سو دفعہ پڑھتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہم لوگ بھی حاضر رہتے، بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور آپ اسی درمیان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر ان کلمات کے ساتھ استغفار و توبہ بھی کرتے رہتے۔ اور ہم اپنے طور پر اس کو شمار کرتے رہتے تو معلوم ہوتا کہ ایک نشست میں آپ نے سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کیا۔ واللہ اعلم۔

گناہوں کی سیاہی اور توبہ واستغفار سے اس کا ازالہ:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِیْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوْا قَلْبَهٗ فَذَالِكُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَكَرَاللّٰهُ تَعَالیٰ "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلیٰ قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی التجاء و استدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہوکر قلب صاف ہوجاتا ہے، اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ و استغفار کے بجائے مزید گناہ کئے اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ قلب پر چھاجاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ؛ یہی وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے، "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلیٰ قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)۔

(تشریح) قرآن مجید میں ایک موقع پر بد انجام کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلیٰ قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی بدکرداریوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ اور سیاہی آ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے صرف کافروں ہی کے دل سیاہ نہیں ہوتے بلکہ مسلمان بھی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں بھی گناہ کی نحوست سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر وہ سچے دل سے توبہ و استغفار کرلے تو یہ سیاہی اور ظلمت ختم ہوجاتی ہے اور دل حسب سابق صاف اور نورانی ہوجاتا ہے، لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ و استغفار نہ کرے بلکہ معصیت و نافرمانی ہی کے راستہ پر آگے بڑھتا رہے تو پھر یہ ظلمت برابر بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پورے دل پر چھاجاتی ہے، اور کسی مسلمان کیلئے بلاشبہ یہ انتہائی بدبختی کی بات ہے کہ گناہوں کی ظلمت

اس کے دل پر چھا جائے، اوراس کے قلب میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو جائے۔اعاذنا اللہ منہ۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِىْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آدمی خطا کار ہے (کوئی نہیں ہے جس سے کبھی کوئی خطا اور لغزش نہ ہو) اور خطا کاروں میں وہ بہت اچھے ہیں جو (خطا وقصور کے بعد) مخلصانہ توبہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خطا اور لغزش تو گویا آدمی کی سرشت میں ہے۔آدم کا کوئی فرزند اس سے مستثنیٰ نہیں۔لیکن وہ بندے بڑے اچھے اور خوش نصیب ہیں جو خطا وقصور اور گناہ کے بعد نادم ہو کر اپنے مالک کی طرف رجوع ہوں، اور توبہ استغفار کے ذریعہ اس کی رضا ورحمت حاصل کریں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَاذَنْبَ لَهٗ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہ سے توبہ کر لینے والا گنہگار بندہ بالکل اس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ سچی توبہ کے بعد گناہ کا کوئی اثر اور داغ دھبہ باقی نہیں رہتا، اور بعض روایات میں ہے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا بے گناہ ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بے گناہ تھا(كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ)۔اور وہ احادیث انشاء اللہ آگے درج ہوں گی جن سے معلوم ہوگا کہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہو جائیں، اور معصیات کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھبے مٹا دیئے جائیں، بلکہ تائب بندہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے، اوراس کی توبہ سے اس کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ التَّوَّابِيْنَ۔

مرنے والوں کیلئے بہترین تحفہ استغفار:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَيِّتُ فِى الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: قبر میں مدفون مردے کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور مدد کیلئے چیخ پکار رہا ہو۔ وہ بے چارہ انتظار کرتا ہے کہ ماں یا باپ یا بھائی یا کسی دوست آشنا کی طرف سے دعائے رحمت و مغفرت کا تحفہ پہنچے، جب کسی طرف سے اس کو دعا کا تحفہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتا ہے۔ اور دنیا میں رہنے بسنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے قبر کے مردوں کو اتنا عظیم ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جاسکتی ہے۔ اور مردوں کیلئے زندوں کا خاص ہدیہ ان کیلئے دعائے مغفرت ہے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَیَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ اَنّٰی لِیْ هٰذِهٖ؟ فَیَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِکَ لَکَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں کسی مرد صالح کا درجہ ایک دم بلند کردیا جاتا ہے، تو وہ جنتی بندہ پوچھتا ہے کہ اے پروردگار! میرے درجہ اور مرتبہ میں یہ ترقی کس وجہ سے اور کہاں سے ہوئی؟ جواب ملتا ہے کہ تیرے واسطے تیری فلاں اولاد کے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے (رواہ احمد)۔

(تشریح) اس حدیث میں اولاد کی دعا سے درجہ میں ترقی کا ذکر صرف تمثیلاً کیا گیا ہے، ورنہ دوسرے اہلِ ایمان کی دعائیں بھی اسی طرح نفع مند ہوتی ہیں۔ زندگی میں جس طرح سب سے بڑا حق اولاد پر والدین کا ہے اور ان کی خدمت و اطاعت فرائض میں سے ہے، اسی طرح مرنے کے بعد اولاد پر والدین کا خاص حق ہے کہ ان کیلئے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہیں۔ مرنے کے بعد ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا یہی خاص راستہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی دونوں حدیثوں کا مقصد صرف ایک حقیقت کی اطلاع دینا ہی نہیں ہے، بلکہ ایک بلیغ انداز میں اولاد اور دوسرے اقارب و متعلقین کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مرنے والوں کیلئے مغفرت و رحمت کی دعائیں کرتے رہیں۔ ان کے یہ تحفے قبروں میں، اور جنت تک مرحومین کو پہونچتے رہیں گے۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے بعض بندوں کو اس کا مشاہدہ بھی کرادیتا ہے کہ کسی کی

دعاؤں سے کسی بندے کو اس عالم میں کیا ملا۔ اور اس کے حال اور درجہ میں کیسی ترقی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

عام مؤمنین کیلئے استغفار:

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے لئے اور عام مؤمنین و مؤمنات کیلئے استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی استدعا کیا کریں (وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) یہی حکم ہم امتیوں کیلئے بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی ترغیب دی اور بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھیئے:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةٌ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کیلئے ہر مومن مرد و عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

(تشریح) کسی صاحب ایمان بندے یا بندی کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا، ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بہت بڑا احسان اور اس کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس لئے جب کسی بندے نے عام اہلِ ایمان (مومنین و مومنات) کیلئے استغفار کیا اور ان کیلئے اللہ سے بخشش کی دعا کی، تو فی الحقیقت اس نے اولین و آخرین، زندہ اور مردہ سب ہی اہلِ ایمان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیکی کی، اس لئے ہر ایک کے حساب میں اس کی یہ نیکی لکھی جائے گی۔ سبحان اللہ ہمارے لئے لاتعداد نیکیوں کے کمانے کا کیسا راستہ کھولا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ جمیع مومنین و مومنات کیلئے دعائے مغفرت کے بہترین الفاظ وہ ہیں جو قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ: اے ہمارے رب مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو بخش دے، اور تمام ہی ایمان والوں کی مغفرت فرمادے قیامت کے دن۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعًا وَّ عِشْرِيْنَ مَرَّةً كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ يُسْتَجَابُ لَهُمْ وَيُرْزَقُ بِهِمْ اَهْلُ الْاَرْضِ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا؛ جو بندہ عام مومنین و مومنات کیلئے ہر روز (۲۷ دفعہ) اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا کریگا وہ اللہ کے ان مقبول بندوں میں سے ہو جائیگا جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اور جن کی برکت سے دنیا والوں کو رزق ملتا ہے (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

(تشریح) اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی محبوب ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت و خیر خواہی اور ان کو نفع پہونچانے کی کوشش کی جائے۔ ایک حدیث میں ہے؛ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِه: سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس لئے لوگوں میں اللہ کو زیادہ محبوب وہ بندے ہیں جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہونچائیں (کنز العمال)۔ پھر جس طرح مخلوق کیلئے کھانے، کپڑے کے قسم کی زندگی کی ضروریات فراہم کرنا اور ان کو راحت و آرام پہونچانا وغیرہ اس دنیا میں ان کی خدمت اور نفع رسانی کی صورتیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بندوں کیلئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا بھی اخروی زندگی کے لحاظ سے ان کی بہت بڑی خدمت اور ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے، اور اس کی قدر و قیمت آخرت میں اس وقت معلوم ہوگی جب یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ کسی کے استغفار نے کسی کو کیا دلوایا اور کتنا نفع پہونچایا۔ پس جو مخلص بندے اخلاص اور دل کی گہرائی سے ایمان والے بندوں اور بندیوں کیلئے مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں اور دن رات میں بار بار کرتے ہیں (جس کا کورس اس حدیث میں ۲۷ بتایا گیا ہے) وہ تمام مومنین و مومنات کے خاص الخاص محسن اور گویا آخرت کے لحاظ سے "اصحابِ خدمت" ہیں اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایسے مقرب اور مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی دعائیں سنی جاتی ہیں، اور انکی دعاؤں کی برکت سے دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔

لیکن یہ بات یہاں قابل لحاظ ہے کہ اس دنیا میں تو ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی خدمت اور اس کو ضروری درجہ کا آرام پہونچانے کی کوشش نیکی اور کارِ ثواب ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے؛ "فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبٍ صَدَقَةٌ" لیکن اللہ سے مغفرت اور رحمت کی دعا صرف اہلِ ایمان ہی کیلئے کی جاسکتی ہے۔ کفر و شرک والے جب تک اس سے توبہ نہ کریں مغفرت اور رحمت کے قابل نہیں ہیں، اس لئے ان کے واسطے مغفرت اور رحمت کی دعا بھی نہیں کی جاسکتی۔ ہاں ان کے واسطے ہدایت اور توبہ کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے، جس کے بعد ان کیلئے مغفرت اور رحمت کا دروازہ کھل سکے۔ ان کے حق میں یہی دعا کرنا انکے ساتھ بہت بڑی نیکی اور خیر خواہی ہے۔

توبہ و استغفار کے خاص کلمات:

توبہ و استغفار کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس میں اصل اہمیت اور بنیادی حیثیت معنی اور مقصد اور دل کی کیفیت کی ہے۔ بندہ جس زبان میں اور جن مناسب الفاظ میں توبہ و استغفار

کرے، وہ اگر سچے دل سے ہے تو اللہ کے نزدیک حقیقی توبہ واستغفار ہے اور قابل قبول ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے توبہ واستغفار کے بعض کلمات بھی تلقین فرمائے ہیں اور ان کی خاص فضیلت اور برکت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:-

عَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ غُفِرَلَهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ: بلال بن یسار بن زید نے اپنے والد یسار سے نقل کیا اور انھوں نے اپنے والد حضرت زیدؓ سے[1] نقل کیا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ؛ جس بندے نے ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ واستغفار کیا۔ " أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ " (میں اس اللہ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں جو حی وقیوم ہے اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو وہ بندہ ضرور بخش دیا جائے گا، اگرچہ اس نے میدان جنگ سے بھاگنے کا گناہ کیا ہو (رواہ الترمذی و ابوداؤد)۔

(تشریح) جان بچانے کیلئے میدانِ جہاد سے بھاگنا بدترین کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لیکن اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اس بدترین اور سخت ترین گناہ کا مرتکب بھی ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار اور توبہ کرے گا تو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کی بات رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی والہام کے بغیر نہیں فرما سکتے، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ گناہگاروں کیلئے معافی اور مغفرت کی درخواست کے یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمائے گئے ہیں، اور ان الفاظ کے ساتھ درخواست کرنے والوں کیلئے بڑے بڑے گناہوں کی معافی اور مغفرت کا حتمی وعدہ بلکہ فیصلہ فرمادیا گیا ہے۔ قربان اس رحمت کے لیکن یہ بات پھر بھی ملحوظ رہے کہ استغفار صرف الفاظ کا نام نہیں ہے، اللہ کے نزدیک حقیقی استغفار وہی ہے جو دل سے ہو۔

---

[1] یہ زید آنحضرت ﷺ کے مشہور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسرے صحابیؓ ہیں، ان کا نام بھی زیدؓ ہے اور ان کے والد کا نام بولی بتایا گیا ہے، یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے، آپ ﷺ نے ان کو بھی آزاد فرمادیا تھا۔

سیّد الاستغفار:

مندرجہ ذیل حدیث میں استغفار کے ایک کلمہ کو رسول اللہ ﷺ نے "سیّد الاستغفار" بتایا ہے، اور اس کی غیر معمولی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور بلا شبہ اپنے مضمون و مفہوم کے لحاظ سے بھی وہ ایسا ہی کلمہ ہے۔

عَنْ شَدَّادِبْنِ اَوْسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ اَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَاعَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ قَالَ وَمَنْ قَالَھَا مِنَ النَّھَارِ مُوْقِنًابِھَافَمَاتَ مِنْ یَوْمِہٖ قَبْلَ اَنْ یُّمْسِیَ فَھُوَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَمَنْ قَالَھَا مِنَ اللَّیْلِ وَھُوَ مُوْقِنٌ بِھَافَمَاتَ قَبْلَ اَنْ یُّصْبِحَ فَھُوَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ:

حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "سیّد الاستغفار" (یعنی سب سے اعلیٰ استغفار) یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے: "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَاعَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ" (اے اللہ! تو ہی میرا رب (یعنی مالک و مولا) ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور وجود بخشا، میں تیرا بندہ ہوں، اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور (اطاعت و فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل و کردار کے شر سے، میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا، اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کئے۔ اے میرے مالک و مولا! تو مجھے معاف فرمادے اور میرے گناہ بخشدے، تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس بندے نے اخلاص اور دل کے یقین کے ساتھ دن کے کسی حصے میں اللہ کے حضور میں یہ عرض کیا (یعنی ان کلمات کے ساتھ استغفار کیا) اور اسی دن رات شروع ہونے سے پہلے اس کو موت آ گئی تو وہ بلا شبہ جنت میں جائے گا۔ اور اسی طرح اگر کسی نے رات کے کسی حصے میں اللہ تعالیٰ کو حضور میں یہ

عرض کیا اور صبح ہونے سے پہلے اس رات میں وہ چل بسا تو بلا شبہ جنت میں جائے گا (رواہ البخاری)۔

(تشریح) اس استغفار کی اس غیر معمولی فضیلت کا راز بظاہر یہی ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے سب سے پہلے عرض کیا گیا ہے " اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ " (اے اللہ! تو ہی میرا رب (یعنی مالک و مولا) ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور وجود بخشا، میں تیرا بندہ ہوں "اس کے بعد عرض کیا گیا ہے کہ: " وَاَنَا عَلٰی عَهْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ : اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور (اطاعت و فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا" یہ بندے کی طرف سے اپنی کمزوری کے اعتراف کے ساتھ ایمانی عہد و میثاق کی تجدید ہے اس کے آگے عرض کیا گیا ہے: " اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ: مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں اور آئندہ ہو، ان کے برے نتیجہ سے اے میرے مالک و رب میں تیری پناہ کا طالب ہوں " اس میں اعتراف قصور کے ساتھ اللہ کی پناہ بھی چاہی گئی ہے۔ اس کے بعد عرض کیا گیا ہے: " اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ : میں تیرے انعامات و احسانات کا اور اپنی گناہ گاریوں اور خطا کاریوں کا اعتراف کرتا ہوں "، آخر میں عرض کیا گیا ہے: " فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ : اے میرے مالک و مولا! تو اپنے رحم و کرم سے میرے جرائم میرے گناہ بخشدے، جرموں اور گناہوں کو بخشنے والا بس تو ہی ہے "۔

حق یہ ہے کہ جس صاحب ایمان بندے کو وہ معرفت و بصیرت نصیب ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت کو سمجھتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اسکے حقوق کو بھی کچھ جانتا ہو تو وہ اپنے کو صرف قصوروار اور گناہگار اور خیر اور بھلائی کے معاملہ میں بالکل مفلس اور تہی مایہ محسوس کرے گا اور پھر اس کے دل کی آواز اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی التجا یہی ہوگی جو رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے اس استغفار میں محسوس ہوتی ہے۔ اس کو " سیّدالاستغفار " اسی خصوصیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پہنچ جانے کے بعد آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہر امتی کو چاہئے کہ وہ اس کا اہتمام کرے کہ ہر دن اور رات میں کم از کم ایک دفعہ ضرور وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ استغفار کرلیا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ہمارے استاذ حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ پر، اب سے ۴۵ سال پہلے دارالعلوم دیوبند میں ان ہی سے مشکوٰۃ شریف پڑھی۔ جب سبق میں یہ حدیث آئی تو حضرت مولاناؒ نے

پوری جماعت کو حکم دیا کہ یہ "سیّد الاستغفار" سب یاد کرلیں کل میں سب سے سنوں گا۔ چنانچہ اگلے دن قریب قریب سب طلباء سے سنا، اور وصیت فرمائی کہ دن رات میں کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کرو۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ یَدْعُوْ بِهٰذِهِ الدُّعَاءِ " اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ هَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَخَطَایَایَ وَعَمَدِیْ وَكُلُّ ذَالِكَ عِنْدِیْ":

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح عرض کیا کرتے تھے؛ اے اللہ؛ میری خطا میرے قصور معاف کردے، اور (علم ومعرفت کے تقاضے کے خلاف) جو نادانی کا کام میں نے کیا ہو اس کو معاف فرمادے اور اپنے جس معاملہ میں بھی میں نے تیرے حکم اور تیری رضا کی حد سے تجاوز کیا ہو اس کو بخش دے۔ اے میرے اللہ؛ میرے وہ گناہ بھی معاف فرمادے جو ہنسی مذاق میں مجھ سے سرزد ہوگئے ہو اور وہ بھی معاف کردے جو میں نے سوچ سمجھ کے اور سنجیدگی سے کئے ہوں۔ میرے مالک؛ میری خطائیں بھی معاف کردے جو بلا اردہ مجھ سے سرزد ہوگئی ہوں، اور وہ بھی معاف فرمادے جو میں نے جان بوجھ کے ارادہ سے کی ہوں اور (اے میرے مالک؛ تو جانتا ہے کہ) یہ سب خطائیں میں نے کی ہیں (رواہ البخاری ومسلم)۔

(تشریح) اللہ اکبر؛ سیّد المرسلین محبوب ربّ العٰلمین ﷺ جو یقیناً معصوم تھے، ان کے احساسات اپنے بارے میں یہ تھے، اور وہ اپنے کو سرتاسر خطا کار اور قصوروار سمجھتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح استغفار کرتے تھے، حق یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ اپنے کو ادائے حقِ عبدیت کے بارے میں قصوروار سمجھے گا" قربیاں رابیش بود حیرانی"۔ رسول اللہ ﷺ کے اس استغفار کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے، اور ہم امتیوں کیلئے اس میں بڑا سبق ہے۔

استغفار کی برکات:

استغفار کی اصل غرض وغایت اور اس کا موضوع تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کو معاف کرانا ہے تا کہ بندہ ان کے عذاب ووبال سے بچ جائے، لیکن قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ استغفار بہت سی دنیوی برکات کا بھی باعث بنتا ہے اور بندے کو اس دنیا میں بھی اس کے طفیل بہت کچھ ملتا ہے، اللہ تعالیٰ یقین وعمل نصیب فرمائے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَّ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ استغفار کو لازم پکڑے (یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ہر تنگی اور مشکل سے نکلنے اور رہائی پانے کا راستہ بنادے گا۔ اور اس کی ہر فکر اور ہر پریشانی کو دور کر کے کشادگی اور اطمینان عطا فرمادے گا، اور اس کو ان طریقوں سے رزق دے گا جن کا کہ اس کو خیال و گمان بھی نہ ہوگا (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)۔

(تشریح) ملحوظ رہے کہ یہ وعدہ صرف زبان سے کلماتِ استغفار پڑھنے پر نہیں ہے، بلکہ استغفار کی حقیقت پر ہے جس کی پہلے وضاحت کی جاچکی ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نصیب فرمائے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا: حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: خوشی ہو اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے (یعنی آخرت میں وہ دیکھے کہ اس کے اعمال نامہ میں استغفار بکثرت درج ہے) (رواہ ابن ماجہ والنسائی)۔

(تشریح) واضح رہے کہ اعمال نامہ میں حقیقی استغفار کے طور پر وہی استغفار درج ہوگا جو حقیقت کے لحاظ سے اور عند اللہ بھی استغفار ہوگا۔ اور جو صرف زبان سے استغفار ہوگا وہ اگر درج ہوگا تو صرف زبانی اور لفظی استغفار کے طور پر درج ہوگا، اور اگر اندارج پانے کے قابل نہ ہوگا تو درج ہی نہ ہوگا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ: " طُوْبٰى لِمَنْ اِسْتَغْفَرَ كَثِيْرًا " : خوشی ہو اور مبارک ہو اس کو جو بکثرت استغفار کرے، بلکہ یہ فرمایا کہ: " طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا ": خوشی اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے، امت کی مشہور عارفہ حضرت رابعہ عدویہ قدس سرہا سے منقول ہے، وہ فرماتی تھیں کہ: ہمارا استغفار خود اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کے حضور میں اس سے بہت زیادہ استغفار کیا جائے۔ اس حدیث میں "طوبیٰ" کا لفظ بہت ہی جامع ہے، دنیا اور آخرت اور جنت کی ساری ہی مسرتیں اور نعمتیں اس میں شامل ہیں۔ بلاشبہ جس بندے کو حقیقی استغفار نصیب ہو اور خوب کثرت سے نصیب ہو وہ بڑا خوش

نصیب ہے اور اس کو سب ہی کچھ نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔

استغفار پوری امّت کیلئے اَمان:

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں استغفار کی جن برکات کا ذکر کیا گیا وہ انفرادی تھیں، یعنی وہ استغفار کرنے والے افراد ہی کو حاصل ہوں گی۔ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ ان انفرادی برکات کے علاوہ استغفار کرنے والوں کے استغفار کی ایک بہت بڑی اور عمومی برکت یہ ہے کہ وہ پوری امت کیلئے عذابِ عام سے امان ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے قیامت تک امت گویا اسی کے سایہ میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیَّ اَمَانَیْنِ لِاُمَّتِیْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ فَاِذَا مَضَیْتُ تَرَکْتُ فِیْهِمُ الْاِسْتِغْفَارَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کیلئے دو امانیں مجھ پر نازل فرمائیں (سورۃ انفال میں ارشاد فرمایا گیا) "وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ" (یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کہ تم ان کے درمیان موجود ہو اور ان پر عذاب نازل کردے، اور اللہ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں گے اور معافی ومغفرت مانگتے ہونگے) (آپ نے فرمایا) پھر جب میں گذر جاؤنگا تو قیامت تک کیلئے تمھارے درمیان استغفار کو (بطور امان) چھوڑ جاؤنگا (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) سورۃ انفال کی آیت ۳۳، "وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ" جس کا اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حوالہ دیا ہے اس کا مدعا اور مقتضا یہ ہے کہ ایک تو خود آپ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کا وجود امت کیلئے عذاب سے امان ہے، جب تک آپ ﷺ ان میں موجود ہیں ان پر عذاب عام نازل نہیں ہوگا۔ اور دوسری چیز جو ان کیلئے وسیلہ امان ہے وہ خود ان کا استغفار ہے۔ جب تک یہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی اور مغفرت مانگتے رہیں گے اور استغفار کرتے رہیں گے عذابِ عام سے ہلاک نہیں کئے جائیں گے۔ گویا ایک امان خود آپ ﷺ کا وجود تھا، جس سے امت آپ ﷺ کی وفات کے بعد محروم ہوگئی۔ دوسری امان خود امت کا استغفار ہے، وہ بھی امت کو آپ ﷺ ہی کے ذریعہ ملا ہے، اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اور امت انتہائی بداعمالیوں کے باوجود عذابِ عام سے آج تک محفوظ ہے یہ استغفار

کرنے والے بندوں کے استغفار ہی کی برکت ہے (معارف الحدیث، جلد ۵)۔

صلوٰۃ و سلام

"صلوٰۃ و سلام" دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ اور اشرف درجہ کی ایک دعا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے اپنی ایمانی وابستگی اور وفاکشی کے اظہار کے لئے آپ کے حق میں کی جاتی ہے اور اس کا حکم ہم بندوں کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں دیا گیا ہے اور بڑے پیارے اور موثر انداز میں دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلاَئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی ﷺ پر اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجا کرو (سورۃ احزاب، ۵۶)۔

اس آیت کریمہ میں خطاب اہل ایمان کو ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مؤمن ہی نبی کریم ﷺ پر اخلاص کے ساتھ درود و سلام بھیج سکتا ہے مشرکین، کفار اور منافقین جن کو نبی اکرم ﷺ سے محبت نہیں تو وہ نبی کریم، ﷺ پر اخلاص کے ساتھ درود و سلام نہیں بھیج سکتا دوسری بات اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوئی کہ درود وسلام جو ایک اعلیٰ دعا ہے یہ ضرور بضرور قبول ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس دعا کا حکم فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجا کرو اس سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب نبی کریم ﷺ پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور عنایتیں بارش کی طرح نازل ہوتی رہتی ہیں اور آپ کو فرشتوں کی رحمت اور اچھی سے اچھی دعائیں حاصل ہیں تو آپ ﷺ ہماری دعاؤں کے محتاج نہیں اور نہ ہی درود بھیج کر آپ ﷺ پر کوئی احسان کرتے ہیں بلکہ یہ خود ہماری ضرورت ہے۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں (اور یہی آیت کا اصل موضوع اور مدعا ہے) لیکن اس خطاب اور حکم میں خاص اہمیت اور وزن پیدا کرنے کے لئے پہلے بطور تمہید فرمایا گیا ہے کہ: " اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلاَئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ " یعنی نبی ﷺ پر صلوٰۃ (جس کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے) خداوند قدوس اور اسکے پاک فرشتوں کا معمول و دستور ہے، تم بھی اس کو اپنا معمول بنا کے اس محبوب و مبارک عمل میں شریک ہوجاؤ۔

حکم اور خطاب کا یہ انداز قرآن پاک میں صرف صلوٰۃ و سلام کے اس حکم ہی کے لئے اختیار کیا گیا ہے دوسرے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کے لئے بھی نہیں کہا گیا کہ خدا اور اس کے فرشتے یہ کام کرتے ہیں تم بھی کرو۔ بلا شبہ صلوٰۃ و سلام کا یہ بہت بڑا امتیاز ہے، اور یہ رسول اللہ ﷺ کے مقام محبوبیت کے خصائص میں سے ہے۔

صلوٰۃ علی النبیّ کا مطلب اور ایک اشکال کا حل:

سورہ احزاب کی اس آیت میں بہت سے لوگوں کو یہ اشکال محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اللہ اور فرشتوں کی نسبت سے بھی "صلوٰۃ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور مومن بندوں کی نسبت سے بھی وہی لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے ان میں ہر ایک کا عمل دوسرے سے یقیناً مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کیطرف سے رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ کا جو عمل ہوتا ہے (جس کو اس آیت میں فرشتوں کے عمل کے ساتھ جوڑ کر "یُصَلُّوْنَ" کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے) وہ ہرگز فرشتوں اور مومنین کا عمل نہیں ہوسکتا اور اسی طرح ایمان والے بندوں سے جس عمل صلوٰۃ کا مطالبہ "صَلُّوْا" کے لفظ سے کیا گیا ہے وہ ہرگز خدا کا فعل نہیں ہوسکتا۔

اس کو حل کرنے کیلئے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ نسبت کے بدلنے سے صلوٰۃ کے معنی بدل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے رحمت نازل کرنا اور جب ملائکہ یا مومنین کی طرف نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ سے رحمت کی دعا کرنا، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ کے معنی میں بہت وسعت ہے۔ تکریم و تشریف، مدح و ثنا، رفع مراتب محبت و عطوفت، برکت و رحمت، پیار دلار، ارادہ خیر، ان سب کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے اس لئے اس کی نسبت اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف اور ایمان والے بندوں کی طرف یکساں طور پر کی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اس کی شان عالی کے مطابق ہوگی، اور فرشتوں کی طرف سے ان کے مرتبہ کے مطابق اور مومنین کی طرف سے ان کی حیثیت کے مطابق۔

اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ پر خاص الخاص عنایت و نوازش اور بڑا پیار دلار ہے، اور ان کی مدح و ستائش کرنا اور عظمت و شرف کے بلند ترین مقام تک ان کو پہنچانا چاہتا ہے اور فرشتے بھی ان کی تکریم و تعظیم اور مدح و ثنا کرتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بیش از بیش الطاف و عنایات اور رفع درجات کی دعائیں کرتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ایسا ہی کرو، اور آپ کی لئے اللہ تعالیٰ سے خاص الخاص لطف و عنایت، محبت و عطوفت، مراتب اور درجات کی رفعت، پورے عالم کی سیادت و امامت اور مقام محمود و محبوبیت شفاعت کی دعا کرو اور آپ پر سلام بھیجا کرو۔

صلوٰۃ و سلام کی عظمت واہمیت:

اس آیت میں جیسی شاندار تمہید اور جس اہتمام کے ساتھ اہل ایمان کو صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت وعظمت ہے اور وہ کیسا محبوب عمل ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ اس میں اہل ایمان کیلئے کس قدر خیر، کتنی رحمت اور کیسی برکات ہیں۔

صلوٰۃ و سلام کے بارے میں فقہاء کے مسالک:

امت کے فقہاء اس پر تقریباً متفق ہیں کہ سورہ احزاب کی اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا ہر فرد امت پر فرض ہے۔ پھر ائمہ امت میں سے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ خاص کر ہر نماز کے قعدہ اخیر میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا واجبات نماز میں سے ہے۔ اگر نہ پڑھی جائے تو ان ائمہ کے نزدیک نماز ہی نہ ہوگی۔ لیکن امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور اکثر دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ میں تشہد تو بیشک واجب ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ پر سلام بھی آجاتا ہے لیکن اس کے بعد مستقلاً درود شریف پڑھنا فرض یا واجب نہیں بلکہ اہم اور مبارک سنت ہے جس کے چھوٹ جانے سے نماز میں بڑا نقص رہ جاتا ہے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہر مسلمان پر اسی طرح فرض عین ہے جس طرح مثلاً آپ کی رسالت کی شہادت دینا جس کے لئے کسی وقت اور تعداد کا تعین کیا گیا ہے اور اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لے اور پھر اس پر قائم رہے۔ آگے بعض وہ حدیثیں آئیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آئے آپ پر لازماً درود بھیجا جائے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں بھی آئیں گی۔ ان احادیث کی بنا پر بہت سے فقہاء اس کے بھی قائل ہیں کہ جب کوئی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا کسی دوسرے سے سنے تو اس وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے پھر ایک رائے یہ ہے کہ اگر ایک ہی نشست اور ایک ہی سلسلہ کلام میں بار بار آپ کا ذکر آئے تو ہر دفعہ درود پڑھنا واجب ہوگا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ایک دفعہ درود پڑھنا تو واجب ہوگا اور ہر دفعہ پڑھنا مستحب ہوگا، اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

درود شریف کی امتیازی خاصیت:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں اور ان میں مختلف قسم کی خوشبوئیں رکھی ہیں (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست) اسی طرح مختلف عبادات اور اذکار ودعوات

کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں۔درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت، اللہ تعالیٰ کی خاص نظر رحمت رسول اللہ ﷺ کے روحانی قرب اور آپ ﷺ کی خصوصی شفقت وعنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر امتی کا درود وسلام اس کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے۔،اوراس کیلئے فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے۔ ذرا غور کریں،اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا فلاں بندہ آپ کے لئے اور آپ کے گھر والوں اور سب متعلقین کے لئے اچھی سے اچھی دعائیں برابر کرتا رہتا ہے،اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں مانگتا جتنا آپ کے لئے مانگتا ہے اور یہ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے،تو آپ کے دل میں اس کی کیسی قدر ومحبت اور خیر خواہی کا کیسا جذبہ پیدا ہوگا پھر جب بھی اللہ کا وہ بندہ آپ سے ملیگا اور آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کس طرح اسے ملیں گے۔اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان واخلاص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود وسلام پڑھے اس پر آپ کی کیسی نظر عنایت ہوگی اور قیامت وآخرت میں اس کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا ہوگا۔اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے اس کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس بندہ سے اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوگا اور اس پر اس کا کیسا کرم ہوگا۔

درود وسلام کا مقصد:

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ درود وسلام اگر چہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کے لئے دعا کرنے کا اصلی مقصد اس کو نفع پہونچانا ہوتا ہے،اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا مقصد آپ کی ذات کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا،ہماری دعاؤں کی آپ کو قطعاً کوئی احتیاج نہیں۔بادشاہوں کو فقیروں مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد وتسبیح کے ذریعہ عبدیت اور عبدیت کا نذرانہ اس کے حضور میں پیش کریں، اوراس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ وہ خود ہماری ضرورت ہے،اوراس کا نفع ہم ہی کو پہنچتا ہے،اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے محاسن وکمالات،آپکی پیغمبرانہ خدمات اور امت پر آپ ﷺ کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپکے حضور میں عقیدت ومحبت اور وفاداری ونیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کریں،اسی کے لئے درود وسلام کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا مقصد آپ کو کوئی نفع پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ اپنے ہی نفع کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا وثواب آخرت اور اس کے رسول پاک ﷺ کا روحانی قرب اور ان کی خاص نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے درود وسلام پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے کا اصل

مقصد بس یہی ہوتا ہے۔

پھر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ وہ ہمارے درود و سلام کا یہ ہدیہ اپنے رسول پاک تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچواتا ہے اور بہت سوں کا آپ کو قبر مبارک میں براہ راست بھی سنوا دیتا ہے (جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا) نیز ہمارے اس درود و سلام کے حساب میں بھی رسول اللہ ﷺ پر اپنے الطاف و عنایات اور تکریم و تشریف میں اضافہ فرماتا ہے۔

درود و سلام کی خاص حکمت:

انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیا ﷺ کی خدمت میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے درود و سلام کا طریقہ مقرر کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور ان میں سب سے اکرم و افضل خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ ہیں جب ان کے بارے میں بھی یہ حکم دے دیا گیا کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خاص الخاص عنایت و رحمت اور سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقام عالی یہی ہے کہ ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ سے اعلیٰ دعائیں کی جائیں، اس کے بعد شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی، کتنا بڑا کرم ہے رب کریم کا کہ اس کے اس حکم نے ہم بندوں اور امتیوں کو نبیوں اور رسولوں کا اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کا دعا گو بنا دیا جو بندہ ان مقدس ہستیوں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہوسکتا ہے۔

احادیث میں درود و سلام کی ترغیبات اور فضائل و برکات:

اس تمہید کے بعد وہ حدیثیں پڑھیئے جن میں رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کی فضیلت اور برکات کا بیان فرمایا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّةً وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے (رواہ مسلم)۔

(تشریح) اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ صلوٰۃ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی جو تکریم و تشریف اور آپ پر جو خاص الخاص عنایت و نوازش ہوتی ہے اس کو بھی صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عام ایمان والے بندوں کے ساتھ رحمت و کرم کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کے لئے بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس حدیث میں اس رحمت و عنایت کے لئے بھی جو رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا یعنی حضور پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں اور دوسرے کسی ایمان والے بندے پر اس کی صلوٰۃ میں وہی فرق ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کے مقام عالی اور اس ایمان والے بندے کے درجہ میں ہوگا۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر ہم بندوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کی استدعا کریں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مدعا صرف ایک حقیقت اور واقعہ کی اطلاع دینا نہیں ہے بلکہ اس مبارک عمل (الصلوٰۃ علی النبی) کی ترغیب دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صلوات یعنی خصوصی رحمتوں اور عنایتوں کے حاصل کرنے اور خود رسول اللہ ﷺ کے قرب روحانی کی برکات سے بہرہ ور ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ اسی طرح آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے۔

عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَىَّ مِنْ اُمَّتِىْ صَلٰوةً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَرَفَعَهٗ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَكَتَبَ لَهٗ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَحٰى عَنْهُ عَشْرَ سَيِّاٰتٍ: ابو بردہ بن نیارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا جو امتی خلوص دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰتیں بھیجتا ہے، اور اس کے صلہ میں اس کے دس درجے بلند کرتا ہے، اور اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھتا ہے، اور اس کے دس گناہ محو فرما دیتا ہے (رواہ النسائی)۔

(تشریح) حضرت ابو ہریرہؓ والی پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف دس صلوٰتوں کے بھیجے جانے کا ذکر تھا۔ اس کے بعد حضرت انسؓ والی دوسری حدیث میں دس صلوٰتوں کے علاوہ دس درجوں کی بلندی اور دس گناہوں کی معافی کا بھی ذکر فرمایا گیا، اور ابو بردہ

بن نیارؓ والی اس تیسری حدیث میں ان سب کے علاوہ اس بندے کے نامہء اعمال میں دس نیکیوں کے لکھے جانے کی بشارت بھی سنائی گئی۔

اس عاجز کے نزدیک یہ صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، یعنی دوسری اور تیسری حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ پہلی حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے، واللہ اعلم۔ تیسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صلہ پانے کے لئے شرط ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ "اخلاص قلب" سے بھیجی جائے (معارف الحدیث ج ۵)۔

جب نبی کریم ﷺ کا تذکرہ آئے تو درود شریف پڑھنا چاہیے:

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلْیُصَلِّ عَلَیَّ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَفِی رِوَایَۃٍ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّحَطَّ عَنْہُ عَشْرَ سَیِّئَاتٍ وَّرَفَعَہٗ بِھَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ:

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کے سامنے میرا تذکرہ آئے اس کو چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ جل شانہٗ اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا اور اس کی دس خطائیں معاف کرے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا (رواہ احمد و النسائی واللفظ لہٗ وابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب)۔

(فائدہ) علامہ منذریؒ نے ترغیب میں حضرت براءؓ کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ یہ اس کیلئے دس غلام آزاد کرنے کے بقدر ہوگا اور طبرانی کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے، اللہ جل شانہٗ اس پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر (۱۰۰) سو دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر بَرَآءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَآءَۃٌ مِّنَ النَّارِ لکھ دیتے ہیں۔ یعنی یہ شخص نفاق سے بھی بری ہے اور جہنم سے بھی بری ہے اور قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اس کا حشر فرمائیں گے۔

علامہ سخاویؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر (۱۰۰) سو دفعہ درود بھیجیں گے۔ اور جو مجھ پر سو (۱۰۰) دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر ہزار دفعہ درود بھیجیں گے، اور جو عشق و شوق میں اس پر زیادتی کرے گا میں اس کے لئے قیامت کے دن سفارشی ہوں گا اور گواہ۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ ہم چار پانچ آدمیوں

میں سے کوئی نہ کوئی شخص حضور اقدس ﷺ کے ساتھ رہتا تھا تا کہ کوئی ضرورت اگر حضور اقدس ﷺ کو پیش آئے تو اس کی تعمیل کی جائے ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ کسی باغ میں تشریف لے گئے، میں بھی پیچھے پیچھے حاضر ہوگیا۔ حضور اقدس ﷺ نے وہاں جا کر نماز پڑھی اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی روح پرواز کرگئی۔ میں اس تصور سے رونے لگا حضور ﷺ کے قریب جا کر حضور ﷺ کو دیکھا۔ حضور ﷺ نے سجدہ سے فارغ ہوکر دریافت فرمایا عبدالرحمٰن کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں (خدانخواستہ) آپ کی روح تو پرواز نہیں کرگئی۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے میری امت کے بارے میں مجھ پر ایک انعام فرمایا ہے اس کے شکرانہ میں اتنا طویل سجدہ کیا وہ انعام یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے یوں فرمایا کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ جل شانہٗ اس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے اور دس گناہ معاف فرمائیں گے۔

ایک روایت میں اسی قصہ میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبدالرحمٰن کیا بات ہے؟ میں نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے یوں کہا کہ کیا تمہیں اس سے خوشی نہیں ہوگی اللہ جل شانہٗ نے یہ ارشاد فرمایا ہے جو تم پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا (کذا فی الترغیب فضائل درود شریف)۔

درود شریف پڑھنے والے قیامت کے روز نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہوں گے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بلاشک قیامت میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے (رواہ الترمذی و ابن حبان فی صحیحہ کلاھما من روایۃ موسیٰ بن یعقوب کذافی الترغیب وبسط السخاوی فی القول البدیع الکلام علی تخریجہ)۔

(فائدہ) علامہ سخاویؒ نے قول بدیع میں الدر المنظم سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد کیا ہے کہ تم میں کثرت سے درود پڑھنے والا کل قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ حضرت انسؓ کی حدیث سے بھی یہ

ارشاد نقل کیا ہے کہ قیامت میں ہر موقع پر مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھنے والا ہوگا۔ فصل دوم کی حدیث نمبر ۳ میں بھی یہ مضمون آرہا ہے نیز حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، اس لئے کہ قبر میں ابتداءً تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں نقل کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجنا قیامت کے دن پل صراط کے اندھیرے میں نور ہے اور جو یہ چاہے کہ اس کے اعمال بہت بڑی ترازو میں تلیں اس کو چاہیے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرے۔ ایک اور حدیث میں حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے، سب سے زیادہ نجات والا قیامت کے دن اس کے ہولوں سے اور اس کی مقامات سے وہ شخص ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجتا ہے۔

زاد السعید میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر درود کی کثرت کریگا وہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔ علامہ سخاویؒ نے ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تین آدمی قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہ ہوگا۔ ایک وہ شخص جو کسی مصیبت زدہ کی مصیبت ہٹائے۔ دوسرا وہ جو میری سنت کو زندہ کرے، تیسرے وہ جو میرے اوپر درود بھیجے۔ ایک اور حدیث میں علامہ سخاویؒ نے حضرت ابن عمرؓ کے واسطہ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اپنی مجالس کو درود شریف کے ساتھ مزین کیا کرو اس لئے کہ مجھ پر درود پڑھنا تمہارے لئے قیامت میں نور ہے۔

علامہ سخاویؒ نے قوت القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم سے کم مقدار تین سو مرتبہ ہے، اور حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ بھی اپنے متوسلین کو تین سو مرتبہ بتایا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کو ہمارا درود و سلام پہنچایا جاتا ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ اُمَّتِيَ السَّلَامَ. : ابن مسعود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو (زمین میں) پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں (رواه النسائي و ابن حبان في صحيحه كذافي الترغيب زادفي القول البديع احمد والحاكم وغيرهما وقال الحاكم صحيح الاسناد)۔

(فائدہ) اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو میری امت کا درود مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ ترغیب میں حضرت امام حسینؓ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم جہاں کہیں ہو مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو بیشک تمہارا درود میرے پاس پہنچتا رہتا ہے اور حضرت انسؓ کی حدیث سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے اور میں اس کے بدلہ میں اس پر درود بھیجتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کریں یہ کفایت کریگا:

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍؓ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلٰوتِیْ فَقَالَ مَاشِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ، قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَکَ صَلٰوتِیْ کُلَّھَا قَالَ اِذًا تُکْفٰی ھَمُّکَ وَیُغْفَرُلَکَ ذَنْبُکَ: حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ پر درود کثرت سے بھیجنا چاہتا ہوں تو اس کی مقدار اپنے اوقات دعا میں سے کتنی مقرر کروں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جتنا تیرا جی چاہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک چوتھائی، حضور ﷺ نے فرمایا تجھے اختیار ہے اور اگر اس پر بڑھا دے تو تیرے لئے بہتر ہے تو میں نے عرض کیا کہ نصف کردوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھے اختیار ہے اور اگر بڑھا دے تو تیرے لئے زیادہ بہتر ہے میں نے عرض کیا؟ دو تہائی کردوں، حضور ﷺ نے فرمایا تجھے اختیار ہے اور اگر اس سے بڑھا دے تو تیرے لئے زیادہ بہتر ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر میں اپنے سارے وقت کو مقرر کرتا ہوں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تو اس صورت میں تیرے سارے فکروں کی کفالت کیجائیگی اور تیرے گناہ بھی معاف کردیئے جائیں گے (رواہ الترمذی زاد المنذری فی الترغیب احمد والحاکم وقال صحیح وبسط السخاوی فی تخریجہ)۔

(فائدہ) مطلب تو واضح ہے وہ یہ کہ میں نے کچھ وقت اپنے لئے دعاؤں کا مقرر کر رکھا ہے اور چاہتا ہوں کہ درود شریف کثرت سے پڑھا کروں تو اپنے اس معین وقت میں سے درود شریف کے لئے کتنا وقت تجویز کروں۔ مثلاً میں نے اپنے اوراد و ظائف کے لئے دو گھنٹے مقرر کر رکھے ہیں تو اس میں سے کتنا وقت درود شریف

کے لئے تجویز کروں۔ علامہ سخاویؒ نے امام احمدؒ کی ایک روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں اپنے سارے وقت کو آپ پر درود کے لئے مقرر کردوں تو کیسا؟ حضور ﷺ نے فرمایا "ایسی صورت میں حق تعالیٰ شانہٗ تیرے دنیا اور آخرت کے سارے فکروں کی کفالت فرمائے گا"۔ علامہ سخاویؒ نے متعدد صحابہ سے اسی قسم کا مضمون نقل کیا ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں کہ متعدد صحابہ کرامؓ نے اس قسم کی درخواستیں کی ہوں۔

علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ درود شریف چونکہ اللہ کے ذکر پر اور حضور اقدس ﷺ کی تعظیم پر مشتمل ہے تو حقیقت میں یہ ایسا ہی ہے جیسا دوسری حدیث میں اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس کو میرا ذکر مجھ سے دعا مانگنے میں مانع ہو (یعنی کثرت ذکر کی وجہ سے دعا کا وقت نہ ملے) تو میں اس کو دعا مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ: "سبب اس کا یہ ہے کہ جب بندہ اپنی طلب و رغبت کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز میں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے اپنے مطالب پر تو وہ کفایت کرتا ہے اس کے سب مہمات کی من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ یعنی جو اللہ کا ہو رہتا ہے وہ کفایت کرتا ہے اس کو جب شیخ بزرگوار عبدالوہاب متقیؒ نے اس مسکین کو یعنی شیخ عبدالحق کو واسطے زیارت مدینہ منورہ کے رخصت کیا، فرمایا کہ جانو اور آگاہ ہو کہ نہیں ہے اس راہ میں کوئی عبادت بعد ادائے فرض کے مانند درود کے اوپر سید کائنات ﷺ کے چاہیے کہ تمام اوقات اپنے کو اس میں صرف کرنا اور چیز میں مشغول نہ ہونا۔ عرض کیا گیا کہ اس کے لئے کچھ عدد معین ہو، فرمایا یہاں معین کرنا عدد کا شرط نہیں، اتنا پڑھو کہ ساتھ اس کے رطب اللسان ہو اور اس کے رنگ میں رنگین ہو اور مستغرق ہو اس میں"۔

اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ درود شریف سب اوراد و وظائف کے بجائے پڑھنا زیادہ مفید ہے اس لئے کہ اول تو خود اس حدیث پاک کے درمیان میں اشارہ ہے کہ انہوں نے یہ وقت اپنی ذات کے لئے دعاؤں کا مقرر کر رکھا تھا اس میں سے درود شریف کے لئے مقرر کرنے کا ارادہ فرمارہے تھے دوسری بات یہ ہے کہ یہ چیز لوگوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ بعض روایات میں الحمد للہ کو افضل الدعا کہا گیا ہے اور بعض روایات میں استغفار کو افضل الدعا کہا گیا ہے اسی طرح سے اوراعمال کے درمیان میں بھی مختلف احادیث میں مختلف اعمال کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے یہ اختلاف لوگوں کے حالات کے اختلاف کے اعتبار سے اور اوقات کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے جیسا کہ ابھی مظاہر حق سے نقل کیا گیا ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کو ان کے شیخ نے مدینہ پاک کے سفر میں یہ وصیت کی کہ تمام اوقات درود شریف ہی میں خرچ کریں۔ اپنے اکابر کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ مدینہ پاک کے سفر میں درود شریف کی بہت تاکید کرتے ہیں۔

علامہ منذریؒ نے ترغیب میں حضرت اُبیؓ کی حدیث بالا میں ان کے سوال سے پہلے مضمون اور بھی نقل کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ جب چوتھائی رات گذر جاتی تو حضور اقدس ﷺ کھڑے ہو جاتے اور ارشاد فرماتے؛ "اے لوگوں اللہ کا ذکر کرو! اے لوگوں اللہ کا ذکر کرو(یعنی بار بار فرماتے) راجفہ آ گئی اور رادفہ آ رہی ہے،موت ان سب چیزوں کے ساتھ جو اس کے ساتھ لاحق ہیں آ رہی ہے"۔اس کو بھی دو مرتبہ فرماتے؛ رَاجِفَه اور رَادِفَه قرآن پاک کی آیت جو سورۃ والنازعات میں ہے،کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ پاک کا ارشاد ہے؛

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ o تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ o
قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ o اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ o

جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ اوپر چند چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"قیامت ضرور آئے گی،جس دن ہلا دینے والی چیز سب کو ہلا ڈالے گی،اس سے مراد پہلا صور ہے۔بہت سے دل اس روز کے خوف کے مارے دھڑک رہے ہوں گے،شرم کی وجہ سے ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی"(فضائل درود شریف)۔

درود شریف دُعا کی قبولیت کا وسیلہ:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَايَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ: حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے،انھوں نے فرمایا؛ دعا آسمان اور زمین کے درمیان ہی رکی رہتی ہے اوپر نہیں جا سکتی جب تک کہ نبی پاک ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے(رواہ الترمذی)۔

(تشریح)وہ حدیث " آداب دُعا" کے ذیل میں گذر چکی ہے جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دُعا کرنے والے کو چاہیے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور رسول ﷺ پر درود بھیجے،اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجت عرض کرے۔حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دُعا کے بعد بھی رسول ﷺ پر صلوۃ بھیجنی چاہیے،وہ دُعا کی قبولیت کا خاص وسیلہ ہے۔" حصن حصین" میں شیخ ابو سلیمان دارانیؒ سے نقل کیا گیا ہے انھوں نے فرمایا کہ درود شریف(جو رسول ﷺ کے حق میں ایک اعلیٰ و اشرف دُعا ہے وہ)تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول فرماتا ہے[1] پھر جب بندہ اپنی دُعا سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کے حق میں دُعا کرے اور اس کے بعد دُعا کرے تو اس کے کرم سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اول و آخر کی دُعائیں تو قبول کر لے اور درمیان کی

[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو خود ہی نبی کریم ﷺ پر درود شریف جو کہ ایک دُعا ہے اس کا حکم فرمایا تو اس دُعا کی قبولیت میں ادنیٰ شبہ کی گنجائش نہیں(مختار)۔

اس بچارے کی دُعا رد کر دے، اس لئے پوری امید رکھنی چاہیے کہ جس دُعا کے اول وآخر رسول ﷺ پر صلوٰۃ بھیجی جائے گی وہ انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

مندرجہ بالا روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات (جو انھوں نے دُعا کی قبولیت کے بارے میں فرمائی) رسول ﷺ سے سنی تھی، لیکن چونکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے اور فہم سے ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ کے پیغمبر سے سن کے ہی ایسی بات کہی جا سکتی ہے، اس لئے محدثین کے مسلّمہ اصول کے مطابق یہ روایت حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے (معارف الحدیث ج ۵)۔

آپ ﷺ کے ذکر کے وقت بھی درود سے غفلت کرنیوالوں کی محرومی اور ہلاکت:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ یُّغْفَرَلَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَکَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْکِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ یُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی مجھ پر صلوٰۃ یعنی درود نہ بھیجے، اور اسی طرح ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے لئے رمضان کا (رحمت ومغفرت والا) مہینہ آئے اور اس کے گزرنے سے پہلے اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو جائے (یعنی رمضان کا مبارک مہینہ بھی وہ غفلت وخدا فراموشی میں گزار دے اور توبہ واستغفار کر کے اپنی مغفرت کا فیصلہ نہ کرالے اور ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک اس کے سامنے بڑھاپے کو پہونچیں اور وہ ان کی خدمت کر کے) جنت کا استحقاق حاصل نہ کر لے (رواہ الترمذی)۔

(تشریح) اس حدیث میں تین قسم کے جن آدمیوں کے لئے ذلت وخواری کی بددُعا ہے ان کا مشترک سنگین جرم یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور رحمت ومغفرت حاصل کرنے کے بہترین مواقع فراہم کئے، لیکن انھوں نے خدا کی رحمت ومغفرت کو حاصل کرنا ہی نہیں چاہا اور اس سے محروم رہنا ہی اپنے لئے پسند کیا، بیشک وہ بدبخت ایسی ہی بددُعا کے مستحق ہیں۔ اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ

ایسے محروموں کے لئے اللہ کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرائیل امینؑ نے بھی بڑی سخت بددعا کی ہے، اللہ کی پناہ!

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحْضُرُوْا فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ قَالَ اٰمِيْن، ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اٰمِيْن ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اٰمِيْن فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئاً مَا كُنَّا نَسْمَعُه فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ بُعْدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَه فَقُلْتُ اٰمِيْن فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ بُعْدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَه' فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ اٰمِيْن فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ بُعْدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ اٰمِيْن : حضرت کعب بن عجرہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول ﷺ نے ہم لوگوں کو فرمایا، میرے پاس آ جاؤ؟ ہم حاضر ہوگئے (آپ کو جو کچھ ارشاد فرمانا تھا اس کے لئے آپ منبر پر جانے لگے۔) جب منبر کے پہلے درجے پر آپ نے قدم رکھا تو فرمایا:۔آمین۔ پھر جب دوسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا:۔آمین اسی طرح جب تیسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا؛ آمین، پھر جو کچھ آپ کو فرمانا تھا جب اس سے فارغ ہو کر آپ منبر سے نیچے اتر آئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آج ہم نے آپ سے ایک ایسی چیز سنی جو ہم پہلے نہیں سنتے تھے (یعنی منبر کے ہر درجے پر قدم رکھتے وقت آج آپ آمین کہتے تھے یہ نئی بات تھی) آپ نے بتایا کہ؛ جب میں منبر پر چڑھنے لگا تو جبرئیل آمین آ گئے انھوں نے کہا کہ " بُعْدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَه ": تباہ و برباد ہو وہ محروم جو رمضان مبارک پائے اور اس میں بھی اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو، تو میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں منبر کے دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا" بُعْدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَه' فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ ": تباہ برباد ہو وہ بے توفیق اور بے نصیب جسکے سامنے تمہارا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی تم پر درود نہ بھیجے، تو میں نے اس پر بھی کہا؛ آمین، پھر جب میں نے منبر کے تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا" بُعْدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ " : تباہ و برباد ہو وہ بد بخت آدمی جس کے ماں باپ یا ان دو میں

سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے اور ان کو راضی خوش کر کے جنت کا مستحق نہ ہو جائے) اس پر بھی آپ ﷺ فرمایا: آمین (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد)۔

(تشریح) اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلی حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث کا تھا، فرق اتنا ہے کہ اس میں اصل بددعا کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور رسول ﷺ نے ان کی ہر بددعا پر امین کہا ہے۔

حضرت جبرائیل کی بددعا اور رسول ﷺ کے امین کہنے کا یہی واقعہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہ انصاریؓ کے علاوہ حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت جابر بن سمرہ، مالک بن الحویرث اور عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں روایت کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیل بددعا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ امین کہیں تو آپ امین کہتے تھے۔ ان سب حدیثوں میں مذکورہ بالا تین قسم کے محروموں کے لئے رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل کی طرف سے سخت ترین بددعا کے انداز میں جس طرح انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے، یہ دراصل ان تینوں کوتاہیوں کے بارے میں سخت ترین انتباہ ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی وجہ سے فرشتوں کی دنیا اور ملاءِ اعلیٰ میں عظمت و محبوبیت کا وہ بلندترین مقام حاصل ہے کہ جو شخص آپ کے حق کی ادائیگی کے معاملہ میں صرف اتنی کوتاہی اور غفلت کرے کہ آپ کے ذکر کے وقت آپ پر درود نہ بھیجے تو اس کے لیے سارے ملاء اعلیٰ کے امام اور نمائندے حضرت جبرائیل کے دل سے اتنی سخت بددعا نکلتی ہے اور وہ اس پر رسول اللہ ﷺ سے بھی امین کہلواتے ہیں اللہ تعالیٰ اس قسم کی ہر تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ رکھے اور آنحضرت ﷺ کی حق شناسی اور حق کی ادائیگی کی توفیق دے۔

عَنْ قَتَادَةَؒ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجَفَاءِ اَنْ اُذْكَرَ عِنْدَ رَجُلٍ فَلَايُصَلِّى عَلَيَّ (ﷺ): حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ بات ظلم سے ہے کسی آدمی کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (اخرجہ النمیری رواتہ ثقات قالہ السخاوی)۔

(فائدہ) یقیناً اس شخص کے ظلم میں کیا تردد ہے جو نبی کریم ﷺ کے اتنے احسانات پر بھی نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی سوانح عمری "تذکرۃ الرشید" میں لکھا ہے کہ حضرت عموماً

متوسلین کو درود شریف پڑھنے کی تعلیم فرماتے تھے کہ کم سے کم تین سو مرتبہ روزانہ پڑھا جائے۔ اور اتنا نہ ہو سکے تو ایک تسبیح میں تو کمی نہ ہونی چاہیئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے پھر آپ پر درود بھیجنے میں بھی بخل ہو تو بڑی بے مروتی کی بات ہے۔ درود شریف میں زیادہ تر پسند وہ تھا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ الفاظ صلوۃ و سلام جو احادیث میں منقول ہیں۔ باقی دوسروں کے مؤلفہ درود تاج، لکھی وغیرہ عموماً آپ کو پسند نہ تھے بلکہ بعض الفاظ کو دوسرے معنیٰ کا موہم ہونے کے سبب خلاف شرع فرما دیتے تھے۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ جفاء سے مراد برّ وصلہ کا چھوڑنا ہے اور طبیعت کی سختی اور نبی کریم ﷺ سے دوری پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ...... عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاجَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوْا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَلَهُمْ؛ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور اس مجلس میں اللہ کا ذکر اور اس کے نبی ﷺ پر درود نہ ہو تو یہ مجلس ان پر قیامت کے دن ایک وبال ہوگی پھر اللہ کو اختیار ہے کہ ان کو معاف کردے یا عذاب دے (رواہ احمد و ابوداؤد وغیرھما بسط السخاوی)۔

(فائدہ) ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھتی ہے، پھر وہ اللہ کے ذکر اور نبی ﷺ پر درود سے پہلے مجلس برخاست کردیں تو ان پر قیامت تک حسرت رہے گی۔ ایک اور حدیث میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھتی ہے اور اس مجلس میں حضور ﷺ پر درود نہ ہو تو وہ مجلس ان پر وبال ہوتی ہے۔ حضرت ابو امامہؓ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں پھر اللہ کے ذکر اور حضور اقدس ﷺ پر درود سے پہلے اٹھ کھڑے ہوں تو وہ مجلس قیامت کے دن وبال ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو لوگ کسی مجلس میں

بیٹھیں اور وہ حضور اقدس ﷺ پر درود سے پہلے مجلس برخاست کریں تو ان کو حسرت ہوگی چاہے وہ جنت ہی میں (اپنے اعمال کی وجہ سے) داخل ہو جائیں بوجہ اس ثواب کے جس کو وہ دیکھیں گے۔ یعنی اگر وہ اپنے دوسرے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو بھی جائیں تب بھی ان کو درود شریف کا ثواب دیکھ کر اس کی حسرت ہوگی کہ ہم نے اس مجلس میں درود کیوں نہ پڑھا تھا۔

حضرت جابرؓ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب لوگ کسی مجلس سے بغیر اللہ کے ذکر اور حضور ﷺ پر درود کے اٹھیں تو ایسا ہے جیسے کسی سڑے ہوئے مردار جانور پر سے اٹھے ہوں یعنی ایسی گندگی محسوس ہوگی جیسے کسی سڑے ہوئے جانور کے پاس بیٹھ کر دماغ سڑ جاتا ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا ...... عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍؓ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ وَارْحَمْنِىْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّىْ فَاِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَىَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ لَهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَيُّهَا الْمُصَلِّىْ اُدْعُ تُجَبْ : حضرت فضالہؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے ایک صاحب داخل ہوئے اور نماز پڑھی پھر "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ وَارْحَمْنِىْ" کے ساتھ دُعا کی حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا او نمازی: جلدی کر دی، جب تو نماز پڑھے تو اول تو اللہ جل شانہٗ کی حمد کر جیسا کہ اس کی شان کے مناسب ہے پھر مجھ پر درود پڑھ، پھر دُعا مانگ، حضرت فضالہؓ کہتے ہیں پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے اول اللہ جل شانہٗ کی حمد کی اور حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجا۔ حضور ﷺ نے ان صاحب سے یہ ارشاد فرمایا اے نمازی اب دُعا کر تیری دُعا قبول کی جائے گی (رواہ الترمذی وروی ابوداؤد والنسائی نحوہ کذا فی المشکوٰۃ)۔

(فائدہ) یہ مضمون بھی بکثرت روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ درود شریف دُعا کے اول میں، درمیان میں اور اخیر میں ہونا چاہیے۔ علماء نے اس کے مستحب ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے کہ دُعا کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی شان کی حمد و ثنا، پھر حضور اقدس ﷺ پر درود سے ہونی چاہیے اور اسی طرح اسی پر ختم ہونا چاہیے۔

اُقلیشیؒ کہتے ہیں کہ جب تو اللہ سے دُعا کرے تو پہلے حمد کے ساتھ ابتدا کر، پھر حضور ﷺ پر درود بھیج اور درود شریف کو دُعا کے اول میں، دُعاء کے بیچ میں، دُعا کے اخیر میں کر، اور درود کے وقت میں حضور اقدس ﷺ کے اعلیٰ فضائل کو ذکر کیا کر، اس کی وجہ سے تو مستجاب الدعوات بنے گا اور تیرے اور اس کے درمیان سے حجاب اٹھ جائے گا. صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا (فضائل درود شریف)۔

جو شخص آپ ﷺ کے قبر مبارک کے پاس درود شریف پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سنوا دیتا ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَىَّ رُوْحِیْ اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس فرمائے گا تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر)۔

(تشریح) حدیث کے ظاہری الفاظ " اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَىَّ رُوْحِی " سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آپکی روح مبارک جسد اطہر سے الگ رہتی ہے جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر میں روح مبارک کو لوٹا دیتا ہے تا کہ آپ ﷺ سلام کا جواب دے سکیں، ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی، اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن میں لاکھوں کروڑوں دفعہ آپکی روح مبارک جسم اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے، کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے لاکھوں کروڑوں اُمتی آپ پر صلوٰۃ و سلام نہ بھیجتے ہوں روضہ اقدس میں حاضر ہوکر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے، اور عام دنوں میں بھی کا شمار ہزاروں سے کم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے اگر چہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید انبیاء ﷺ کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا ہے کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بنا پر اکثر شارحین نے "رد روح" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی

جمالی و جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے، (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہونچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں، بس اس روحانی توجہ والتفات کو " ردّ روح " سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

عاجز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عالم برزخ کے معاملات واحوال سے کچھ مناسبت رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کی معرفت نصیب فرمائے۔

اس حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ جو امتی بھی اخلاص قلب سے آپ پر سلام بھیجتا ہے، آپ عادی اور سرسری طور پر صرف زبان سے نہیں بلکہ روح اور قلب سے متوجہ ہو کر اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر عمر بھر کے صلوٰۃ وسلام کا کچھ بھی اجر وثواب نہ ملے صرف آپ کا جواب مل جائے تو سب کچھ مل گیا۔ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَاالنَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُه․

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَقَبْرِیْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهُ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا (یا سلام عرض کرے گا) وہ میں خود سنوں گا، اور جو کہیں دور سے بھیجے گا تو وہ مجھے پہونچا دیا جائے گا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

(تشریح) اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ کو صرف وہی درود وسلام پہونچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے، لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہونچادے اور وہ وہاں حاضر ہو کہ صلوٰۃ وسلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفسِ نفیس سنتے ہیں، اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ بندے جو روزانہ سیکڑوں یا ہزاروں بار صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا جواب پاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر ساری عمر کے صلوٰۃ وسلام کا ایک ہی دفعہ جواب مل جائے تو جن کو محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہے ان کیلئے وہی دو جہاں کی دولت سے زیادہ ہے۔ کسی محب نے کہا ہے۔

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب

کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

درود وسلام کی حکمتیں وفوائد

درود شریف کی حکمتوں مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں، لیکن اس کی جو خاص خاص حکمتیں معلوم ہو چکی ہیں ان کو یہاں لکھ دیتا ہوں۔

درود شریف سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے:

درود وسلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد مقدس ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور ان میں سب سے اکرم وافضل خاتم النبیین رحمۃ للعالمین سیدنا وحبیبنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جب ان کے بارے میں یہ حکم دیا گیا کہ ان پر درود وسلام بھیجا جائے یعنی آپ ﷺ کیلئے خاص الخاص عنایت ورحمت وسلامتی کی دعا کی جائے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں، اور جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء علیہم السلام کیلئے خصوصاً نبی کریم ﷺ کیلئے درود وسلام اور آپ ﷺ کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات کی دعائیں مانگتا ہے تو یہ دعا گو کسی مخلوق اور کسی نبی علیہ السلام کا پرستار کیسے ہو سکے گا۔

درود وسلام دراصل اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری ہے:

نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا دراصل اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری اور دین اسلام، قرآن وسنت کی قدر دانی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ درود بھیجنے والا بندہ دین اسلام پر راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن کے ذریعے یہ نعمت ملی ہے اس کا بھی قدر دان ہے اور ان کیلئے دعا گو ہے۔

درود شریف کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کی دلیل ہے:

درود شریف کا پڑھنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری کا اظہار ہے۔ درود وسلام پڑھنے والا اپنے عمل اور اپنی دعا کے ذریعے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا وفادار اور نبی کریم ﷺ کا خیر خواہ اور وفادار ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول

ﷺ کے ساتھ وفاداری دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ وفاداری اور اس کی سچی بندگی کی دلیل ہے۔

درود شریف کی وجہ سے آپ ﷺ کی توجہات بڑھ جاتی ہیں:

درود وسلام کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی توجہات بڑھ جاتی ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر آپ ﷺ کے اُمتیوں کا درود وسلام پیش ہوتا ہے تو آپ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کیلئے دُعائیں کرتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر آپ ﷺ کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص آپ ﷺ کیلئے دُعائیں کرتا ہے اور آپ ﷺ کی وجہ سے آپ ﷺ کے گھر اور خاندان والوں کیلئے اچھی سے اچھی دُعائیں برابر کرتا رہتا ہے اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں مانگتا جتنا آپ ﷺ کیلئے مانگتا ہے اور یہی اسکا محبوب مشغلہ ہے تو آپ ﷺ کے دل میں اس کی کیسی قدر ومحبت اور خیر خواہی کا کیسا جذبہ پیدا ہوگا اور آپ ﷺ کی توجہ بھی اس کی طرف لگ جائے گی لھذا جو شخص ایمان واخلاص کے ساتھ آپ ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے تو اس پر آپ ﷺ کی قیامت کے دن کیسی قدر وعنایت ہوگی اور نبی کریم ﷺ نے خود اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ: اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلوٰةً : بے شک قیامت میں لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے (ترمذی)۔

درود شریف کے سبب نبی کریم ﷺ کی محبت بڑھ جاتی ہے:

درود شریف کی وجہ سے بندہ کا تعلق اور محبت حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بڑھ جاتی ہے کیونکہ جو شخص جس کیلئے دُعائیں کرتا ہے اس کا اس سے تعلق اور محبت کا بڑھ جانا تجربہ اور فطرت انسانی سے ثابت ہے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت شریعت مطہرہ میں مطلوب ہے۔

کثرتِ درود سے حسنِ اخلاق نصیب ہوتے ہیں:

جس قدر نبی کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت ہوگی اسی قدر نبی کریم ﷺ کے حسنِ اخلاق سے فیض یابی نصیب ہوگی کیونکہ ہر محب محبوب کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

درود شریف کے سبب سچی اتباع نصیب ہوتی ہے:

درود شریف کے سبب آپ ﷺ کے ساتھ جس قدر محبت بڑھے گی اسی قدر آپ ﷺ کے پُرخلوص رحمت والے جذبات و اخلاق اور آپ ﷺ کی ظاہری و باطنی طور پر سچی اتباع کی توفیق ملے گی اور آپ ﷺ کی سچی اتباع ہی میں دنیا و آخرت کی فلاح کا راز پنہاں ہے۔

درود شریف نفاق کا علاج ہے:

درود شریف کی کثرت نفاق کا علاج ہے، کیونکہ منافق ہرگز اخلاص کے ساتھ آپ ﷺ پر درود شریف نہیں بھیج سکتا لہذا جو شخص کثرت سے درود و سلام کا اہتمام کرے گا تو وہ بالآخر نفاق سے بری ہو جائیگا۔

درود شریف کی کثرت سے روحانی و ایمانی ترقی نصیب ہوتی ہے:

درود شریف کی کثرت سے روحانی و ایمانی ترقیات نصیب ہوتی ہیں کیونکہ یہ ایک اعلیٰ قسم کا ذکر بھی ہے کیونکہ اس میں بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا اور آپ ﷺ کیلئے دُعا کرتا ہے اور دُعا بھی وہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس کو محبوب بھی ہے اور اس میں فرشتوں کے ساتھ ہمنوائی بھی ہوتی ہے اس لئے جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کثرت سے درود شریف پڑھے گا اس کو روحانی و ایمانی ترقیات اور اللہ تعالیٰ کا قرب خاص نصیب ہوگا۔

درود شریف کے سبب قیامت میں نبی کریم ﷺ کی رفاقت نصیب ہوگی:

یہ بات تو معلوم ہو چکی کہ درود شریف کیوجہ سے آپ ﷺ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور بڑھ جاتی ہے اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے یہ بھی واضح ہے کہ بندہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت ہوگی "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (ترمذی) تو اس سے بڑھکر اور نعمت کیا ہوگی کہ جس شخص کو قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ کی معیت اور رفاقت نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آپ ﷺ کے ساتھ جنت الفردوس میں جمع کرے اور آپ ﷺ کی رفاقت نصیب فرمائے (آمین)۔

درود و سلام پر ملنے والے انعامات اور اجر و ثواب کا اجمالی بیان

درود و سلام پر ملنے والے انعامات اور اجر و ثواب کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے علامہ

سخاویؒ وغیرہ سے جو کچھ نقل کیا ہے اس میں سے بعض کو یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ حضرت شیخؒ لکھتے ہیں کہ؛ حضور اقدس ﷺ کے امت پر اس قدر احسانات ہیں کہ نہ ان کا شمار ہو سکتا ہے اور نہ ان کی حق ادائیگی ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر جتنا بھی زیادہ سے زیادہ آدمی درود پاک میں رطب اللسان رہتا وہ کم تھا۔ چہ جائیکہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے لطف و کرم سے اس حق ادائیگی کے اوپر بھی سینکڑوں اجر و ثواب اور احسانات فرما دیئے۔

علامہ سخاویؒ نے اوّل مجملاً ان انعامات کی طرف اشارہ کیا ہے جو درود شریف پر مرتب ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں؛

باب ثانی درود شریف کے ثواب میں:

اللہ جل شانہٗ کا بندہ پر درود بھیجنا اس کے فرشتوں کا درود بھیجنا اور حضور اقدس ﷺ کا خود اس پر درود بھیجنا اور درود پڑھنے والوں کی خطاؤں کا کفارہ ہونا، اور ان کے اعمال کو پاکیزہ بنا دینا اور ان کے درجات کا بلند ہونا اور گناہوں کا معاف ہونا، اور خود درود کا مغفرت طلب کرنا درود پڑھنے والے کیلئے، اور اس کے نامہ اعمال میں ایک قیراط کی برابر ثواب لکھا جانا، اور قیراط بھی وہ جو اُحد پہاڑ کے برابر ہو۔ اور اس کے اعمال کا بہت بڑی ترازو میں تلنا۔ اور جو شخص اپنی ساری دُعاؤں کو درود بنا دے اس کے دنیا و آخرت کے سارے کاموں کی کفایت اور خطاؤں کو مٹا دینا، اور اس کی وجہ سے خطرات سے نجات پانا، نبی کریم ﷺ کا قیامت کے دن اس کیلئے شاہد گواہ بننا اور آپ ﷺ کی شفاعت کا واجب ہونا اور اللہ کی رضا اور اس کی رحمت کا نازل ہونا۔ اور اس کی ناراضگی سے امن کا حاصل ہونا۔ اور قیامت کے دن عرش کے سایہ میں داخل ہونا اور اعمال کے تلنے کے وقت نیک اعمال کے پلڑے کا جھکنا اور حوضِ کوثر پر حاضری کا نصیب ہونا اور قیامت کے دن کی پیاس سے امن نصیب ہونا، اور جہنم کی آگ سے خلاصی کا نصیب ہونا اور پل صراط پر سہولت سے گذر جانا، اور جنت میں بہت ساری بیبیوں کا ملنا۔ اور نادار کیلئے صدقہ کے قائم مقام ہونا اور درود شریف زکوٰۃ ہے اور طہارت ہے اور اس کی وجہ سے مال میں برکت ہوتی ہے، اور عبادت تو ہے ہی اور اعمال میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اور مجالس کیلئے زینت ہے اور فقر اور تنگی معشیت کو دور کرتا ہے، اور اس کے ذریعے سے اسباب خیر تلاش کئے جاتے ہیں اور یہ کہ درود پڑھنے والا قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ کے سب سے زیادہ

قریب ہوگا اور اس کی برکت سے خود درود پڑھنے والا اور اس کے بیٹے اور پوتے متنفع ہوتے ہیں اور وہ بھی متنفع ہوتا ہے جس کو درود شریف کا ایصالِ ثواب کیا جائے، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں تقرب حاصل ہوتا ہے اور وہ بے شک نور ہے اور دشمنوں پر فتح و غلبہ حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ اور دلوں کو نفاق سے اور زنگ سے پاک کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہونے کا ذریعہ ہے اور خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کا ذریعہ ہے، درود شریف بہت بابرکت اعمال میں سے ہے اور افضل ترین اعمال میں سے ہے اور دین و دنیا دونوں میں سے سب سے زیادہ نفع دینے والا عمل ہے [1] اور اس کے علاوہ بہت سے ثواب جو سمجھدار کیلئے اس میں رغبت پیدا کرنے والے ہیں۔ ایسا سمجھدار جو اعمال کے ذخیروں کے جمع کرنے پر حریص ہو اور ذخائرِ اعمال کے ثمرات حاصل کرنا چاہتا ہو۔

علامہ سخاویؒ نے باب کے شروع میں یہ اجمالی مضمون ذکر کرنے کے بعد پھر ان مضامین کی روایات کو تفصیل سے ذکر کیا، ان روایات کو ذکر کرنیکے بعد لکھتے ہیں کہ؛

"ان احادیث میں اس عبادت کی شرافت پر بیّن دلیل ہے کہ اللہ جل شانہٗ کا درود، درود پڑھنے والے پر المضاعف (یعنی دس گنا) ہوتا ہے اور اسکی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے، گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، درجات بلند ہوتے ہیں۔ پس جتنا بھی ہوسکتا ہو سیّد السادات اور معدن السعادات پر درود کی کثرت کیا کر، اس لئے کہ وہ وسیلہ ہے مسرّات کے حصول کا اور ذریعہ ہے بہترین عطاؤں کا اور ذریعہ ہے مضرّات سے حفاظت کا اور تیرے لئے ہر اس درود کے بدلہ میں جو تو پڑھے دس درود ہیں جبّار الارضین والسموٰات کی طرف سے اور درود ہے اسکے ملائکہ کرام کی طرف سے" وغیرہ وغیرہ۔

ایک اور جگہ اقلیشیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ؛

" کونسا وسیلہ زیادہ شفاعت والا ہوسکتا ہے اور کونسا عمل زیادہ نفع والا ہوسکتا ہے اس ذاتِ اقدس پر درود کے مقابلہ میں جس پر اللہ جل شانہٗ درود بھیجتے ہیں اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اور اللہ جل شانہٗ نے اس کو دنیا و آخرت میں اپنی قربت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ یہ بہت بڑا نور ہے اور ایسی تجارت ہے جس میں گھاٹا نہیں۔ یہ اولیاء کرام کا صبح و شام کا مستقل

[1] شاید اس سے مراد دُعا ہو یعنی اعمال میں سب سے افضل ترین دُعا ہے، جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے، واللہ اعلم (مختار)۔

معمول رہا ہے پس جہاں تک ہو سکے درود شریف پر جما رہ کر اس سے اپنی گمراہی سے نکل آئے گا اور تیرے اعمال صاف ستھرے ہو جائیں گے تیری امیدیں برآئیں گی، تیرا قلب متورہو جائیگا اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رضا حاصل ہوگی قیامت کے سخت ترین دہشتناک دن میں امن نصیب ہوگا" (ماخوذ از فضائل درود شریف، ص ۵۱تا۵۵)۔

درودشریف کے خاص کلمات:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا ہم بندوں کو حکم دیا اور بڑے مؤثر اور پیارے انداز میں حکم دیا اور خود رسول اللہ ﷺ نے مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کے وہ برکات اور فضائل بیان فرمائے جو ناظرین کو مندرجہ سابق احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ کے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے درود وسلام کے خاص کلمات بھی تعلیم فرمائے۔ اپنے امکان کی حد تک کتب حدیث کی پوری چھان بین کے بعد اس سلسلہ کی مستند روایات جمع کر کے ذیل میں درج کی جا رہی ہیں واللهُ وَلِيُّ التَّوفِيق.

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ لَقِيَنِيْ كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ اَلا اُهْدِي لَكَ هَدْيَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَقُلْتُ بَلٰى فَاهْدِهَا لِي فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى الِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى الِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ:

مشہور جلیل القدر تابعی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات کعب بن عجرہؓ سے ہوئی (جو اصحاب بیعتِ رضوان میں سے ہیں) انھوں نے مجھ سے فرمایا میں تمھیں ایک خاص تحفہ پیش کروں (یعنی ایک بیش بہا حدیث سناؤں) جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، میں عرض کیا مجھے وہ تحفہ ضرور دیجیے۔ انھوں نے بتایا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتادیا کہ ہم آپ ﷺ پر سلام کس طرح بھیجا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ

ﷺ نے ہم کو بتا دیا ہے کہ ہم تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ " کہہ کر آپ ﷺ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ﷺ ہمیں یہ بھی بتا دیجئے کہ ہم آپ ﷺ پر صلوۃ (درود) کیسے بھیجا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو؛ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ : اے اللہ اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرما حضرت محمد اور حضرت محمد کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے نوازش اور عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھر والوں پر بیشک تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد اور حضرت محمد کے گھرانے والوں پر، جیسے تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھرانے والوں پر، بیشک تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے" (رواہ البخاری و مسلم)۔

(تشریح) حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمن ابن ابی لیلی کو یہ حدیث جس طرح اور جس تمہید کے ساتھ سنائی اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس حدیث کو اور اس درود شریف کو کتنا عظیم اور کیسا بیش بہا تحفہ سمجھتے تھے، اور طبریؒ کی اسی حدیث کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کعب بن عجرہؓ نے یہ حدیث عبدالرحمن ابن ابی لیلیؒ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سنائی تھی اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اس کی کتنی عظمت تھی[1]۔ اسی حدیث کی بیہقیؒ کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ صلوٰۃ یعنی درود کے طریقہ کے بارے میں یہ سوال رسول اللہ ﷺ سے اس وقت کیا گیا جب سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ اس آیت میں صلوۃ و سلام کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں تفصیل سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر صلوۃ بھیجنے کا ہم کو جو حکم دیا ہے اس کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح ہم آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجا کریں؟ صلوۃ کے جو کلمات اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی دوسری حدیثوں میں تلقین فرمائے یعنی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ .... الخ۔ ان سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر ہمارے صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ سے التجا اور استدعا کریں کہ وہ

آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے اور برکتیں نازل فرمائے۔ یہ اس لئے کہ ہم خود چونکہ محتاج و مفلس اور تہی مایہ ہیں، ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ اپنے محسنِ اعظم اور اللہ کے نبی محترم ﷺ کی بارگاہ میں کچھ پیش کر سکیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں استدعا اور التجا کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ اور برکت بھیجے، یعنی آپ ﷺ کی تشریف و تکریم، آپ ﷺ پر نوازش و عنایت، رحمت و رأفت، پیار دُلار میں اور مقبولیت کے درجات و مراتب میں اضافہ فرمائے اور آپ ﷺ کو اپنی خاص برکتوں سے نوازے، نیز آپ ﷺ کے گھر والوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمائے۔

استدعاء "صلوٰۃ" کے بعد "برکت" مانگنے کی حکمت:

صلوٰۃ کے بارے میں پہلے بقدرِ ضرورت کلام کیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تشریف و تکریم، مدح و ثناء، رحمت و رأفت، محبت و عطوفت، رفع مراتب، ارادہ خیر، اعطاء خیر اور دُعائے خیر سب ہی کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندہ پر "برکت" ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کیلئے بھرپور نوازش و عنایت اور خیر و نعمت کا اور اس کے دوام اور اس میں برابر اضافہ و ترقی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہے۔ بہرحال برکت کسی ایسی چیز کا نام نہیں ہے جس کو "صلوٰۃ" کا وسیع مفہوم حاوی نہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ ﷺ کیلئے صلوٰۃ کی استدعا کرنے کے بعد آپ ﷺ کے واسطے برکت یا رحمت کی دُعا اور التجا کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا اور سوال کے موقع پر یہی مستحسن ہے کہ مختلف الفاظ و عبارات میں بار بار عرض و معروض کی جائے، اس سے بندہ کی شدید محتاجی اور صدقِ طلب کا اظہار ہوتا ہے اور سائل اور منگتا کیلئے یہی مناسب ہے۔ اس لئے اس درود شریف میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کیلئے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کی استدعا کے بعد برکت کی التجا بھی کی گئی ہے اور بعض دوسری روایات میں (جو عنقریب درج ہوں گی) صلوٰۃ اور برکت کے بعد ترحم کا بھی سوال کیا گیا ہے۔

درود شریف میں لفظ "آل" کا مطلب:

اس درود شریف میں "آل" کا لفظ چار دفعہ آیا ہے، ہم نے اس کا ترجمہ "گھرانے والوں" کیا ہے۔ عربی زبان اور خاص کر قرآن و حدیث کے استعمالات میں کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو، جیسے بیوی بچے، یا رفاقت اور عقیدت و

محبت، اور اتباع واطاعت کا، جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین، اس لئے نفس لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگلے ہی نمبر پر اسی مضمون کی حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس میں درود شریف کے جو الفاظ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "آل" سے " گھرانے والے'' ہی مراد ہیں یعنی آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور آپ ﷺ کی نسل واولاد، اور جس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی قربت و تزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف حاصل ہے (جو دوسرے حضرات کو حاصل نہیں ہے اگر چہ وہ درجہ میں ان سے افضل ہوں) اسی طرح یہ بھی ان کا ایک مخصوص شرف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان پر بھی درود وسلام بھیجا جاتا ہے۔ اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ازواجِ مطہرات وغیرہ جو لفظ "آل" کے مصداق ہیں، امت میں سب سے افضل ہوں، عنداللہ افضلیت کا مدار ایمان اور ایمان والے اعمال اور ایمانی کیفیات پر ہے جس کا جامع عنوان تقویٰ ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔

اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ ہماری اس دنیا میں بھی جب کوئی مخلص محب اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص مرغوب تحفہ اور سوغات پیش کرتا ہے تو اس کے پیش نظر خود وہ بزرگ اور ان کے ذاتی تعلق کی بنا پر ان کے گھرانے والے ہوتے ہیں اور اس مخلص کی یہ خوشی ہوتی ہے کہ یہ تحفہ ان بزرگ کیساتھ ان کے گھر والے یعنی اہل وعیال بھی استعمال کریں، کسی کیساتھ تعلق ومحبت کا دراصل یہ فطری تقاضا ہے۔ درود شریف بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک تحفہ اور سوغات ہے، اس میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے خاص متعلقین یعنی اہل وعیال کو بھی شریک کرنا بلاشبہ آپ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے، اور اس سے آپ ﷺ کے قلب مبارک کا بہت زیادہ خوش ہونا بھی ایک فطری بات ہے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی کلامی بحث کرنا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔ بہر حال اس عاجز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ درود شریف میں آل محمد سے آپ ﷺ کے گھرانے والے یعنی ازواج مطہرات اور ذرّیت مراد ہے، اور اسی طرح آلِ ابراہیم سے حضرت ابراہیم کے گھرانے والے، قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ بلاشبہ آلِ ابراہیم وہی ہیں جن کو اس آیت میں اہل البیت فرمایا گیا ہے۔

درود شریف کا اوّل وآخر اَللّٰھُمَّ ...... اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ:

درود شریف کو اَللّٰھُمَّ سے شروع کر کے اللہ تعالیٰ کے دو مبارک اور پاک ناموں حمید و مجید پر ختم کیا گیا ہے۔ بعض جلیل القدر ائمہ سلف سے نقل کیا گیا ہے کہ اَللّٰھُمَّ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ کے قائم مقام ہے۔ اور

اس کے ذریعۂ دُعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ تمام اسماء حسنٰی کے ذریعۂ دُعا کی جائے۔ شیخ ابن القیمؒ نے "جلاء الافہام" میں اس پر بڑی نفیس فاضلانہ بحث کی ہے جو اہل علم کیلئے قابل دید ہے انھوں نے بتایا ہے کہ یہ معنیٰ اَللّٰھُمَّ کی مشدد سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کو فلسفہ لغت سے ثابت کیا ہے پھر اس دعوے کی تائید میں چند ائمہ سلف کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ اور حمید و مجید اللہ تعالیٰ کے یہ دو مبارک نام اس کی تمام صفات جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں حمید وہ ہے جس کی ذات میں سارے وہ محاسن وکمالات ہوں جن کی بنا پر وہ ہر ایک کی حمد و ستائش کا مستحق اور سزاوار ہو۔ اور مجید وہ ہے جس کو ذاتی جلال و جبروت اور عظمت و کبریائی بدرجہ کمال حاصل ہو۔ اس بنا پر اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ کا مطلب یہ ہو کہ اے اللہ تو تمام صفات جمال وکمال اور شان جلال کا جامع ہے اس لئے سیّدنا محمد اور آلِ محمد پر صلوٰۃ اور برکت بھیجنے کی تجھ ہی سے استدعا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و برکت کا جہاں ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی اللہ کے ان دونوں ناموں کی اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے انہی کو بالکل اسی طرح خاتمہ کلام بنایا گیا ہے۔ سورۃ ہود میں فرشتوں کی زبانی فرمایا گیا ہے رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

الغرض اَللّٰھُمَّ سے درود شریف کا آغاز اور اِنَّکَ حَمِیْدٌ'' مَّجِیْدٌ'' پر اس کا اختتام اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے اور ان دونوں کلموں کی اس معنویت کا لحاظ کرنے سے درود شریف کا کیف بیحد بڑھ جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (معارف الحدیث، جلد پنجم)۔

حضور اقدس ﷺ سے منقول درود شریف کے چند صیغے:

حضور اقدس ﷺ سے درود شریف کے صیغے بہت زیادہ منقول ہیں ان کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب فضائل درود شریف میں نقل فرمایا ہے یہاں ان میں سے چند کو اختصار کے ساتھ نقل کر دیتا ہوں۔

..... اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا:

اے اللہ! درود بھیج (سیدنا) محمد ﷺ نبی امّی پر اور آپ ﷺ کی آل پر اور خوب سلام بھیج (القول البدیع)۔

..... اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ : اے اللہ (سیدنا) محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر درود نازل فرما اور آپ ﷺ کو ایسے ٹھکانے پر پہنچا جو تیرے نزدیک مقرب ہو (بزار و طبرانی)۔

..... اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَکَ وَرَحْمَتَکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا جَعَلْتَھَا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ : اے اللہ! اپنی خاص نوازشیں، عنایتیں اور اپنی مخصوص رحمت نازل فرما (سیدنا) محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والوں پر جیسے تو نے نازل فرمائیں (حضرت) ابراہیم علیہ السلام پر تو ہر حمد و ستائش کے لائق ہے اور عظمت و کبریائی تیری ذاتی صفت ہے (احمد)۔

..... وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ : اور اللہ تعالیٰ درود نازل فرمائیں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر (نسائی)۔

مختصر درود وسلام:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ : اے اللہ: درود نازل فرما (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور برکت و سلام بھیج۔

اس درود وسلام میں اللہ تعالیٰ سے خاص نوازشوں اور عنایتوں کی دُعا بھی ہے اور برکت کی دُعا بھی اور اس میں سلام یعنی سلامتی کی دُعا بھی ہے اور آپ ﷺ کے آل کیلئے بھی دُعا ہے اور یہ درود وسلام اختصار کے باوجود بہت جامع ہے۔ اس سے بھی زیادہ مختصر درود وسلام یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ : اے اللہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام نازل فرما۔

مختصر ترین درود وسلام:

جب بھی نبی کریم ﷺ کا نام مبارک آئے تو ہر مرتبہ طویل درود وسلام پڑھنا مشکل ہوتا ہے اس لئے

درود شریف کا آسان جملہ یہ تجویز کردیا گیا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَسَلَّمْ:

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود و سلام نازل فرمائے۔

یا اس سے مختصر یوں پڑھا اور لکھا جاتا ہے:

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم:

اللہ تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے آپ ﷺ پر

نبی کریم ﷺ پر منقولہ درود وسلام کے علاوہ خود اچھے کلماتِ درود و سلام بھی تجویز کیئے جاسکتے ہیں لیکن..........

درود و سلام کے جو کلمات اور جملے یہاں نقل کئے گئے ہیں اور اسی طرح بہت سے درود شریف کے صیغے نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں لیکن امت مسلمہ کیلئے یہ پابندی نہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ پر صرف آپ ﷺ کے بتائے ہوئے کلمات ہی کے ذریعہ درود و سلام بھیجے کیونکہ درود و سلام اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے اور دُعا کے کلمات پر پابندی نہیں ہوا کرتی اس لئے ہمارے اسلاف حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین اور بعد کے علماء و عارفین سے اور بھی کلمات منقول ہیں۔

البتہ کلمات ایسے ہوں جو نبی کریم ﷺ کی شان کے منافی نہ ہوں اور نہ ان میں الفاظِ شرک ہوں اور نہ ایسے الفاظ ہوں جن میں شرک کا شائبہ ہو جیسا کہ درود کی بعض کتابوں جیسے درود تاج وغیرہ میں ایسے کلمات پائے جاتے ہیں، جو عوام الناس کیلئے شرک کی راہ ہموار کرسکتے ہیں اور ہمارے جیسے کم علموں کیلئے مناسب یہی ہے کہ ان کلمات کے ذریعہ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجیں جو خود نبی کریم ﷺ سے یا آپ ﷺ کے صحابہؓ سے منقول ہیں۔ البتہ جن کلمات سے درود و سلام پڑھنا ہو ان کلمات کے معنیٰ کو سیکھیں تاکہ ہمارا درود و سلام واقعی صحیح معنوں میں درود و سلام اور اچھی سی اچھی اور بہترین دُعا بن جائے اور ہمارا درود و سلام تلاوت درود کے بجائے صحیح معنوں میں ذکر و دُعا بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں درود و سلام بھیجنے کی توفیق عنایت فرمائے (آمین)۔

درود شریف کے مسائل و آداب:

اب آخر میں درود شریف کے چند آداب اور مسائل فضائلِ درود شریف سے نقل کردیتا ہوں ان کو

پڑھے۔

آداب:

..... جب اسم مبارک لکھے صلوٰۃ وسلام بھی لکھے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھے صرف " ؐ یا " صلعم '' پر اکتفانہ کرے۔

..... درود شریف پڑھنے والے کو مناسب ہے کہ بدن و کپڑے صاف رکھے یعنی جب درود شریف کو بطور وظیفہ پڑھا جائے تو اس کیلئے یہ ادب ہے۔

..... آپ ﷺ کے اسم مبارک سے پہلے لفظ "سیــــدنـــــا" بڑھادینا مستحب اور افضل ہے۔ (نماز سے خارج اور ہر درود شریف کیلئے ادب ہے)۔

مسائل:

..... عمر بھر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے۔

..... اگر ایک مجلس میں کئی بار آپ ﷺ کا نام پاک ذکر کیا جائے تو طحاویؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر بار میں ذکر کرنے والے اور سننے والے پر درود پڑھنا واجب ہے، مگر مفتی بہ یہ ہے کہ (ایک مجلس میں) ایک بار پڑھنا واجب ہے پھر مستحب ہے۔

..... نماز میں بجز تشہد آخیر کے دوسرے ارکان میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔

..... جب خطبہ میں حضور ﷺ کا نام مبارک آوے یا خطیب یہ آیت پڑھے " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً " اپنے دل میں بلا جنبشِ زبان کے "صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ لے (درمختار)۔

..... بے وضو درود شریف پڑھنا جائز ہے اور باوضو نورٌ علیٰ نور ہے۔

..... بجز حضرات انبیاء، حضرات ملائکہ علیہم السلام کے کسی اور پر استقلالاً درود شریف نہ پڑھے، البتہ تبعاً مضائقہ نہیں، مثلاً یوں نہ کہے یا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ آلِ مُحَمَّدٍ بلکہ یوں کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّ عَلىٰ آلِ مُحَمَّدٍ۔ (درمختار)[1]۔

..... درمختار میں ہے کہ درود شریف پڑھتے وقت اعضاء کو حرکت دینا اور بلند آواز کرنا جہل ہے۔

---

[1] مزید تفصیل کیلئے دیکھئے کتاب "فضائل درود شریف" حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رسم ہے کہ نمازوں کے بعد حلقہ باندھ کر بہت چلاّ چلاّ کر درود شریف پڑھتے ہیں قابل ترک ہے۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا عَلیٰ حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

باب

ذکر کے اقسام اور ان کے احکام

اس باب میں ذکر کے اقسام اور ان کے احکام کو پڑھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عام اور موٹی موٹی قسمیں یہ ہیں۔

..... صرف دل اور خیال سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا جس میں زبان کی جنبش نہ ہو

..... دل اور زبان دونوں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔

..... صرف زبان سے ذکر کرنا یعنی الفاظ ذکر تو زبان پر ہوں لیکن ان کے معانی کی طرف دل کا دھیان نہ ہو

ان تینوں میں سے بہترین ذکر دوسری قسم والا ہے کہ دل اور زبان دونوں سے ہو اور اس کے بعد پہلی قسم کہ صرف دل سے ہو اور ادنی درجہ یہ ہے کہ صرف زبان سے ہو انشاء اللہ انکا مفصل بیان آگے آجائے گا۔

ذکر لسانی وزبانی کی اقسام

لسانی وزبانی ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ زبان سے بالکل آہستہ آہستہ اس طرح ذکر کیا جائے کہ منہ سے آواز نہ نکلے اس کو ذکر سری یا خفی ذکر کہتے ہیں دوسری قسم یہ ہے کہ منہ سے آواز نکلے اس کو ذکر جہری یا ذکر جلی کہتے ہیں۔

ذکر جہری کی اقسام:

ذکر جہری کی تین قسمیں ہیں:

..... پہلی قسم یہ ہے کہ پوری قوت اور زور کے ساتھ آواز کو منہ سے نکالا جائے جیسا کہ کوئی اعلان کرتا ہے یا نعرہ لگاتا ہے یا اذان دیتا ہے اس کو قرآن مجید کی اصلاح میں "الجھر" کہا جاتا ہے (جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان عنقریب آئے گا) اور علماء اس جہر کیلئے "رفع الصوت" جہر شدید، پکار، چیخنے، چلانے کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جہر کی یہ قسم اگر عام حالات میں ہو اور بے ضرر ہو تو اسی میں علماء کا اختلاف ہے

..... جہر کی دوسری قسم وہ کمزور اور ہلکی آواز ہے جو منہ سے تو نکلے لیکن دوسروں کی سمجھ میں نہ آئے جیسا کہ شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ یہ صورت جہر کی کمزور ترین صورت ہے جس کو بعض علماء خفی

اور سر کے حکم میں سمجھتے ہیں۔

...... جہر کی تیسری قسم وہ ہے کہ جو سری اور جہر شدید کے درمیان ہو با الفاظ دیگر یہ وہ ذکر ہے جو کہ سر اور خفی کی حد سے تو نکل جائے لیکن جہر شدید یعنی چیخنے چلانے کی حد تک نہ پہنچے بلکہ اس سے کم ہو اس کو علماء اسلام جہر معتدل یا جہر متوسط اور قرآن مجید کی اصلاح میں دون الجہر سے تعبیر کیا جاتا ہے جہر کی یہ دونوں صورتیں یعنی دوسری اور تیسری شرائط کے ساتھ متفقہ طور پر جائز ہیں۔

...... جہر کی چوتھی قسم جہر مضر ہے۔ یہ جہر کی وہ قسم ہے جس میں خود ذاکر کو نقصان پہنچے یا دوسرے مسلمان کو نقصان ہو یا کسی مسلمان کے سونے اور آرام میں خلل آجائے جس طرح رات کو لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ کا انعقاد کرنا جس سے لوگوں کی نیند خراب ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ ذکر جہر جس سے مسلمانوں کو ایذاء پہنچے وہ جہر مضر ہے جس کو بعض علماء جہر مفرط سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ذکر سری و جہری کے احکام

دین اسلام میں بعض حالات اور مواقع ایسے ہیں جس میں شریعت مطہرہ نے ذکر بالجہر کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں امام کیلئے جہراً قراءت کا حکم ہے اسی طرح تکبیرات تشریق جو کہ عید الاضحیٰ کے دنوں میں فرض نمازوں کے بعد جہراً پڑھی جاتی ہیں ان صورتوں میں بجائے جہر کے سری قرأت کرنا یا تکبیرات تشریق آہستہ پڑھنا شریعت کے خلاف ہے اسی طرح جن مواقع اور حالات میں شریعت مطہرہ نے جہر کی بجائے سری ذکر کا حکم دیا ہے مثلاً ظہر وعصر کی نمازوں میں قراءت کرنا تو ایسی صورت میں جہری قراءت کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

عام حالات میں جہر معتدل متفقہ طور پر جائز ہے:

جن حالات و مواقع میں شریعت نے ذکر کی کسی قسم یعنی سری یا جہری کو متعین نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً ذکر کا حکم دیا ہے اور ترغیب بھی دی ہے ایسے عام حالات و مواقع میں تلاوت قرآن کریم، دعا، تہلیل، تسبیح اور استغفار اور دیگر اذکار وغیرہ سراً ہوں یا جہراً اعتدال کے ساتھ انکی ادائیگی قرآن وحدیث اور نبی اکرم ﷺ کے اپنے اعمال مبارکہ، صحابہ کرامؓ اور اسلاف سے متفقہ طور پر ثابت ہے۔

سرّ اور جہر کی حیثیت:

جہر اور سر دونوں ذکر کی شکلیں اور صورتیں ہیں یہ بذات خود مقصود اور عبادت نہیں بلکہ یہ صرف عبادت اور ذکر الٰہی کے ادا کرنے کی صورتیں ہیں لہٰذا ثواب کا تعلق شکلوں، صورتوں اور طریقوں سے نہیں بلکہ ثواب کا تعلق صرف ذکر و عبادت سے ہے چونکہ ذکر انہی صورتوں میں ادا کیا جاتا ہے اس لئے علمائے کرام جب ان شکلوں کی نسبت ذکر کی طرف کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ذکر جہری اور ذکر سری دونوں عبادت ہیں انکا مطلب اس سے یہی ہوتا ہے کہ ذکر جو کہ مقصود ہے وہ عبادت ہے خواہ جہر کی صورت میں ہو یا سر کی صورت میں ہو اور جب ذکر کی طرف ان صورتوں کی نسبت نہیں کرتے تو وہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جہر اور سر دونوں عبادت نہیں اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جہر اور سر بذات خود مقصود اور عبادت نہیں بلکہ عبادت اور کار ثواب تو ذکر ہے اور جہر و سر ذکر الٰہی کی ادائیگی کی صورتیں ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ روزہ ایک عبادت ہے اور اس کے رکھنے کا ثواب ہے لیکن روزہ کسی نہ کسی دن تو رکھنا ہوگا چاہے وہ دن اتوار کا ہو یا منگل کا یا ان کے علاوہ کوئی اور دن ہو لیکن ثواب اتوار یا منگل کے دن کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ مطلق روزہ رکھنے کی وجہ سے ملتا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ منگل کے روز زیادہ ثواب ہے تو یہ ایک عقیدہ بن جائے گا جس کی وجہ سے وہ عمل بدعت بن جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ذکر جہری و سری کے اندر جہر یا سر کی کسی ایک صورت کو عبادت اور کار ثواب سمجھے تو پھر اس عقیدے کے ساتھ ذکر کا عمل بدعت بن جائے گا البتہ اگر کسی خاص موقع پر شریعت نے خود کسی صورت کی تعین کر دی ہو یا ترغیب دی ہو یا فضیلت بیان کی ہو تو پھر اس صورت معینہ میں ثواب زیادہ ہوگا جیسا کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں روزوں کا ثواب ہے اسی طرح اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی اتباع میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھے تو اس کا ثواب بوجہ اتباع عام دنوں کی نسبت زیادہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مطلق جہر و سر کے ساتھ کوئی باعث ثواب و فضیلت چیز لاحق ہو جائے تو پھر نفس جہر و سر پر بھی ثواب ملتا ہے مثلاً جہاں جہر کا حکم ہے یعنی اذان، تکبیرات تشریق وغیرہ میں تو وہاں نفس جہر پر ثواب ملے گا اسی طرح جہاں سر کا حکم ہے وہاں نفس سر پر ثواب ملے گا۔ اسی طرح چند آدمی کسی سواری پر سوار ہونے لگیں تو کوئی ایک شخص جہراً سواری کی دعا پڑھے اور اس کی نیت یہ ہو کہ دوسرے بھی پڑھ لیں گے تو اس جہر پر بھی ثواب ملے گا اور اس ثواب کا باعث نیک نیت ہے

ذکر کی اقسام کا خلاصہ یہ نکلا کہ جہر مضر بالاتفاق ناجائز ہے خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اسی طرح جہر معتدل شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے بالاتفاق جائز ہے اور جہر شدید بالاتفاق وہاں جائز ہے جہاں شریعت نے حکم دیا

ہو یا اس کی ضرورت ہو لیکن اگر عام حالات میں ہو اور بے ضرر ہو تو اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء جائز کہتے ہیں خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد میں اور بعض علماء اس کو مطلقاً نا جائز کہتے ہیں۔ خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد میں اور بعض علماء مسجد میں نا جائز اور خارج مسجد میں جائز قرار دیتے ہیں اس کی تفصیل جہر شدید کی شرائط کے ذیل میں آ رہی ہے۔

جہر معتدل کا جواز اور اس کی شرائط اور منکر کا حکم:

تلاوت و تسبیح، تہلیل، دعا میں جہر معتدل کا جواز قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے متفقہ طور پر ثابت ہے لہٰذا اس کا انکار کرنا قرآن مجید و سنت الرسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کا انکار کرنا ہے البتہ جہر معتدل کیلئے کچھ شرائط ہیں جو ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئیے۔

...... ذکر کو صرف جہر ہی میں منحصر نہ کیا جائے مثلاً جو شخص ذکر جہر نہیں کرتا تو اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ ذاکرین میں سے نہیں۔

...... جہر معتدل کسی کیلئے ایذا و تکلیف کا باعث نہ بنے مثلاً سونے کی جگہ یا سونے کے وقت میں ذکر کرنا تو ایسے وقت قرآن مجید کی تلاوت تہلیل و تسبیح وغیرہ معتدل جہر کی ساتھ بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

...... جہر معتدل ایسے وقت میں نہ ہو کہ جس وقت لوگ عموماً نوافل میں مشغول ہوں تا کہ کسی شخص کی سنت یا نفل نماز میں خلل واقع نہ ہو۔ یاد رہے کہ اس وقت میں بعض علماء کے نزدیک بیان تعلیم و تدریس بھی درست نہیں اور اس کا بیان انشاء اللہ آگے آ رہا ہے۔

...... جہر معتدل سے مسلمانوں کو اجتماعی ایذا و تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو مثلاً دشمن سے لڑنے اور جنگ کی صورت میں جہاں خطرہ ہو کہ کفار و مشرکین آواز سن کر مسلمانوں کے ٹھکانوں وغیرہ کو معلوم کریں گے۔

...... ذکر جہری ہو یا سری اس کے ساتھ کسی اور خرابی کو شامل نہ کیا جائے مثلاً رباب اور باجے وغیرہ جیسے آلات موسیقی کے ساتھ نہ ہو یاد رہے کہ ذکر سری یعنی وہ ذکر جو زبان سے چپکے چپکے ہو یا سانس کے ساتھ ہو اگر اس کے ساتھ بھی رباب اور باجے وغیرہ کو شامل کیا جائے گا تو یہ بھی نا جائز ہے غرض یہ کہ ذکر کے ساتھ خواہ سری ہو یا جہری کسی ایسی چیز یا کام کو شامل نہ کیا جائے جو شریعت مطہرہ میں ممنوع یا نا جائز ہو۔

..... جہر معتدل سے ریا کا اندیشہ ہو اس کا تعلق خود انسان کے اپنے نفس کے ساتھ ہے یعنی اگر لوگ ذکر جہر کرنے والوں کو بزرگ یا بڑا ذاکر شاغل سمجھتے ہوں اور اس کا غالب گمان بھی ہو کہ ذکر جہر کی وجہ سے لوگ میری مدح اور تعریف کریں گے اور میں ریا کاری میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسی صورت میں اچھا یہی ہے کہ ذکر جہری کو اختیار نہ کیا جائے البتہ اگر صرف ریاء کا وسوسہ ہو تو یہ یاد رہے کہ ریا کاری کا وسوسہ ریا کاری نہیں جیسا کہ اس کا بیان "باب ریاء" میں موجود ہے[1]۔

نیز اگر کہیں ذکر جہر کرنے والوں پر فقرے کسے جاتے ہوں مثلاً انہیں ریاء کار کہا جاتا ہو تو ایسی صورت میں ذکر جہر کو اس لئے اختیار نہ کرنا کہ لوگ مجھے ریاء کار کہیں گے تو یہ خود ریا کاری ہے کیونکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ ریا کار نہیں بلکہ مخلص سمجھیں اس کا بیان بھی باب الریاء میں موجود ہے۔

..... جس موقع پر نبی کریم ﷺ سے ذکر ثابت ہو لیکن ذکر جہر ثابت نہ ہو اس موقع پر سنت سمجھ کر ذکر جہر کرنا یا جہر کو سنت تو نہ سمجھا جائے مگر خطرہ یہ ہو کہ لوگ اس موقعہ پر جہر کو سنت قرار دیں گے۔ مثلاً عید الفطر کے موقعہ پر جہراً تکبیریں پڑھنا تو ایسی صورت میں علماءِ احناف ذکر جہر کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اس وقت لوگ جو ذکر جہر کریں گے تو وہ جہر کو سنت سمجھ کر کریں گے اور حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ عید الفطر کے دن عید گاہ کو جاتے وقت اور عید الفطر کے دنوں میں جہراً تکبیروں کو سنت قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دونوں شاگرد حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ دونوں بھی اسی کے قائل ہیں کہ عید الفطر کے ایام میں جہراً تکبیریں ہونی چاہیں بلکہ امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت جہراً تکبیروں کی منقول ہے لیکن مشہور قول کے مطابق اس موقع پر حضرت امام ابو حنیفہؒ جہراً تکبیروں کو بدعت یا ناپسندیدہ کہتے ہیں کیونکہ یہ جہر کا وقت تھا پھر بھی نبی کریم ﷺ نے جہر نہیں کیا۔ اس لئے یہ بدعت یا ناپسندیدہ ہے اور اس وقت جہر کے بجائے اخفاء افضل ہے۔ (حاشیہ طحطاوی، ص ۲۹۰)۔

---

[1] باب ریاء حضرت جواہر الاسلام کا ایک باب ہے اور خود یہ کتاب ذکر اللہ کے فضائل و مسائل بھی اس کا ایک باب ہے لیکن اہمیت و ضرورت کے پیشِ نظر اس کو علیحدہ شائع کیا گیا ہے۔

الدرالمختار اور ملاعلی قاریؒ کی عبارتوں کا مطلب:

شرط مذکورہ کی توضیح حضرت علامہ حصکفیؒ کی عبارت سے اس طرح ہوتی ہے کہ وہ عیدالفطر میں جہراً تکبیریں کہنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"وقالا الجهر به سنةٌ كالا ضحى وهي رواية عنه ووجهها ظاهر لقوله تعالى "وَلِتُكْمِلُوْا العدة ولتكبروا الله على ماهدا كم " ووجه الاول ان رفع الصوت بذكر بدعة فيقتصر على موردالشرع "یعنی حضرت امام یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ دونوں کہتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کی طرح عیدالفطر میں بھی بلند آواز سے تکبیریں کہنا سنت ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت ہے (کہ عیدالفطر میں بھی جہراً تکبیریں سنت ہیں) اور اس کی وجہ (اور دلیل) اللہ تعالیٰ کا یہ ظاہر فرمان ہے "ولتكملوا العدة ......الاية "اور تا کہ تم گنتی پوری کرلو اور تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور (حضرت امام صاحبؒ) پہلے قول (یعنی عیدالفطر کے روز جہراً تکبیریں نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر بدعت ہے لہٰذا یہ جہر وہیں تک محدود رہے گا جہاں شریعت کا حکم ہے (الدرالمختار علی حامش ردالمختار، ج ا ص ۵۵۸)۔

اسی طرح کی وضاحت ملاعلی قاریؒ نے بھی کی ہے کہ تکبیرات عیدالفطر کے بیان میں (رفع الصوت بالذكر بدعة) کہا ہے اور اس کے لئے " وَاذْكُرْ رَّبَّكَ " کی آیت بھی پیش کی ہے ان دونوں حضرات کی عبارات میں اگر ذکر سے مطلق ذکر جہر مراد لیں تو ان کی اپنی محولہ عبارات میں تناقض پیدا ہو جائے گا کیونکہ دوسری جگہوں پر ان حضرات نے تصریح کی ہے کہ جہاں مطلقاً ذکر کا حکم ہو وہاں جہر یعنی رفع الصوت افضل ہے لہٰذا "رفع الصوت بالذکر بدعۃ" سے مطلقاً رفع الصوت مراد نہیں بلکہ وہ رفع الصوت مراد ہے جہاں اسے مسنون سمجھ کر کیا جائے یا مسنون سمجھنے کا خدشہ ہو چنانچہ علامہ حصکفیؒ اپنی اسی کتاب الدرالمختار کے باب الحظر والاباحۃ میں فرماتے ہیں کہ:

هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء قيل نعم و تمامه قبيل جنايات البزازية : کیا بلند آواز کے ساتھ ذکر اور دعا مکروہ ہے؟ کہا گیا ہے۔ ہاں، اور اس کا پورا بیان فتاویٰ بزازیہ میں کتاب الجنایات کی شروع ہونے سے تھوڑا پہلے موجود ہے (الدرالمختار علی حامش ردالمختار۔ ج ۵ ص ۲۵۵)۔

یہاں بلند آواز کے ساتھ ذکر و دعا کے متعلق علامہ حصکفیؒ کی رائے واضح ہے وہ کراھت کے قول کیلئے "قیل" کے صیغہ تمریض کو استعمال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کا پورا بیان بزازیہ میں جنایات سے تھوڑا پہلے موجود ہے اور اس کی کراھت پر علامہ حصکفیؒ مطمئن نہیں اس لئے وہاں رجوع کرنے کا اشارہ دے دیا اور خود صاحب فتاوی بزازیہ ذکرِ جہر شدید کو بھی بلا کراھت جائز بتلاتے ہیں جیسا کہ اس کا حوالہ انشاء اللہ تعالی آگے آئے گا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفع الصوت بالذکر بدعۃ میں رفع صوت مطلقاً مراد نہیں بلکہ وہ رفع صوت مراد ہے جسے مسنون سمجھا جائے یا مسنون سمجھنے کا خطرہ ہو۔

اسی طرح ملا علی قاریؒ نے بھی تکبیرات عید الفطر میں جو فرمایا کہ رفع الصوت بدعت ہے وہ بھی مطلقاً مراد نہیں بلکہ اس میں بھی یہی تاویل مذکور کی جائے گی ورنہ ملا علی قاریؒ کی عبارات میں بھی تعارض پیدا ہو جائے گا کیونکہ ایک حدیث کے تحت وہ جہر شدید کو مسجد کے ساتھ مقید کر کے مسجد میں ذکر جہر یعنی بلند آواز کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور پھر وہ متصل ایک دوسری حدیث جس کا مفہوم یہ ذکر کرتے ہیں کہ "حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنوایا تھا جس کا نام بطیحاء تھا اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ جو شخص (دنیوی) باتیں کرنا چاہے یا (عام قسم کے) اشعار پڑھنا چاہے یا "یرفع صوتہ" (کسی وجہ سے) آواز بلند کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ مسجد سے نکل کر اس چبوترے میں آجائے (موطا امام مالک مشکوٰۃ)۔

اس حدیث میں یرفع صوتہ کی شرح میں ملا علیؒ القاری لکھتے ہیں کہ " ولو بالذکر " (اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی زیادہ زور اور بلند آواز سے ذکر کرنا چاہے تو اس کو بھی چاہیے کہ وہ مسجد سے باہر کرے اس کے بعد ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ "یرفع صوتہ" میں ذکر کوئی تصریح موجود نہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہو تو وہ بھی چبوترے میں کیا جائے لیکن اس کے عموم میں ذکر بھی شامل ہو سکتا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ ملا علی قاریؒ خود بھی ذکر جہر کو مکروہ نہیں جانتے بلکہ یہ ان لوگوں کی جماعت میں شامل ہیں جو جہر شدید کو صرف مسجد میں مکروہ سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے "ولو بالذ کر" کی قید لگائی ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ملا علی قاریؒ ذکر جہر اور بلند آواز کے ساتھ ذکر کو مسجد سے باہر جائز قرار دیتے ہیں ورنہ اگر ایک کام بذات خود بدعت ہو تو مسجد کے باہر اس کی اجازت دے دینا کیسے درست ہو سکتا ہے بلکہ یہی حضرت ملا علی قاریؒ ایک حدیث کی شرح میں علامہ مظہرؒ کے حوالے سے ذکر جہر کا جواز اور اس کے فوائد و استحباب کو نقل کرتے ہیں اور اس میں ذکر جہری کی کوئی تردید نہیں کرتے چنانچہ وہ نقل فرماتے ہیں کہ:

" قال المظھر ھذا یدل علی جواز الذکر برفع الصوت بل علی

الاستحباب اذا اجتنب الرياء اظهاراً للدين تعليماً للسامعين وايقاظاً لهم من رقدة الغفلة وايصالاً لبركة الذكر الى مقدار مايبلغ الصوت اليه من الحيوان والشجر والحجر والمدر وطلباً لاقتداء الخير ويشهد له كل رطب ويابس سمع صوته وبعض المشائخ يختار اخفاء الذكر لانه ابعد من الرياء وهذامتعلق بالنية " مظہر نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کرنے کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے جبکہ ریاء (دکھلاوے) سے اجتناب ہو (آگے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) تاکہ دین کا اظہار ہواور سننے والوں کو تعلیم ہواوران کو غفلت کی نیند سے بیدار کیا جائے جہاں تک ذکر کی آواز پہنچے وہاں تک حیوانوں، درختوں اور پتھروں ڈھیلوں کو ذکر کی برکت پہنچ جائے اور دوسروں کو بھی اس کار خیر (یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر) کی ترغیب ہوگی جس کی وجہ سے وہ بھی اس کی اقتداء کریں گے (اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوجائیں گے) وہ اس کے لئے (روز آخرت میں) گواہی دیں گے اور بعض مشائخ نے ذکر خفی[1] کو پسند کیا ہے کیونکہ ذکر خفی ریاء سے زیادہ بعید ہے اور اصل میں اس بات کا تعلق نیت کے ساتھ ہے (مرقاۃ، ج ۳، ص ۱۷۲ تا ۱۷۳)۔

علامہ مظہرؒ کی عبارت صراحت کے ساتھ بتلا رہی ہے کہ اختلاف جہر شدید میں ہے نہ کہ جہر معتدل میں اور علامہ مظہرؒ اور حضرت ملا علی قاریؒ وغیرہ خود جہر شدید کے بھی قائل ہیں کیونکہ وہ خود بلند آواز کے ساتھ جہر کی ترغیب دے رہے ہیں تاکہ گواہ زیادہ ہوجائیں اور ذکر کی برکت ہر چیز کو حاصل ہوجائے نیز غفلت والی نیند سے دلوں کو جگایا جائے اور یہ مذکورہ فوائد جہر شدید کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔

اسی طرح ائمہ متبوعینؒ کا اختلاف عیدین کی زائد تکبیروں میں بھی ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک زائد تکبیریں چھ ہیں دوسرے ائمہ حضرات چھ سے زائد مانتے ہیں اور وہ ان زائد تکبیروں کو مسنون یا واجب قرار دیتے ہیں اس مسئلہ کے متعلق علامہ قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ عید نماز میں چھ سے زائد تکبیریں نہیں ہونی چاہئیں کیونکہ:

" وهوقول اكثر الصحابة رضى الله عنهم وبه اخذ اصحابنا رحمهم الله تعالىٰ لان الجهر بالتكبير بدعة فلايوخذ الا بما اتفق عليه الصحابة رضى

[1] ذکر خفی کیا ہے؟ سری ذکر افضل ہے یا خفی اس کا مستقل بیان انشاء اللہ آگے آرہا ہے۔

اللہ عنہم " اور یہی قول اکثر صحابہؓ کا ہے اور اسی قول کو ہمارے فقہاءؒ نے لیا ہے (کہ چھ تکبیریں ہونی چاہئیں) کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے تو اسی چیز کو لیا جائے گا جس پر اکثر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو (فتاوی قاضی خان علی حامش الہندیہ ج ۱ ص ۱۸۴)۔

علّامہ قاضی خان کی عبارت کا مطلب:

اس مقام پر بھی علامہ قاضی خانؒ کی عبارت کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ چونکہ بلند آواز سے تکبیریں جہاں مسنون ہوں وہاں معینہ مقدار سے زائد تکبیریں مسنون سمجھ کر کہنا بدعت ہے لہذا جس پر صحابہ کرامؓ کی اکثریت کا اتفاق ہو تو صرف اسی کو مسنون اور واجب سمجھ کر کیا جائے اگر عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے اور مطلق جہر کو بدعت کہا جائے تو پھر علامہ قاضی خانؒ کی عبارتوں میں تعارض پیدا ہو جائے گا اور ان کے اقوال و فتاوی سے اعتماد ختم ہو جائے گا کیونکہ علامہ قاضی خانؒ اپنے اسی فتاوی میں فرماتے ہیں کہ:

"ولا باس بالتسبیح والتھلیل وان رفع صوتہ بذالک" یعنی تہلیل (لا الہ الا اللہ) اور تسبیح (سبحان اللہ) پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ بلند آواز کے ساتھ ہو (فتاوی قاضی خان علی حامش الہندیہ ج ۱ ص ۱۶۲ طبع کوئٹہ)۔

لہذا شرط مذکور کا خلاصہ یہ نکلا کہ جہر معتدل ایسی جگہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں جہاں ذکر تو آپ ﷺ سے ثابت ہو لیکن جہراً ثابت نہ ہو اور وہاں اگر جہر کو مسنون سمجھ کر کیا جائے یا مسنون سمجھے جانے کا خطرہ ہو تو پھر اس خطرے کے پیش نظر جہر جائز نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء کی عبارتوں میں غور کیا جائے اور قرآن و حدیث کی طرف مخلصانہ رجوع کیا جائے تو یہی وہ امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا ذکر میں ضروری ہے اور کوئی بھی سنجیدہ عالم یا فقیہ ایسا نہیں جس نے جہر معتدل کا انکار مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہو آخر وہ انکار کیسے کر سکتا ہے جبکہ قرآن و حدیث اور نبی کریم ﷺ کے عمل مبارک اور اسلاف سے ان شرائط کے ساتھ جہر معتدل ثابت ہے اور جس کسی نے انکار کیا اس کے پیش نظر یہی شرائط ہوتے ہیں جیسا کہ فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہوا ہے کہ ان کا اختلاف مطلقاً ذکر جہر میں نہیں بلکہ ان کا اختلاف ایسے مواقع میں ہے جہاں کوئی اس ذکر کی شرائط کا خیال نہ رکھتا ہو مثلاً اسے سنت قرار دیتا ہو تو وہاں علماء اس سنت اور مستحب ہونے کی تردید کرتے ہیں اسی طرح ذکر جہر کو کوئی کسی موقعہ کے ساتھ خاص کرتا ہو جس موقعہ کی خصوصیت شریعت مطہرہ میں ثابت نہ ہو مثلاً ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کو تکبیرات کے ساتھ خاص کرنا اس خصوصیت کو بعض علماء بدعت کہتے ہیں۔

جہرِ شدید کب جائز ہے:

شریعت مطہرہ نے بعض حالات اور بعض ضرورتوں کے تحت ذکر جہر یعنی شدید جہر کی بھی اجازت دی ہے بلکہ بعض موقعوں پر اس کی ترغیب بھی دی ہے جن مواقع میں جہر شدید بہتر یا جائز ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) اذان دیتے وقت بہتر یہ ہے کہ پورے زور اور قوت سے اذان دی جائے جیسا کہ یہ بات اذان کے بیان میں آ چکی ہے کہ جہاں تک موذن کی آواز پہنچتی ہے وہاں سے شیطان بھاگتا ہے نیز موذن کی اذان توحید اور ذکر ودعوت پر مشتمل ہے۔لہذا اس پر پتھر اور درخت وغیرہ گواہ بن جاتے ہیں اور چونکہ اذان سے مقصد لوگوں کو نماز کی طرف بلانا ہے لہذا جتنی اونچی آواز میں اذان ہو اتنا ہی بہتر ہے۔

(۲) حج اور عمرہ کے وقت تلبیہ یعنی "لبیک اللھم لبیک...... " حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ پوری قوت اور خوب اونچی آواز سے تلبیہ کہا جائے۔

(۳) تکبیرات تشریق یعنی عید الاضحیٰ کی نماز کو جاتے وقت راستوں میں پوری قوت اور خوب اونچی آواز کے ساتھ "اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الااللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد " کہنے کی اجازت ہے اور جہر معتدل سنت ہے نیز اس موقع پر فرض نمازوں کے بعد جہر سے تکبیریں کہنا سنت موکدہ بلکہ واجب ہیں۔

(۴) درس وتدریس، وعظ وبیان، خطبہ وقراءت میں جہر شدید جائز ہے بلکہ مجمع بڑا ہو تو اچھا اور بہتر یہ ہے کہ پوری قوت سے آواز نکالی جائے تاکہ سننے والے وعظ ونصیحت اور قراءت کو سن سکیں۔

(۵) کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ عین لڑتے وقت تکبیر وغیرہ جیسے ذکر واذکار پکار کر کہنا بھی جائز ہے تاکہ مسلمانوں کا شوق بڑھے اور کفار پر رعب طاری ہو۔

(۶) چونکہ ضرورت کے تحت ذکر جہر شدید بھی جائز ہے اس لئے اگر کوئی مسلمان ایسا ہے کہ جو وساوس کا شکار ہو اور نماز میں اور ذکر میں دھیان نہیں رہتا جیسا کہ آجکل مسلمانوں کی عام حالت یہی ہے تو ایسی صورت میں بھی جہر شدید حسب ضرورت جائز ہے۔ تاکہ یکسوئی حاصل ہو جائے اور نماز، ذکر میں خشوع اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد حاصل ہو جائے۔

(۷) عام حالات میں بھی جہاں سر اور جہر کا تعین نہ ہو اور ذکر جہر سے کسی خرابی اور نقصان کا اندیشہ

بھی نہ ہو اس وقت بھی بعض علماء کے نزدیک یہ جہر جائز ہے لیکن اس صورت میں چونکہ خود اپنے آپ کو فضول اور بلاوجہ مشقت اور سختی میں ڈالنا ہے اس لئے بلا ضرورت اور بلا کسی خاص کیفیت اور حالات خاصہ کے قصداً چیخنا اور چلا کر کر ذکر و تلاوت کرنا درست نہیں خصوصاً دعا میں اگر زیادہ زور سے آواز نکالی جائے تو اس میں تذلل اور انکساری کی شان باقی نہیں رہتی اور اذکار میں دعا ہی ایسی عبادت ہے جس میں تذلل اور عاجزی کا زیادہ اظہار ہوتا ہے اس لئے اس میں مذکورہ بالا امور کی زیادہ رعایت رکھنے کا حکم دیا ہے۔

جہرِ شدید یعنی بلند آواز کے ساتھ ذکر بعض اوقات میں بالاتفاق ناجائز ہے:

جہر شدید کے حکم کا خلاصہ یہ نکلا کہ مذکورہ بالا صورتوں میں ذکر جہر شدید میں کسی کا اختلاف نہیں وہ بالاتفاق جائز ہے لیکن بلا ضرورت جہر شدید بعض کے نزدیک خارج مسجد و داخل مسجد دونوں میں جائز ہے اور بعض حضرات کے ہاں داخل مسجد میں ناجائز ہے کیونکہ اس میں مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے اور خارج مسجد میں جائز ہے بعض علماء سے جہر شدید کی ممانعت کی جو عبارات منقول ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہاں شرائط مذکورہ کے بغیر ذکر جہر بدعت یا ناپسندیدہ ہو جاتا ہے مثلاً علامہ آلوسیؒ ایک طرف ذکر جہر شدید کے ثبوت بلکہ اس کی فضیلت کو نقل کر کے اس کی تائید بھی کرتے ہیں اور جیسا کہ اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ آگے آجائے گی۔ (دیکھئے روح المعانی، ج ۱۶، ص ۶۲ ج ۸ ص ۱۴۰) لیکن دوسری طرف یہی علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں؛

"وترى كثيراً من اهل زمانک يعتمدون الصراخ في الدعاء خصوصاً في الجوامع حتى يعظم اللغط ويشتدوتستک المسامع وتستدو لايدرون انهم جمعوا بين بدعتين رفع الصوت في الدعا وكون ذلک في المسجد"

تم اپنے اہل زمانہ میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھو گے جنھوں نے دعا میں چلانے کو اپنی عادت بنا رکھا ہے خصوصاً جامع مسجدوں میں حتیٰ کہ ان میں اس قدر شور و شغب ہوتا ہے کہ کان بہرے اور بند ہو جاتے ہیں اور وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ انہوں نے دو بدعتیں جمع کی ہیں ایک بلند آواز کے ساتھ دعا اور دوسرے مسجد میں آواز بلند کرنا۔ (روح المعانی، ج ۸، ص ۱۳۹)۔

حضرت علامہ آلوسیؒ کے دور میں دعاؤں میں سے اس قدر مبالغہ کیا جاتا تھا اور اس قدر زور سے دعائیں مانگی جاتی تھیں جس سے کان بہرے اور بند ہو جاتے تھے تو ان دو مختلف عبارتوں میں سوچنے والوں کیلئے کافی رہنمائی ملتی ہے کہ حضرت علامہ آلوسیؒ کے نزدیک ایک طرف بلا ضرورت شدید جہر کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے نیز اس قدر شدید جہر جس سے کان بند ہو جاتے ہوں وہ ایسے جہر کو مسجد کے اندر بدعت قرار دیتے ہیں لہٰذا اس میں جو رفع الصوت یعنی بلند آواز ہے اس سے وہ آواز مراد ہے جو حد اعتدال سے بڑھ گئی ہو اور جہر مضر میں داخل ہو گئی ہو بعد میں آنے والے حوالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حد اعتدال میں رہتے ہوئے ذکر جہر کرنے کے وہ خود نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس کو بہتر اور افضل مانتے ہیں۔

مساجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور فقہائے کرام:

علامہ علاء الدین محمد بن حصکفی حنفیؒ اپنی کتاب الدر المختار میں احکام مسجد کے بیان میں فرماتے ہیں کہ:

"ویحرم فیه السوال ویکره الاعطاء مطلقاً وقیل ان تخطی وانشاد ضالة او شعر الا فیه ذکر و رفع صوت بذکر "مسجد میں سوال حرام ہے اور (سائل کو) دینا مطلقاً مکروہ ہے اور کہا گیا ہے کہ (لوگوں کی) گردنیں پھلانگ کر تب سائل کو دینا مکروہ ہے[1] (ورنہ نہیں) نیز مسجد میں گم شدہ چیز اور سوائے ایسے اشعار جن میں ذکر و نصیحت ہو (دوسرے فضول) اشعار اور ذکر پر آواز بلند کرنا بھی مکروہ ہے (الدر المختار علی حاشی رد المختار ج ۱ ص ۴۴۳ تا ۴۴۴)۔

مساجد میں آواز بلند کرنے کے عدم جواز کی بنیاد:

مساجد میں ذکر پر آواز بلند کرنے کی حرمت یا کراہت کی بنیاد مندرجہ ذیل حدیثوں پر ہے۔

...... حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد میں سو رہا تھا کہ کسی شخص نے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ ہیں تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان دو آدمیوں کو میرے پاس لاؤ (جو مسجد میں بلند آواز کے ساتھ باتیں کرتے ہیں) میں نے انکو بلایا حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ یا یوں فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو یا یوں فرمایا

---

[1] کیونکہ اس صورت میں نمازیوں اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور انتشار پیدا ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ فقیر کو مسجد میں صدقہ دیا گیا ہے۔ واللہ علم۔

کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: " لو کنتما من اهل المدينة لا وجعتكما ترفعان اصواتكم في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم " اگر تم مدینہ (منورہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا یعنی پٹائی کرتا (لیکن چونکہ تم مسافر ہو اس لئے تمہیں معاف کرتا ہوں افسوس کی بات ہے کہ) تم لوگ رسول ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو (یعنی زور زور سے باتیں کرر ہے ہو) (مشکوۃ بخاری)۔

...... نبی کریم ﷺ نے قیامت آنے سے پہلے چند نشانیاں اور علامات بیان کی ہیں ان میں سے ایک پیشگوئی یہ بھی فرمائی ہے کہ: " وظهرت الاصوات في المساجد " اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہو جائیں گی (مشکوۃ، ترمذی)۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ:

" وقدنص بعض علمائنا بان رفع الصوت في المسجد ولو بالذكر حرام " اور ہمارے بعض علماء (یعنی بعض علمائے احناف) نے صراحت سے فرمایا ہے کہ مسجدوں میں آوازیں بلند کرنا حرام ہے اگرچہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو (دیکھئے المرقاۃ، ج ۱۰، ص ۱۷۱)۔

جن علماء نے مسجد میں زور زور سے باتیں کرنے کو حرام کیا ہے حتی کہ اگر ذکر (یعنی قرآن مجید کی تلاوت، تسبیح وتہلیل وغیرہ) بھی زور زور اور بلند آواز سے کیا جائے تو اس کو بھی حرام بتلایا ہے اگر ان علماء کا مطلب یہی ہو کہ اس کی وجہ سے نمازیوں کی نمازوں میں اور اوراد میں خلل اور تشویش واقع ہو جاتی ہے پھر تو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کسی کو ایذاء دینا اور نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنا حرام ہے لیکن اگر حرمت والے حکم کو مطلقاً مانا جائے تو پھر یہ بات ذکر کے علاوہ باتوں کے متعلق بھی قابل نظر ہے کیونکہ حدیثوں میں یہ ثابت ہے کہ اگر کوئی نماز تلاوت اور ذکر کیلئے مسجد میں آجاتا ہے پھر وہ وہاں کسی سے مباح دنیوی بات بھی کرتا ہے تو اس کی اجازت ہے بلکہ بعض دفعہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنے والوں کی آواز کو سنا تو ان پر غصہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس کے متعلق بطور نمونہ صرف دو حدیثوں کو نقل کئے دیتا ہوں۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جس مصلے پر فجر کی نماز پڑھتے وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک سورج (اچھی طرح) نہ نکل

آتا جب سورج نکل آتا تو آپ ﷺ (نماز اشراق کیلئے یا گھر میں تشریف لے جانے کیلئے) کھڑے ہو جاتے اور (اس بیٹھنے کے دوران) صحابہ کرامؓ (بطریق استہزاء اور مذمت) زمانہ جاہلیت کی باتیں کرتے رہتے اور (ان پر) ہنسا کرتے تھے اور آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے (صحیح مسلم) اور ترمذی کی روایت یوں ہے کہ (اس دوران) صحابہؓ اشعار پڑھتے اور سنتے (مشکوۃ کتاب الادب)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز اور تلاوت میں کوئی مشغول نہ ہو تو اس وقت اگر کوئی مباح بات کرے بشرطیکہ وہ صرف باتوں کیلئے مسجد میں نہ آیا ہو یا ایسے اشعار پڑھے جائیں جن میں توحید یا نبی کریم ﷺ کی مدح کی جاتی ہو تو یہ جائز ہیں اور اشعار پڑھتے وقت آواز تو بلند ہوتی ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ:

حضرت کعب بن مالکؓ نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں ابن ابی حدردؓ سے اپنا قرض مانگا "فارتفعت اصواتهما" یعنی دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں ان کی آوازیں سنیں جب کہ آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تھے چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کعب ابن مالکؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے کعب! کعبؓ نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ" تو آپ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے قرض کا نصف حصہ معاف کردو کعبؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے معاف کردیا اسکے بعد آپ ﷺ نے ابن حدردؓ سے فرمایا کہ اب اٹھ جاؤ اور باقی قرض ادا کرو (صحیح بخاری دیکھئے مشکوۃ کتاب البیوع)۔

یہاں دونوں حضرات کی آوازیں مسجد میں دنیا کے معاملہ میں اس قدر بلند ہو گئیں حتی کہ نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ کے اندر انکی لڑائی کی پوری تفصیل کو سمجھ گئے اس لئے تو کعبؓ سے فرمایا کہ آدھا قرض معاف کردو لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے انہیں آواز بلند کرنے پر نہیں ڈانٹا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد میں لڑنا یا اونچی آواز سے باتیں کرنا مطلقاً جائز ہے بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ مطلقاً باتوں یا بلند آواز سے باتوں کو حرام کہہ دینا صحیح نہیں کیونکہ حرام ایک ایسا حکم شرعی ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا ایسا حکم ہونا ضروری ہے جو صراحت کے ساتھ حرام ہونے پر دلالت کرے نیز وہ حکم ایسا ہو جو یقینی طور پر ثابت بھی ہو البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آواز بلند کرنا خلاف ادب اور مکروہ ہے۔ بہرحال یہ بات تو دنیوی باتوں کے متعلق تھی رہا ذکر کا معاملہ تو اس پر حرام کا حکم لگانے

میں تو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ مساجد بنی ہی اس لئے ہیں کہ ان میں نماز اور تلاوت وذکر جیسے امور خیر ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادمبارک ہے کہ " فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ " ایسے گھروں میں جنکی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے (النور آیت ۳۶)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

" وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا...... الاٰیۃ " اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کیا اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کی (سورہ بقرہ آیت ۱۱۴)۔

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اس وعید سے ڈرے گا وہ مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لینے سے نہیں روکے گا لا یہ کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا نام ایسے انداز میں لے جس سے اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کی بے حرمتی ہوتی ہو یا اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسے انداز میں کرے جس کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں یا ذکر تلاوت کرنے والوں کے ذکر تلاوت میں خلل واقع ہو، رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو منع فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو وہ دنیا کی باتیں بلند آواز سے کرتے تھے نیز وہ وقت بھی ایسا تھا کہ لوگ نماز کیلئے مسجد میں بیٹھے تھے پھر نبی کریم ﷺ کے حجرے کا پاس ہونا بھی ملحوظ تھا جیسا کہ خود حضرت عمرؓ کے الفاظ بتلارہے ہیں کہ تم لوگ رسول ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو اور رہی یہ حدیث جس میں علامات قیامت کے بارے میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ؛

ظھرت الاصوات فی المساجد: اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہوجائیں (الحدیث)

تو اس میں ذکر کو داخل کرنا قابل نظر ہے کیونکہ یہ قرب قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں مسجدیں اذانوں سے گونجتی تھیں ان میں ذکر وتلاوتِ قرآن کی جاتی تھی اور خطبے انہی مساجد میں پڑھے جاتے تھے اور آج تک امت کا یہی معمول چلا آرہا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے اندر اشعار بھی پڑھے جاتے تھے بلکہ شعر پڑھنے والے کیلئے منبر بھی رکھ دیا جاتا تھا تاکہ اس کی آواز تمام بیٹھنے والوں کو پہنچ سکے [1]۔ یہاں اس کے متعلق بطور نمونہ ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ کیلئے منبر رکھوا دیتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ (اپنے اشعار سناتے اور ان اشعار میں) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اظہار فخر کرتے تھے یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (کفار ومشرکین

---

[1] تفصیل کیلئے کتاب جواہر الاسلام کا باب "شعر کا بیان" دیکھیں۔

کے مخالفانہ اشعار کا) مقابلہ کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کے اشعار سے خوش ہوکر) فرماتے تھے کہ:

"ان اللّٰہ یؤید حسان بروح القدس ماناقح اوفاخر عن رسول اللّٰہ ﷺ"

اللہ تعالیٰ حضرت جبریلؑ کے ذریعہ حسانؓ کی مدد اور تائید فرماتے ہیں جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقابلہ یا اظہار فخر کرتے ہیں (صحیح بخاری، مشکوۃ باب البیان و الشعر)۔

بہرحال قیامت کی نشانیوں میں جو آوازیں ظاہر ہوں گی وہ وہی آوازیں ہو سکتی ہیں جو خود دین اسلام کے مخالف ہوں جیسا کہ آجکل مساجد کے لاؤڈ سپیکروں میں سے دنیا کی آوازیں آتی رہتی ہیں اور مساجد میں زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کی بجائے اپنے اپنے قائدین اور لیڈروں کے نام بلند کئے جاتے ہیں۔

نیز مسجد کے مناروں سے ایک دوسرے کے خلاف گالیاں دی جاتی ہیں بلاشبہ یہ ایسے امور ہیں جو عصر حاضر کی پیداوار ہیں اور گویا کہ مساجد ہی لڑائی، تفاخر اور اپنی دلی بھڑاس نکالنے اور اللہ تعالیٰ کے بجائے لیڈروں کے ناموں کو اونچا کرنے کے مراکز اور ذرائع ابلاغ بن گئے ہیں۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بلند آواز اور جہر مفرط کے ساتھ ذکر جہر یا العیاذ باللہ آواز سے باتیں کرنا مسجد میں مطلقاً بلا کراہت جائز ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسجد میں ذکر کے ساتھ آواز اونچی کرنا اور اس کے لئے ایسی مجمل بلکہ مبہم روایت سے حرمت ثابت کرنا قطعاً صحیح نہیں خصوصاً جبکہ نبی کریم ﷺ سے مسجد میں باتوں پر خاموشی ثابت ہے اور آپ ﷺ خود اشعار پڑھوانے کیلئے منبر رکھواتے تھے۔

جہرِ شدید ضرورت کے وقت بالاتفاق جائز ہے:

یہی وجہ ہے کہ محققین علماء بلند آواز کے ساتھ ذکر یا علم کی مجلس درس وتدریس یا وعظ و نصیحت کو اس وقت ناجائز سمجھتے ہیں جبکہ نمازوں کا وقت ہو مثلاً اذان کے بعد لوگ مسجد میں آجاتے ہیں کوئی نفل پڑھتا ہے کوئی نماز کے انتظار میں ہوتا ہے کوئی ذکر و فکر میں مشغول ہوتا ہے یا ایسی نمازیں جنکے بعد سنت اور نفل پڑھنا صحیح ہے تو ان نمازوں کے فوراً بعد زور زور سے ذکر یا تلاوت کرنا جس کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل یا تشویش پیدا ہو تو اس صورت میں بلند آواز سے ذکر نا جائز ہے لیکن اگر خلل واقع نہیں ہوتا تو مسجد میں جہری ذکر تلاوت درس وتدریس اور علمی مذاکرہ جیسے امور خیر اگر معتدل آواز کے ساتھ ہوں تو یہ بالاتفاق جائز ہیں البتہ علماء کا اختلاف بلا ضرورت جہر شدید میں ہے اس کے متعلق علماء کے چند حوالے درج ذیل ہیں۔

حضرت امام نوویؒ شرح مسلم میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ؛

فیہ کراھۃ رفع الصوت فی المساجد یوم الجمعہ وغیرہ وانہ لایرفع الصوت بعلم ولاغیرہ عنداجتماع الناس للصلواۃ لمافیہ من التشویش علیھم وعلی المصلین والذاکرین (واللّٰہ اعلم): یعنی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وغیرہ کے دن مساجد میں آواز بلند کرنا مکروہ اور یہ کہ جب لوگ نماز کیلئے جمع ہوں اس وقت بھی (علم وغیرہ ذکر و تلاوت کے ساتھ) آواز بلند نہ کی جائے کیونکہ اس کی وجہ سے (مسجد میں) جمع ہونے والوں اور نمازیوں (جو سنت و نوافل ادا کرر ہے ہوں) اور ذکر کرنے والوں (یعنی جولوگ ذکر وفکر اور اپنے اوراد میں مشغول ہوں ان کو) تشویش ہوتی ہے اور ان کی نمازوں اور ذکر و تلاوت میں خلل پڑ جاتا ہے) واللہ اعلم (دیکھئے شرح للنوویؒ علی المسلم ج ۲ ص ۱۳۴)۔

حضرت امام نوویؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مسجد میں علم وذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا اس وقت مکروہ ہے جبکہ لوگ نماز کیلئے جمع ہوں کوئی نفل و سنت میں مشغول ہو کوئی ذکر وفکر اور تلاوت میں یا وعظ و نصیحت یا زور زور سے علمی مذاکروں کی وجہ سے نماز پڑھنے والوں کی یا ذکر کرنے والوں کی نماز و ذکر تلاوت میں خلل آ جاتا ہے اس لئے اس وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کی رُو سے مساجد میں بلند اوآز کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے:

فتاوی عالمگیر یہ جو کہ علامہ نظامؒ کی سر پرستی میں سینکڑوں علماء کی جماعت نے تیار کیا ہے اس میں ہے کہ؛

والسادس ان لایرفع فیہ الصوت من غیر ذکر اللّٰہ تعالی : اور چھٹا ادب یہ ہے کہ مسجد میں اللہ تعالی کے ذکر کے سوا اور کوئی آواز بلند نہ کی جائے (فتاوی عالمگیر یہ، ج ۵، ص ۳۲۱)۔

اور اسی فتاوی عالمگیر یہ میں ہے کہ؛

" قاض عندہ جمع عظیم یرفعون اصواتھم بالتسبیح والتھلیل جملۃ لاباس بہ والاخفاء افضل " کسی قاضی یا واعظ کے پاس عظیم جماعت ہو وہ لا الہ اللہ اور سبحان

اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اخفاء افضل ہے(فتاوی عالمگیریہ،ج۵،ص۳۱۵)۔

نیز عالمگیریہ میں فتاوی قنیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ؛

" امام یعتاد کل غداة مع جماعته قراة اية الكرسى و آخر البقرة و شهدالله و نحوها جهراً لاباس به والافضل الاخفاء كذافى القنيه "ایک امام کا معمول یہ ہو کہ وہ ہر صبح اپنی جماعت (والوں) کے ساتھ مل کر آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات اور شہداللہ ..... اور اس طرح کی اور آیات جہراً پڑھتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ افضل اخفاء ہی ہے(عالمگیریہ،ج۵،ص۳۱۷)۔

یہاں امام کے معمول کو بتایا جارہا ہے کہ امام مسجد میں جب صبح کی نماز سے فارغ ہوجائے تو اپنی جماعت کے ساتھ بلند آواز میں تسبیح وتہلیل کرسکتا ہے صبح کی نماز کی قید غالباً اس لئے لگائی کہ اس وقت بعض علماء کا یہ معمول ہوگا کہ وہ نماز کے بعد مل کر بلند آواز کے ساتھ ذکر وتلاوت کرتے ہوں گے یا اس لئے لگائی کہ صبح کی نماز کے بعد چونکہ سنت ونفل نمازیں نہیں ہوتیں لہذا کسی کی نماز وغیرہ میں خلل نہیں پڑتا نیز صبح کا وقت نیند کا وقت ہوتا ہے چپکے چپکے اور خفی ذکر میں نیند آنے لگتی ہے اس لئے اس وقت بلند آواز کے ساتھ ذکر کا معمول رکھا ہوگا (واللہ اعلم)۔

بہرحال اتنی بات ان عبارتوں سے معلوم ہوگئی کہ مسجد میں بلند آواز کے ساتھ اجتماعی ذکر فتاوی عالمگیریہ کی رو سے جائز ہے۔

علامہ کردریؒ اور ذکرِ جہر:

علامہ حافظ الدین محمد کردریؒ فتاوی بزازیہ میں لکھتے ہیں کہ؛

وفى فتاوى القاضى رفع الصوت بالذكر حرام و قد صحّ عن ابن مسعودؓ انه سمع قومًا اجتمعوا فى مسجد يهللون ويصلون عليه الصلوٰة والسلام جهرًا فراح اليهم فقال ما عهدنا ذالك على عهده عليه السلام وما اُراكم الّامبتدعين فما زال يذكر ذالك حتّى اخرجهم عن المسجد فان قلت المذكور فى الفتاوى ان الذكر باالجهر ولو فى المسجد لايمنع احترازًا عن الدخول تحت قوله تعالىٰ " ومن اظلم ممن منع مسٰجدالله ان يذكر

فیھا اسمہ " وصنع ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ یخالف قولکم قلت الاخراج عن المسجد لو نسب الیہ بطریق الحقیقۃ یجوز ان یکون لاعتقادھم العبادۃ فیہ ولتعلیم الناس بانہ بدعۃ والفعل الجائز یجوز ان یکون غیر جائزٍ لغرض یلحقہ فکذاغیر الجائز یجوز ان یجوز لغرض کما ترک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الافضل تعلیمًا للجواز و فی الاعراف فی قولہ تعالیٰ "ادعو ربّکم تضرّعا وخفیہ ای اعبدوہ وارفعوا حوائجکم والضراعۃ الذلۃ والخفیۃ ان لا یدخلہ الریاانہ لایُحبُّ المعتدین ای المشرکین الذین یدعون غیر اللّٰہ تعالیٰ وماروی فی الصحیح انہ علیہ السلام قال لرافعی اصواتھم بالتکبیر اربعو علی انفسکم " انکم لاتدعون اصمًا ولاغائبًا انکم تدعون سمیعًا قریبًا انہ معکم الحدیث یحتمل انہ لم یکن فی الرفع مصلحۃ فقد روی انہ کان فی غزوۃ ولعل رفع الصوت یَجُرّ بلاءً [1] والحربُ خدعۃ ولھذا نھی عن الجرس فی المغازی وامارفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبۃ والحج والاختلاف فی عدد تکبیر التشریق جھرًا لایدل علی ان الجھربہ بدعۃلان الخلاف بناء علی ان کونہ سنۃ زائدۃ علی اصل الفعل فی کم صلاۃ کما اختلفو فی ان سنۃ الاربع من الظھر بتسلیمۃ اولی أم بتسلمتین و ذالک لایدل علی انھا لو بتسلیمتین یکون بدعۃ او حرامًا " یعنی فتاوی قاضی خان میں ہے کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر حرام ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک قوم کے متعلق سنا کہ وہ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں اور بلند آواز کے ساتھ کلمہ اور درود شریف پڑھتے ہیں تو وہ ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں یہ طریقہ نہ تھا اور میں تمہیں بدعتی لوگ خیال کرتا ہوں انہوں نے بار بار یہی کہا حتیٰ کہ ان لوگوں کو مسجد سے نکال دیا (اس کے بعد علامہ کردریؒ سوال و جواب کا سلسلہ شروع کر کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

---

[1] عالمگیری کے حاشیہ پر بزازیہ کی جو عبارت ہے وہ یوں ہے۔" ولعل الصوت فی نحو دبلاد الحروب خدعۃ "لیکن یہ عبارت غلط ہے کاتب سے غلطی ہوگئی اسلئے اسکی تصحیح شامی سے کردی گئی ہے (جلد ۵، ۲۵۵)۔

کہ) اگر تم یہ کہو کہ فتاویٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کسی شخص کو مسجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے نہ روکا جائے تاکہ روکنے والا "ومن اظلم ممن منع ...الآیۃ : اور اس سے بڑھکر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے نام سے روکے" کی وعید میں نہ آ جائے اور حضرت ابن مسعودؓ کا ان لوگوں کا نکالنا تو تمہارے قول کے مخالف ہے۔تو میں جواب میں کہتا ہوں ؛ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ان لوگوں کو نکالنا اگر ثابت ہے [1] تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس جہر (کی صفت) کو عبادت سمجھ لیا تھا (یعنی یہ کہ صرف ذکر جہری ہی عبادت ہے) یہ بات تھی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ یہ (اعتقاد) بدعت ہے اور یہ ممکن ہے کہ جائز کام کسی خارجی سبب سے ناجائز ہو جائے جس طرح ناجائز کام کسی خارجی سبب سے جائز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا بیان جواز کیلئے افضل امور کو ترک کرنا، اور سورۃ اعراف میں جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ :اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اپنی حاجتیں اسی سے مانگا کرو"۔ تضرع کے معنی عاجزی اور خفیہ کا مطلب ہے کہ اس میں ریاء کا دخل نہ ہو، "لایحب المعتدین " میں معتدین سے مراد مشرکین ہے اور وہ حدیث جو صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے بلند آواز تکبیر کہنے والوں سے فرمایا اپنے ساتھ نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے تم تو سمیع وقریب کو پکارتے ہو (الحدیث) (تو یہاں منع کرنے کی وجہ) یہ ہوگی کہ یہاں جہر میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ یہ معاملہ کسی غزوہ اور جنگ کے موقع میں پیش آیا تھا اور ایسی حالت میں جہر کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے اور جنگ تو ایک دھوکہ (دشمن کو دھوکہ دہی سے لڑی جاتی ہے) ہے۔ اسی وجہ سے غزوات میں گھنٹی سے منع کیا گیا ہے (یعنی ایسے مواقع میں جانوروں کے گلوں میں گھنٹی ڈالنا بھی منع کیا گیا ہے) بہر حال ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا جائز ہے جس طرح اذان، خطبہ اور حج میں ہوتا ہے اور تکبیراتِ تشریق جہراً پڑھنے میں عدد کا جو اختلاف ہے وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کو جہراً پڑھنا بدعت ہے کیونکہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ نماز کے اصل نفل پر تکبیرات کی زیادتی کتنی نمازوں میں سنت ہے جیسا کہ اس میں

[1] یاد رہے یہ روایت بہت ضعیف ہے اس لئے علامہ کردریؒ نے یوں فرمایا کہ اگر یہ روایت ثابت ہے تو...............۔

اختلاف ہے کہ ظہر کی چار سنتیں ایک سلام سے اولیٰ ہیں یا دو سلاموں سے اور یہ اختلاف اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ سنتیں دو سلاموں سے پڑھی جائیں تو وہ بدعت یا حرام ہیں (فتاویٰ بزازیہ علی حاشیہ عالمگیری، جلد ۲، ص ۳۷۸ تا ۳۷۹)۔

علامہ کردریؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر کا جواب دیا کہ شاید وہ ذکری عبادت کو جہری میں منحصر سمجھتے تھے اور حدیث "اربعو " کا جواب دیا کہ وہاں جہر مصلحت کے خلاف تھا، قرآن کریم کی آیت "ادعوا ربکم تضرعا وخفیة " کا جواب دیا کہ خفیہ کا مطلب بے ریاء عبادت ہے اسی طرح جوابات دیکر ذکر بالجہر کو صرف اس وقت منع کیا کہ کوئی اس کو یعنی ذکر اور تلاوت کو جہری میں منحصر سمجھے اور جہری کو عبادت خیال کرے نیز ایسی حالت میں بھی ذکر جہر سے روکا جائیگا جبکہ ذکر جہر مصلحت کے خلاف ہو مثلاً جنگ کے موقع پر یا یہ کہ جہر سے کسی کی نماز وغیرہ میں خلل آجاتا ہو۔

علامہ ابن عابدینؒ کے نزدیک ذکرِ جہر:

اسی مسئلہ کو محقق علامہ ابن عابدینؒ نے بھی بیان کیا ہے اور علامہ کردریؒ کی عبارت کو نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ:

وقد حرّر المسئلة فی الخیریة [1] وحمل ما فی فتاوی القاضی علی الجهر المضر و قال ان هناک احادیث اقتضت طلب الجهر واحادیث طلب الاسرار والجمع بینهما بان ذالک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال فالاسرار افضل حیث خیف الریاء اوتأذی المصلین او النیام والجهر [2] افضل حیث خلا مما ذکر لانه اکثر عملا ولتعدی فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع همه الیٰ الفکر ویصرف سمعه ویطرد النوم و یزید النشاط: اور اس مسئلہ کو (علامہ خیر الدین رملیؒ نے بھی) فتاویٰ خیریہ میں تحریر کیا ہے اور فتاویٰ قاضیخان میں جس ذکر جہر کو حرام کہا گیا ہے۔ اس کو (انہوں نے) جہر مضر (یعنی ضرر دہ جہر) پر محمول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن میں ذکر جہر کی ترغیب ہے اور ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن میں سری ذکر کی ترغیب ہے اور ان میں

---

[1] فتاویٰ خیریہ علامہ خیر الدین رملیؒ کی کتاب ہے اور یہ علامہ حصکفیؒ صاحب درمختار کے استاد ہیں۔

[2] اور فتاویٰ خیریہ میں یوں ہے کہ "والجهر ذکر بعض اهل العلم انه افضل" اور جہری ذکر کے متعلق بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ افضل ہے (فتاویٰ خیریہ علی حاشیہ تنقیح الحامدیہ، جلد ۲، ص ۲۸۱)۔

تطبیق اس طرح ہے کہ جہر اور سر اختلاف اشخاص اور اوقات سے مختلف ہوتا ہے لہٰذا جب ریاء کا اندیشہ ہو یا نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کی نیند میں خلل پڑ جانے کا خوف ہو تو سر افضل ہے اور جب یہ خوف نہ ہو تو جہر افضل ہے۔ کیونکہ اس جہر کا فائدہ سامعین (سننے والوں کو) پہنچتا ہے اور یہ (جہری ذکر) ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے تو اس طریقہ سے وہ اپنی دل جمعی سے فکر کرے گا اپنا کان اس کی طرف لگادے گا اور نیند کو دور کرتا ہے اور نشاط اور سرور پیدا کرتا ہے [1] (رد المحتار ج ۵، ص ۲۵۵)۔

علامہ خیر الدین رملیؒ اور علامہ ابن عابدینؒ کی نقل کردہ اس عبارت سے بالکل یہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک بھی شرائط کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ ذکر نہ صرف جائز بلکہ بعض حالات و اشخاص کے اعتبار سے افضل ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف بھی تیز جہر اور زیادہ بلند آواز میں ہے یا بالفاظ دیگر جہر کامل میں ہے کہ جہر کامل ضرر کا سبب نہ بن جائے تو بعض محققین علماء کے نزدیک یہ جائز ہے جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے بھی واضح ہے کہ اس کا فائدہ سامعین کو پہنچتا ہے اور ذکر جہری دل کو بیدار کرتا ہے اور اس سے فکر میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ شیطانی وساوس اور افکار کو زیادہ تیز جہر ہی دور کرسکتا ہے نہ کہ معمولی یا معتدل جہر۔ البتہ بعض محققین علماء جہرِ مفرط اور جہرِ شدید کے قائل نہیں، وہ فرماتے ہیں جب حاجت نہ ہو یعنی کوئی مصلحت [2] تیز جہر میں نہ ہو تو بلا ضرورت جہر شدید صحیح نہیں۔

میری مراد جہرِ شدید سے وہ جہر ہے کہ جو مفرنہ ہو یعنی وہ کسی کو ضرر نہ دے اور حدود شرعیہ کے اندر ہو چنانچہ اگر جہرِ شدید مضر بن جائے تو اس کے ناجائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

امام ابن حجر مکی شافعیؒ کے نزدیک مجالسِ ذکر اور ذکرِ جہری:

امام ابن حجر مکی شافعیؒ صوفیاء کرام کے اوراد واذکار اور مجلس ذکر کے متعلق کچھ دلائل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

واذا ثبت ان لما يعتاده الصوفية من اجتماعهم على الاذكار والاوراد بعد الصبح وغيره اصلا صحيحًا من السنة وهو ما ذكرنا فلا اعتراض عليهم في ذالك ثم ان كان هناك مما يتأذى بجهرهم كمصل او نائم ندب لهم الاسرار: اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ صوفیاء کا جو نماز فجر وغیرہ کے بعد جمع ہو کر ذکر و اوراد

---

[1] نیز دیکھئے فتاویٰ خیریہ علی هامش تنقیح الحامدیہ، جلد ۲، ص ۲۸۱۔

[2] مثلاً اذان، تلبیہ یا وساوس کو دور کرنے اور سوچ کو مجتمع کرنے یا اس طرح کی کوئی اور مصلحت پیش نظر نہ ہو۔

(جہر کے ساتھ) کرنے کا معمول ہے اس کی اصل سنت صحیحہ سے ثابت ہے اور وہ وہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے لہٰذا ان کے اس طرح ذکر کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ پھر اگر وہاں ایسے لوگ ہوں جن کو ان کے جہر سے تکلیف ہوتی ہے مثلاً نماز پڑھنے یا سونے والے (کی نماز اور نیند میں خلل آجاتا ہے) تو پھر ان کیلئے مستحب یہی ہے کہ آہستہ ذکر کریں۔ (دیکھئے مفصل و مدلل حوالہ فتاویٰ حدیثیہ، ص ۶۵)۔

علامہ ابن حجر الھیتمی شافعیؒ کی رائے میں مساجد میں ذکرِ جہری کی مجالس:

فتاویٰ کبریٰ میں ہے کہ:

(وسئل) رضی الله عنه عمااعتاده الصوفية من عقد حلق الذكر والجهر به في المساجد هل فيه كراهة (فاجاب) بقوله لاكراهة: مسجدوں میں ذکر کے حلقوں اور جہری ذکر کا صوفیاءِ کرام کے ہاں معمول ہے۔ اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا۔ کہ کیا اس میں کوئی کراہت ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا نہیں۔

اسکے بعد انہوں نے اپنے اس جواب کو خوب مدلل کیا ہے۔ (دیکھئے الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر الھیتمی الشافعیؒ)۔

محقق علامہ آلوسی حنفیؒ کے نزدیک ذکر جہری:

محقق علامہ آلوسی حنفیؒ "ادعوا ربكم تضرعا وخفية" کے تحت بحث کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

وَفَصَّل آخرون فقالوا الاخفاء افضل عند خوف الرياء والاظهار افضل عند عدم خوفه واولىٰ منه القول بتقديم الاخفاء على الجهر فيما اذا خيف الرياء اوكان في الجهر تشويش على نحو مصلي او نائم او قاري او مشتغل بعلم شرعي وبتقديم الجهر على الاخفاء فيما اذا خلاعن ذالک وكان فيه قصد تعليم الجاهل او نحو ازالة الوحشة عن مستوحش اوطرد نحو نعاس او كسل عن الداعي نفسه او ادخال سرور على قلب مؤمن او تنفير مبتدع عن بدعة اونحو ذالک : اور دوسرے علماء نے تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ چپکے چپکے (ذکر و دعا کرنا) اس حالت میں افضل ہے جبکہ ریاء کا خوف ہو اور اظہار

(یعنی جہری ذکر) اس وقت افضل ہے جبکہ ریاء کا اندیشہ نہ ہو اور اس سے اولیٰ اور بہتر قول یہ ہے کہ (یوں کہا جائے کہ) اخفاء جہر پر اس وقت مقدم ہے جبکہ ریاء کا اندیشہ ہو یا جہر کرنے کی وجہ سے نمازی، سونے والے یا تلاوت کرنے والے یا شرعی علم میں مشغول ہونے والے کو تشویش ہوتی ہے۔ اور جہر اخفاء پر اس وقت مقدم ہوگا جبکہ وہ ان سے خالی ہو اور اس میں کسی جاہل کی تعلیم یا کسی گھبرائے ہوئے شخص کی وحشت اور گھبراہٹ کو یا کسی اونگھنے والے کی اونگھ کو دور کرنا مقصود ہو یا دعا کرنے والے کو اپنے نفس سے سستی دور کرنا مقصود ہو۔ یا کسی مومن کے دل کو مسرور اور خوشی پہنچانے یا کسی بدعتی کو اس کی بدعت سے باز رکھنا یا اس جیسی کوئی اور وجہ موجود ہو (تو پھر جہر اخفاء پر مقدم ہے) (روح المعانی، جلد ۸، ص ۱۴۰)۔

نیز حضرت علامہ آلوسیؒ، علامہ نوویؒ کے حوالہ سے دوسرے مذاہب کو بھی اس سلسلے میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

والذی نص علیہ الامام النووی فی فتاویہ ان الجہر بالذکر حیث لامحذور شرعیًا مشروع مندوب الیہ بل ھو افضل من الاخفاء فی مذھب الامام الشافعی وھو ظاھر مذھب الامام احمد واحد الروایتین عن الامام مالکؒ بنقل الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وھو قول قاضیخان فی فتاویہ فی ترجمۃ مسائل کیفیۃ القرأۃ وقولہ فی باب غسل المیت یکرہ رفع الصوت بالذکر فالظاھر انہ لمن یمشی مع الجنازۃ کما ھو مذھب الشافعیۃ لامطلقا: اور جس پر امام نوویؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شرعی مانع نہ ہو تو امام شافعیؒ کے مذہب میں جہری ذکر نہ صرف جائز و مستحسن ہے بلکہ چپکے چپکے ذکر سے افضل ہے اور یہی امام احمدؒ کا ظاہر مذہب ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام مالکؒ کی بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے (کہ ان کے نزدیک بھی سری سے جہری افضل ہے) اور قاضی خان نے بھی اپنے فتاویٰ کے مسائل قراءت کے بیان میں یہی قول اختیار کیا ہے اور انہوں نے جو باب غسلِ میت میں یہ کہا ہے کہ ذکر جہر مکروہ ہے تو ظاہر یہی ہے کہ ان کا یہ قول صرف جنازہ کے ساتھ ذکر کرنے کے متعلق ہے جیسا کہ شافعیہؒ کا مسلک ہے اور انہوں نے مطلقًا جہری ذکر سے منع نہیں کیا ہے (روح المعانی، جلد ۱۶،

ص ۱۶۲)۔

حضرت علامہ آلوسیؒ نے اس کے بعد ذکر جہر پر آخر تک بہت مفصل بحث کی ہے اور امور جہر کو بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جہر و اخفاء میں سے کونسی صورت افضل ہے۔ جہر یا اخفاء؛ اس میں علماء کا اختلاف بھی اور اشارۃً اپنے رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ ان کے نزدیک اگر جہری دعا میں کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر جہری دعا کے بجائے خفی دعا افضل ہے[1]۔

علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفیؒ کے نزدیک ذکر جہری کی مجالس:

علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ:

> وَنص الشعرانی فی ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور مالفظه واجمع العلماء سلفًا و خلفًا علی استحباب ذکر الله تعالیٰ جماعةً فی المساجد وغیرها من غیر نکیر الا ان یشوش جهر هم بالذکر علی نائمٍ و مصَلٍ او قاری قرآنٍ کما هو مقرر فی کتب الفقه : اور امام شعرانیؒ نے (اپنی کتاب) "ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور" میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ متقدمین اور متأخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مسجدوں وغیرہ میں بغیر کسی نکیر کے جماعتی شکل میں ذکر کرنا مستحب ہے۔ مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی اور تلاوت کرنے والے کو تشویش ہوتی ہو (تو پھر جہر درست نہیں ہے)۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے (طحطاوی علی المراقی الفلاح، ص ۱۷۴، فصل سنت الاذکار)۔

تقریبًا اسی طرح کی عبارت علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی نقل کی ہے (دیکھئے ردالمحتار، جلد ۱، ص ۴۴۴ مطلب فی رفع الصوت بالذکر) یاد رہے کہ علامہ شعرانیؒ جو اجماعی قول نقل کرتے ہیں وہ جہر مفرط اور جہر شدید کے متعلق نہیں بلکہ یہ جہر معتدل اور اس جہر کے متعلق ہے جو کہ جہر شدید (جیسا کہ اذان وغیرہ میں ہوتا ہے) اس سے کم ہو ورنہ جہر مفرط میں تو اختلاف موجود ہے، جیسا کہ پہلے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اس پر بحث آرہی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ذکر جہر:

---

[1] ذکر کی کونسی صفت افضل ہے اس پر انشاء اللہ بحث کی جائیگی (تفصیل کیلئے دیکھئے روح المعانی، جلد ۱۶، ص ۱۶۲ تا ۱۶۳)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جو کہ مسلک دیو بند کے اکابرین میں سے ہیں بلکہ دیو بند کے مسلک کی بنیاد انہی کو سمجھا جاتا ہے وہ اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

امام صاحبؒ نے جہر کو بدعت اس موقع پر فرمایا ہے جہاں ذکر کا موقع ہے وہاں جہر ثابت نہیں جیسا کہ عید الفطر کی نماز کو جاتے ہیں مطلقاً ذکر جہر کو منع نہیں فرمایا، ذکر ہر طرح درست ہے۔(دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ، ۵۹۵)۔

اکابر علماء دیو بند کے نزدیک مساجد میں جہری ذکر کی مجالس:

صوفیا کرام جو بعد نماز مغرب مساجد میں حلقہ کرتے ہیں کودتے چلاتے اور "ھو حق" کرتے ہیں کہ جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں شور و غل پڑ جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

تو حضرت نے جواب دیا!

(جواب) بعض علماء نے مسجد میں رفع صوت کو اگرچہ بذکر ہو مکروہ لکھا ہے لہذا مسجد میں اسکا نہ ہونا مستحسن ہے، خصوصاً ایسی صورت میں کہ تماشا گاہِ عوام ہو جاوے یا مسجد کا نقصان ہو اگرچہ ذکر جہر یا بکاء اور نالہ مسجد میں جائز بھی ہو فقط۔(فتاوی رشیدیہ ص ۵۳۰ تا ۵۳۱)۔

سوال میں جو صورت لکھی ہے وہ آپ کے سامنے ہے کہ کودتے ہیں چلاتے ہیں جس کے تماشے میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور شور و غل ہو جاتا ہے اور جواب میں حضرت گنگوہیؒ نے "رفع الصوت" یعنی بلند آواز کے متعلق فرمایا کہ یہ بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے یعنی "چلانا" جو کہ جہر مفرط ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد میں مکروہ ہے یا بلا کراھت جائز ہے تو حضرت نے مذکورہ صورت جبکہ اس میں چلانے کے ساتھ کودنا وغیرہ بھی شامل ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں، کہ جبکہ "رفع الصوت" یعنی بلند آواز میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد میں ہونی چاہئے یا کہ نہیں تو جب اسی کے ساتھ دوسری برائیاں بھی شامل ہو جائیں۔تو اس کے غیر مستحسن یا نا جائز ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے اور اس فتوے میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء کا اختلاف اس جہر شدید و جہر مفرط میں ہے جو کہ بلا ضرورت ہو ورنہ حضرت گنگوہیؒ یوں کہتے کہ چلانا تو جہر مفرط ہے یہ تو بالاتفاق مکروہ ہے اور پھر مسجد میں مکروہ پر مکروہ ہے اور جب اس کے ساتھ کودنا وغیرہ بھی شامل ہو جائے پھر تو بالاتفاق حرام ہو جائے گا۔ لیکن ان کے فتویٰ کو خوب غور سے پڑھیں تو اس میں کوئی ایسا لفظ آپ کو نظر نہیں آئے گا بلکہ یہاں چلانے کو جبکہ اس میں کودنا بھی شامل ہو جائے غیر مستحسن امر قرار دیا۔واللہ اعلم۔

بہتان اورجھوٹے پروپیگنڈے:

بعض لوگ جب بھی بعض صوفیاء کے متعلق ایسے فتویٰ کو دیکھتے ہیں کہ ان کی نازیبا حرکت پر کسی عالم یا فقیہ نے تنقید فرمائی ہے تو وہ جب کسی سے سنتے ہیں کہ فلاں جگہ مسجد یا خانقاہ میں لوگ آکر جہر ذکر کرتے ہیں تو وہ ان پر فتوے لگانا شروع کردیتے ہیں اوران کے خلاف جھوٹ اور بہتان باندھ کر یوں کہتے ہیں کہ وہ کودتے ہیں، چھلانگیں لگاتے ہیں ایک دوسرے کے گریبانوں اوراپنے گریبانوں کو پھاڑتے ہیں وغیرہ تو ایسے لوگوں کواللہ تعالیٰ اوراس کی سزا سے ڈرنا چاہئے کہ بن دیکھے سنی سنائی باتوں پر کسی کے متعلق ایسی رائے قائم کرتے ہیں اور پھر لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ بات اور پروپیگنڈہ خالص جھوٹ اور بہتان ہوتا ہے، اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے اور جولوگ بغیر کسی تحقیق کے کسی کی بات دوسروں میں پھیلاتے ہیں وہ بھی جھوٹ پھیلانے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَـاأَیُّهَـا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَـاسِقٌ بِـنَبَـاٍ فَتَبَیَّنُوْا...... الآیۃ: اے ایمان والو: اگرکوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لےکرآئے تواس کی تحقیق کرو(الحجرات،٦) اور نبی کریم ﷺ کاارشادمبارک ہے کہ: کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع : آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ ہرسنی ہوئی بات کو(بلاتحقیق کے)بیان کرتا ہے۔

ایک اورموقع پرایک مرید نے حضرت گنگوہیؒ سے سوال کیا کہ:

> ذکرِجہر میں ضرب "اللہ" کس قدرجہر سے قلب پرلگانی چاہیے؟ کیاایسی شدت ہوکہ آواز بیٹھ جاوے۔ جواب میں فرمایا: ایسی شدت کی ضرورت نہیں ہاں شدت تو ہولیکن اپنے کو ایذاء نہ پہنچائے۔

ایک اورمریدحضرت گنگوہیؒ سے پوچھتے ہیں کہ:

> ذکر سے یہ بات دل میں پیداہوتی ہے کہ اب تجھ کو ہرشخص عابد، زاہد جانے گا، اس ریاء کے دفع کی کیا تدبیر ہے؟ آج کل آواز بیٹھ گئی ہے اگرحکم ہوتو آہستہ شروع کروں جبکہ آواز سے نفع ہوگا پھر جہر ہی کروں گا۔ جواب میں فرمایا: ذکرجہر سے ریاء پیداہوتی ہے تو اس کے واسطے لاحول...... پڑھا کریں مگراس کیلئے ترک جہر مناسب نہیں البتہ عذر مرض کی وجہ سے تا زوال مرض ترک رکھنا اوراخفاء پراکتفا کرنا مناسب ہے(فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۹۵)۔

حضرت گنگوہیؒ کا یہ مطلب نہیں کہ خفی ذکرکرے ہی نہیں بلکہ اُن کا مطلب اذکار چشتیہ کی بارہ (۱۲) تسبیح ہیں جن کو روزانہ صرف ایک بارجہراً پڑھنے کاحکم فرمایا ہوگا اورشاید مرید کووساوس اورضرورت زیادہ ہوگی اس لئے جہرِ مفرط کا

حکم فرمایا اس لئے تو اس کی آواز بیٹھ گئی تھی اور ضرورت اور حاجت کے وقت ذکر شدید اور بلند آواز میں علماء کا اختلاف نہیں بلکہ اختلاف بلاضرورت اور بغیر کسی حاجت کے جہر شدید میں ہے اور جہرِ مفرط جس میں خود انسان کو ایذاء ہو یا دوسروں کو ایذاء اور تکلیف ہو وہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دیوبندیؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

> مسجد کے اندر حلقہ ذکر منعقد کرنا مباح ہے بشرطیکہ کسی نمازی کی نماز میں یا کسی سونے والے کی نیند میں خلل انداز نہ ہو اور ذکر بھی زیادہ شور و شغب اور افعال مکروھہ پر مشتمل نہ ہو (کفایت المفتی، جلد۳، ص۱۶۴)۔

زیادہ شور و شغب سے مراد یہی مفرط ذکر اور چلانا ہے اس لئے زیادہ کی قید لگائی یعنی ذکر میں آواز تو ہوتی ہے جس سے گونج بھی پیدا ہوتی ہے لیکن زیادہ چیخ چیخ کر ذکر نہیں کرنا چاہیے اور افعال مکروھہ وہی کودنا اور چھلانگیں لگانا وغیرہ ہیں۔ خیر المدارس کے دارالافتاء سے کسی سائل نے چند سوالات کئے ہیں کہ:

> بلند آواز سے ذکر کیسا ہے اور جہر کتنا اونچا ہونا چاہیئے، لائٹ بند کر کے حلقہ باندھ کر ذکر جائز ہے یا کہ نہیں؟ سلاسل اربعہ کے اذکار کے متعلق پوچھا کہ جائز ہیں کہ نہیں، تو ان سوالات کا جواب سائل کو یوں ملا ہے۔

(الجواب)

(۱-۴) ذکرِ جہر ہر طور پر جائز ہے کسی کو کسی طور سے منع نہیں کرنا چاہئے، ذکر کسی ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجمع میں حلقہ باندھ کر یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر غرضیکہ کوئی ہیئت ہو جائز ہے اس کے بعد مفتی صاحب نے چند حدیثیں وغیرہ پیش کی ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں کہ البتہ اس بات کا خیال ضرورر ہے کہ یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی نائم یا نمازی کو اذیت نہ ہو اور جہر نہایت مفرط نہ ہو[1]۔ اس کے بعد مفتی صاحب ادنیٰ جہر اور اعلیٰ جہر کے مراتب بیان فرماتے ہیں کہ: **وادنیٰ الجھر اسماع غیرہ من لیس بقربہ**: ذکر جہر ادنیٰ کی حد تو متعین ہے وہ یہ کہ ساتھ والوں کے علاوہ دوسرے بھی سن سکیں (کمافی الشامیہ، جلد۱، ص۴۹۹)، **واعلاہ**

---

[1] یعنی انتہائی تیز آواز جس سے زیادہ آواز نکالنے کی قوت نہ رہے اس میں ایک تو مسجد کی بے ادبی ہے اور دوسری بات اپنی جان کو ضرورت سے زیادہ تکلیف دینا ہے۔

لاحد لہ فافہم: لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں (شامی، جلد ۱، ص ۴۹۹) اپنے نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی شرط وہی ہے کہ کسی مصلی و نائم کو تشویش نہ ہو کما صرح بہ الفقہاء۔

(۳)　سلاسل اربعہ حق ہیں۔

(۴)　جائز ہے بشرطیکہ نہ کرنے والوں پر نکیر نہ کی جائے اور اس کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جاتا ہو[1]

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ۔ الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۷ ۱۳۸-۴-۲۳ھ۔

اس فتویٰ کے اوپر حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ جو کہ اکابر دیو بند میں سے ایک عظیم شخصیت گذری ہیں کی تصدیق موجود ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے خیر الفتاویٰ، جلد ۱، ص ۳۴۹)۔

جہر کی حد کیا ہے؟

نیز یہاں یہ بات یاد رہے کہ ادنیٰ جہر کے معنی میں بہت اختلاف ہے کہ کم از کم جہر کی حد کیا ہے، فقہائے کرام اس کیلئے جو حد متعین فرماتے ہیں یہ اسلئے نہیں کہ گویا وہ اس سے زیادہ جہر کے قائل نہیں بلکہ یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ اس پر جہری اور سری نمازوں کا اور طلاق عتاق اور سجدہ تلاوت وغیرہ کے احکام مرتب ہوتے ہیں مثلاً جہری نماز میں اگر کسی نے جہر کیا تو ادنیٰ جہر کی مقدار کیا ہے جس سے نماز صحیح ہو جائے اور خفی ذکر و تلاوت کی حد کیا ہے کہ اس سے سری نمازوں میں قراءت صحیح ہو جائے۔ غرض وہ جہر اور خفی کی حد جو متعین کرتے ہیں وہ اس لئے کہ واجب جہر جو نماز کی صحت کیلئے ضروری ہے وہ کونسا جہر ہے تو اس میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں اس مسئلہ پر علامہ ابن عابدینؒ نے تحقیق کی ہے۔ اور فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے اور بعض کے متعلق فرمایا کہ ان سے اس تعریف میں سہو ہو گیا اور بالآخر وہ جس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں اس کے متعلق لکھتے ہیں:

فقد ظهر بهذا ان ادنى المخافة اسماع نفسه او من بقربه من رجل او رجلين واعلاها مجرّد تصحيح الحروف. وادنى الجهر اسماع غيره ممن ليس بقربه كاهل الصفّ الاولِ واعلاها لاحدّلهٗ: پس اس بحث سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اخفاء کی ادنیٰ حد (جس حد کے ساتھ سری نماز جیسے ظہر کی نماز صحیح ہوتی ہے وہ) یہ ہے کہ (نمازی) خود اپنے نفس یا پاس والوں میں سے ایک یا دو کو سنا سکے۔ (یعنی اس سے سری نماز میں فرق نہیں آئے گا) اور اخفاء کی اعلیٰ حد (یعنی جس کے بعد سری نماز بھی صحیح

---

[1] ذکر کی کسی صفت کو عبادت مقصودہ نہ سمجھے جیسا کہ اس کی وضاحت بار بار بندہ نے کی ہے۔

نہیں ہوسکتی وہ) یہ ہے کہ صرف حروف کی تصحیح کریں (یعنی اگر کسی نے صرف دل ہی دل میں قراءت کی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی) اور ادنیٰ جہر (جس کے بغیر جہری نماز جیسا کہ مغرب کی نماز صحیح نہیں ہوتی وہ یہ کہ) جو خود کو بھی اور پاس والوں کے علاوہ دوسروں کو بھی سنا سکے جیسا کہ صف اول کے لوگ اور اعلیٰ جہر کی کوئی حد نہیں (شامی، جلد ا، ص ۳۵۹)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں کم از کم اتنا جہر تو ضروری ہے کہ قریب والوں کے علاوہ صفِ اول کے لوگ بھی سن سکیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر تمام صف اول والے اگر چہ صف ایک میل ہو تو پھر بھی جب تک وہ اس تمام صف والوں کو نہ سنائے تو ادنیٰ جہر نہ ہونے کی وجہ سے نماز نہ ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صفِ اول کے آس پاس کچھ لوگ سن لیں۔

علامہ ابن عابدینؒ اس پر بحث کر کے مسئلہ کو یوں بتلاتے ہیں کہ جہری نمازوں میں ادنیٰ جہر جو کہ ضروری اور واجب ہے اور جو کہ سری نمازوں میں نہیں ہونا چاہئے اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پاس والوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی سن سکیں اور جو اس حد تک نہ پہنچا ہو بلکہ اگر صرف بالکل پاس والے ایک دو آدمی بھی سن لیں تو وہ اخفاء میں داخل ہے جس سے جہری نمازیں مثلاً مغرب، عشاء وغیرہ صحیح نہیں ہوسکتی تو جہر اور سر کی یہ جو تعریف علماء کرام کرتے ہیں اس کا تعلق نمازوں وغیرہ کے صحیح ہونے کے ساتھ ہے نہ کہ اس ذکرِ جہری کے ساتھ (جس پر نماز کی صحت اور عدم صحت کا مدار نہیں ہے) اس لئے علامہ ابن عابدینؒ ذکرِ جہری کے ساتھ وہ اعلیٰ اور ادنیٰ قرأت کی کوئی حد مقرر نہیں فرماتے کیونکہ کسی کی آواز بہت اونچی ہوتی ہے اور کسی کی پست اس لئے حضرت مفتی صاحب نے بھی جواب میں جو فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اپنے نشاط پر موقوف ہے کہ جس قدر اونچی آواز سے نشاط اور سرور حاصل ہوتا ہے اتنا کریں اور ضرورت سے زیادہ نہ کریں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ: طریقہ شاذلیہ میں ذکر جلی بافراط لوگوں کو لے کر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر حضرت تھانویؒ نے جہر (یعنی شدید اور بلند آواز جیسا کہ سوال اور طریقہ شاذلیہ اور کھڑے ہو کر تینوں باتوں سے اچھی طرح واضح ہے) کے جواز اور عدمِ جواز دونوں طرف کے دلائل کو ذکر کر کے جس نتیجے پر وہ خود پہنچے ہیں لکھتے ہیں کہ:

پس بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے (امداد الفتاویٰ، جلد ۵، ص ۱۵۱ تا ۱۵۴)۔

خیر الفتاویٰ میں حضرت مفتی عبدالستار صاحب زید مجدھم کا ایک فتویٰ موجود ہے وہ یہ کہ جب مستفتی نے مساجد میں اجتماعی اور انفرادی طور پر معتدل جہر کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے یوں جواب دیا؛

(الجواب) قرآن حکیم اور احادیث مرفوعہ صحیحہ سے مجالسِ ذکر کا جواز بلکہ استحباب ثابت ہوتا ہے اس کے بعد حضرت مفتی صاحب زید مجدھم نے قرآن و سنت اور حدیث کے کچھ دلائل لکھ دیئے اور دلائل ممانعت کے مدلل جواب دیدیئے اور اس مضمون میں انہوں نے فقہاء اور علماء کے اقوال بھی نقل کر کے آخر میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے فتویٰ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ، جلد۵،ص۱۵۴)۔

ہاں حالات اور اشخاص کے اعتبار سے اس کی فضیلت میں اختلاف ہوسکتا ہے البتہ ذکر بالجہر میں شرط یہ ہے کہ بطور ریاء نہ ہو کسی نائم یا مصلی کو اذیت نہ ہو بلا تجویز شیخ جہر مفرط نہ ہو پھر اس جہرِ مفرط اور اس کی ہیئات خاصہ کو قربت[1] مقصودہ نہ سمجھے تارک پر نکیر نہ ہو۔ (دیکھیئے خیر الفتاویٰ، جلد۲،ص۳۷۲تا۵۷۵)۔

اس فتویٰ پر حضرت مفتی محمد اسحاق صاحب، حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب اور حضرت مفتی محمد انور صاحب تینوں نے الجواب صحیح لکھا ہے۔ اس جواب میں غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اختلاف جہرِ شدید میں ہے اور جو حضرات شدید جہر یعنی زیادہ تیز آواز کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ بھی صرف اس وقت جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو اور وہ جہرِ شدید یعنی جس سے لوگوں کو یعنی نمازیوں وغیرہ کو تکلیف پہنچے وہ تو بالاتفاق ناجائز ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

پس ذکرِ جہر اس حد تک جائز ہے کہ اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور نہ خود اپنے آپ کو تعب ہو اور نہ ریاء کا خوف ہو اور اگر قصدِ ریاء نہ ہو محض وسوسہ ریاء کا ہو تو وہ ریاء

---

[1] یعنی ذکر تو کار ثواب ہے لیکن جہرِ مفرط کی صورت اور اس کی ھئیات مثلاً کھڑے ہونا یا بیٹھنا یا حلقہ باندھنا یا سر ہلانا وغیرہ کو بالذات عبادت نہ سمجھے بلکہ ذریعہ سمجھے۔

نہیں ہے اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہیئے خلاصہ یہ کہ ذکرِ جہر کیلئے حد یہ ہے کہ جس سے نہ اپنے کو ایذاء ہو نہ دوسروں کو ایذاء ہو اور اگر کسی نے ذکر جہر تو شروع کیا حد کے اندر پھر بے اختیار بلا قصد کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے تجاوز من الحد ہو گیا تو اس شخص پر ملامت نہیں۔ "فان الامور الغیر الاختیاریة خارجة عن التکلیف کمالایخفیٰ" (امداد الاحکام، جلد ا، ص ۳۲۱)۔

اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے جہر میں افراط آئے اور حد سے تجاوز کر جائے پھر بھی مضائقہ نہیں۔ مسلک دیوبند کے ترجمان حضرت مولانا الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت، اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ:

ذکر باخفاء افضل ہے یا جہر اور حالتِ ذکر میں بعض مرتبہ وجد میں آ کر زانوں پر ہاتھ مارنا، تالی بجانا، کودنا، چلانا وغیرہ امور کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) ذکر الٰہی خواہ بالاخفاء یا بالجہر ہو عبادت ہے اور اگر چہ ذکر خفی بوجہ مظنہ ریاء جہر سے افضل ہے لیکن اگر ذکرِ جہر خالی از ریاء و دیگر مفاسد مثل تاذی مصلین اور نائمین اور قارئین وغیرہ ہو تو بوجہ مشقت ذکرِ خفی سے افضل ہوتا ہے۔ اس کے بعد دلیل میں حضرت سہارنپوریؒ نے شامی سے ایک حوالہ نقل کیا، اور اس کے بعد فرماتے ہیں: "اور بحالت ذکر اگر چہ وجد (یعنی شور و غل وغیرہ) ریاء سمعہ کے طور پر ہو تو مذموم اور حرام ہے اور بلا اختیار بلا ریاء اور بلا سمعہ کے ہو (تو) مضائقہ نہیں" اس کے بعد دلیل میں حضرتؒ نے علامہ ابن عابدینؒ کا ایک دوسرا حوالہ پیش کیا اور حضرت سہارنپوریؒ کے فتویٰ پر حضرت مفتی عنایت الٰہی، حضرت مفتی یحییٰ گنگوہیؒ، حضرت مفتی نور محسن اور حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ نے "الجواب صحیح" لکھا ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ خلیلیہ، ص ۳۲۷ تا ۳۲۹)۔

مذکورہ بالا فتویٰ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف جہر شدید میں ہے باقی وجد اور شور و غل اگر ریاکاری اور شہرت کی وجہ سے ہو تو پھر تو حرام ہے ورنہ اگر بلا اختیاری، بلا ریاکاری، و سمعہ کے ہو تو مضائقہ نہیں کے الفاظ کس قدر محتاط ہیں اور آج کل کے غیر محتاط فتاویٰ ملاحظہ کیجئے۔ اس کو خوف خدا کہتے ہیں کیونکہ ریاکاری اور شہرت پسندی کیلئے کوئی کام کرنے کی حرمت میں کسی کو اختلاف نہیں اور وہ تو یقینی حرام ہے لیکن یہ بات تو معلوم ہے کہ ریاء کاری اور شہرت پسندی کا تعلق دل اور نیت سے ہے اس لئے حضرت سہارنپوریؒ نے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا کہ اگر ریاء کی

وجہ سے کرتا ہے تو حرام کرتا ہے اور اگر بلا اختیار یعنی بغیر ریاء اور شہرت پسندی کے کرتا ہے تو مضائقہ نہیں اور آج کل بے احتیاطی یہ ہے کہ جہاں ذکرِ جہر دیکھا تو اس کی نیت پر حملہ کر کے اور بغیر کسی قید و بند کے اس کے فعل کو حرام کہنے لگتے ہیں۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندیؒ اس مسئلہ پر تحقیق کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ؛

جس کسی نے ذکر جہر کو بدعت کہا ہے وہ بھی مطلق نہیں بلکہ خاص قسم کے التزامات [1] کے ساتھ ہو تو وہ بدعت ہے۔ مطلق جہر بالذکر بدعت کہنے کا کوئی معنی نہیں جبکہ روایات صحیح میں اس کا جواز واستحسان ثابت ہے آگے چل کر حضرت مفتی صاحبؒ افضل اور غیر افضل اور جہر مفرط کے متعلق فرماتے ہیں کہ؛ رہا افضل اور غیر افضل کا سوال سو وہ احوال واشخاص کے اعتبار سے مختلف ہے کسی کیلئے جہر افضل ہے اور کسی کیلئے سر افضل اور کسی وقت جہر کسی وقت سر افضل ہے تعین اس کا عوام کو خود نہیں کرنا چاہئے کسی شیخ کامل سے کرانا چاہئے۔بہر حال یہ امر قابل نظر ہے کہ اس کے جہر سے دوسروں کی نماز، تسبیح میں یا نیند میں خلل بغیر ان کی اجازت کے نہ آئے۔(دیکھئے امداد المفتین ص ۲۴۹ تا ۲۵۰)۔

عصر حاضر کے جیّد علماء اور مفتیان کرام سے ذکرِ جہری کے متعلّق سوال:

پاکستان کے جید علماء اور مفتیان کرام سے میرے چچا زاد بھائی صاحبزادہ زاہد زمان، کربوغہ شریف والے نے شرائط کے ساتھ ذکرِ جہری کے متعلق سوال پوچھا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔ اور مفتیانِ کرام نے جو جوابات دیئے ہیں ان کے چند اقتباسات بھی ذیل میں درج ہیں۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص لاؤڈ اسپیکر پر یہ کہتا ہے کہ ذکر جہر بدعت اور حرام ہے اور ذکر جہر کرنے والا بدعتی ہے، اور دوسرا شخص اس کے جواب میں کہتا ہے کہ مطلق ذکرِ جہر بدعت اور حرام نہیں بلکہ بہت سے محققین جن میں علماء دیو بند بھی

---

[1] جہر مفرط عرفی امر ہے اس کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا عرف میں جس کو جہر مفرط سمجھا جائے وہ مفرط ہے اور جس کو متوسط سمجھا جائے وہ متوسط ہے اور مختار ہمارے مشائخ کا یہ ہے کہ جس کیلئے اس کا شیخ جس قدر جہر کو تجویز کرے اتنا جہر کرنا چاہئے جس سے قلب پر اثر پہنچ سکے اور دماغ پریشان نہ ہو اس سے زیادہ جہر فضول ہے البتہ کسی وقت غیر اختیاری ہو جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔

شامل ہیں وہ سب ذکرِ جہر کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں۔

(۱) ریاء کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲) نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کے آرام میں خلل نہ ہو۔

(۳) چیخ و پکار کیے بغیر متوسط جہر کے ساتھ ذکر ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی بہت سے محققین جن میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا الیاس صاحب بانیِ تبلیغ ؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم شامل ہیں ان کے نزدیک ذکرِ جہر مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے؟

نیز آپ کے نزدیک ذکرِ جہری مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے یا حرام؟ اور ذکرِ جہر کرنیوالا یا اس کو جائز قرار دینے والا بدعتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اس کو بدعتی کہنے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ المستفتی زاہد زمان

دارالعلوم کراچی کا جواب:

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ نے اس سلسلے میں جو جواب دیا وہ یہ ہے۔

"مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر بالجہر بدعت نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور ان شرائط کے ساتھ ذکر بالجہر کرنے والے کو بدعتی قرار دینے والا خود غلطی پر ہے اور راہِ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے"........... واللہ اعلم بالصواب۔ محمد اسحاق سواتی عفا اللہ عنہ، دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴، ۴/۱/۱۴۱۶ھ

مفتی محمد اسحاق صاحب کے جواب کو حضرت مفتی محمود اشرف صاحب، مفتی اصغر علی صاحب اور مفتی عبدالمنان صاحب نے صحیح اور درست قرار دیا۔ اور اسی طرح کا جواب دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ کے مفتی جناب اکرام اللہ بنوری صاحب نے بھی دیا ہے، جس پر حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کی تصدیق بھی موجود ہے اور یہ جواب ۱۴۱۵-۱۲-۲۹ھ کو لکھا گیا ہے۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا فتویٰ:

مذکورہ سوال کے جواب میں اکوڑہ خٹک کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ سے دو جواب آئے ایک جواب حضرت اقدس مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتھم کا اور دوسرا حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتھم کا ہے دونوں کا جواب پڑھ لیجئے۔

حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتھم کا جواب؛

"ذکر جہر جب ایذاء سے خالی ہو تو علامہ شامیؒ نے امام عبدالواھاب شعرانیؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ مستحب ہے"۔ محمد فرید عفی عنہ

حضرت مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتھم کا جواب؛

"ذکر بالجہر جب کسی کیلئے یعنی نائم، مریض اور مصلی وغیرہ کیلئے مضر نہ ہو تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے......لہذا ذکر بالجہر غیر مضر کو حرام اور بدعت کہنے والا غلطی پر ہے"۔ ھوالموفق کتبہ سیف اللہ حقانی، مفتی دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

جامعہ خیرالمدارس کا فتویٰ:

پاکستان کے قدیم اور مشہور مدرسہ جامعہ خیرالمدارس سے اس کا جواب یوں دیا گیا؛

"عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بلا اختلاف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہو جائیگا، مثلاً نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو یا ریاء کا خوف ہو تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہیئے"۔ فقط واللہ اعلم۔　بندہ محمد اسحاق، مفتی جامعہ خیرالمدارس، ۱۴۱۶/۲/۴ھ

حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب زید مجدھم کے اس جواب پر حضرت مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتھم کی تصدیق موجود ہے۔

دارالعلوم فیصل آباد کا جواب:

حضرت اقدس مولانا مفتی زین العابدین دامت برکاتھم کے مدرسہ دارالعلوم فیصل آباد کا اس سلسلہ میں یہ جواب آیا؛

"عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر ذکر ان مذکورہ شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جائے تو جائز ہے تمام علماء کے نزدیک۔ (جو شرائط سوال میں درج ہیں) اگر ان شرائط سے ہٹ کر ہو تو

پھر بدعت ہے" فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم ۔مظہر اقبال، دار الافتاء، دار العلوم فیصل آباد ۳۰

ذی الحجہ، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵-۰۵-۳۰

مدرسہ عربیہ عبیدیہ فیصل آباد کا جواب:

مدرسہ عربیہ عبیدیہ کے مہتمم اور دار العلوم فیصل آباد کے شیخ الحدیث حضرت مولانا جاوید حسین شاہ صاحب دامت برکاتھم نے اس کا جواب یوں دیا ہے؛

مذکورہ شرائط کیساتھ ذکر جہری ہونے پر بلکہ مسجد میں اجتماعی ذکر کے مستحب ہونے پر علامہ شعرانیؒ نے اجماع نقل فرمایا ہے......... تو اسے بدعت کہنے والا فاسق ہے نیز اکابر علمائے دیوبند (جنکا ذکر استفتاء میں کیا گیا ہے) کے مسلک سے منحرف ہے۔فقط واللہ اعلم ۔ جاوید حسین عفا اللہ عنہ، (استاد الحدیث) دار العلوم فیصل آباد

جامعہ امداد العلوم پشاور:

جامعہ امداد العلوم پشاور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا الطاف الرحمٰن بنوی صاحب دامت برکاتھم نے اس سوال کا جواب یوں دیا کہ؛

ذکر جہر غیر مفرط مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے بالخصوص جبکہ متوسلین کی مشق اور تمرین کیلئے ہو،حوالہ جات مشہور و معروف ہیں۔ الطاف الرحمٰن، امداد العلوم پشاور۔

صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت:

صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت حضرت شیخ الحدیث مفتی محمد امین اورکزئی صاحب دامت برکاتھم، جامعہ یوسفیہ شاھووام والے، ان کا جواب مندرجہ ذیل ہے؛

مندرجہ بالا تفصیل و شروط کے ساتھ ذکر بالجہر کو حرام یا بدعت کہدینے والا جاھل ہے یا مفسد و زائغ ،حضرت امام ابوحنیفہؒ و دیگر اھل علم نے ایسے ذکر جہر کو مکروہ و بدعت قرار دیا ہے، جو صاحب شریعت سے بلا جہر ثابت ہو یعنی کسی موقع پر ذکر تو منقول ہو لیکن جہر منقول نہ ہو ایسے موقع پر باعتقاد قربت جہر کو مکروہ فرمایا جبکہ صاحبین اور دوسرے ائمہ کرام کے نزدیک یہ جہر بھی بلا کراہت جائز ہے اور مفتی بہ حنفیہ کے نزدیک یہی قول ہے۔واللہ سبحانہ اعلم۔

محمد امین عفا اللہ عنہ، خادم جامعہ یوسفیہ ،شاھووام۔

حضرت شیخ الحدیث اورکزئی دامت برکاتھم نے اس سلسلہ میں ایک اور جواب بھی دیا ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

بہر حال جو شخص ذکر جہری کو مطلقاً بدعت قرار دیتا ہے اور وہ بھی لاوڈ سپیکر پر یقیناً خود مبتدع اور مفسد ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ محمد امین عفا اللہ عنہ، خادم جامعہ یوسفیہ، شاھو وام، یکم ذی الحجہ، ۱۴۱۵ھ

یہاں جن حضرات کے جوابات نقل کئے گئے ہیں ان کے تمام تحریری جوابات کی اصل تحریرات عکس کی صورت میں نقل کی جا چکی ہیں۔ نیز الحمد للہ آج تک یہ سارے علماء و مفتیان عظام بھی زندہ ہیں ان سے براہ راست خود بھی پوچھا جا سکتا ہے۔ اس باب کے آخر میں مناسب یہ ہے کہ خود حضرت امام ابو حنیفہؒ کا اپنا عمل بھی پیش کیا جائے جو دعا کے بارے میں آپؒ سے منقول ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مسجد میں جہری دعا:

چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مسجد کے مؤذن کا بیان ہے کہ؛

جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر نکل گئے تو امام صاحبؒ نے نماز شروع کی۔ پھر میں واپس آیا تو فجر طلوع ہونے کے قریب تھی میں نے دیکھا کہ آپؒ کھڑے ہوئے اپنی داڑھی کو پکڑ کر کہہ رہے ہیں: یَامَنْ یجزی بِمِثْقَالِ ذَرَّةٍ خَیْرٍ خَیْرًا وَیَامَنْ یَجْزِی بِمِثْقَالِ ذَرَّةٍ شَرٍّ شَرًّا اَجِرِ النعمانَ عَبْدَکَ مِنَ النَّارِ وَمَایقرب مِنهَا واَدْخِلْه‘ سِعَةَ رَحْمَتِکَ: اے وہ ذات جو ذرہ برابر خیر کے بدلے خیر دیتا ہے اور ذرہ برابر شر کے بدلے شر (اور سزا) دیتا ہے۔ اپنے بندے نعمان کو جہنم کی آگ سے خلاصی نصیب فرما اور جو عمل اس آگ کو قریب کرنیوالا (اور پہنچانے والا) ہے اس (قول و فعل) سے بھی بچا اور اسے اپنی وسیع رحمت میں داخل فرما (عقود الجمان، ص ۲۲۵)۔

نیز قاضی صیمریؒ نے بکرؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک رات ابو حنیفہؒ کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے رو رو کر دعا مانگ رہے ہیں کہ؛

رَبِّ ارْحَمْنِیْ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ وَقِنِیْ عَذَابَکَ وَاغْفِرْلِی ذُنُوْبِیْ یَوْمَ یَقُوْمُ الاَشْهَاد یعنی: اے میرے پروردگار مجھ پر رحم فرما اس دن جبکہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔ اور مجھے اپنے عذاب سے بچا اور میری خطاؤں کو معاف فرما اس دن جبکہ گواہ کھڑے

ہونگے (عقود الجمان، ص ۲۲۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسجد میں جہری دعا اور ذکر جائز ہے۔ اور آپؒ کی یہ دعا جہری ہی تھی کیونکہ مؤذن اور قاضی صمیریؒ نے ان کی دعا کو سن بھی لیا تھا اور یاد بھی کیا تھا۔

مذکورہ بالا عبارتوں کا خلاصہ:

مذکورہ بالا عبارتوں سے اختلاف کی نوعیت معلوم ہوئی نیز یہ کہ جب جہر معتدل ہو اس کے جواز پر اور جہر مفرط (یعنی جس جہر سے خود کو نقصان ہو یا نمازیوں وغیرہ کو تکلیف ہوتی ہو) کے ناجائز ہونے پر تمام فقہاء وعلماء کا اتفاق ہے۔ البتہ جن علماء کی عبارتیں مجمل ہیں ان کے کلام اور عبارتوں کو اسی جہر مفرط یا کسی خارجی سبب مثلاً تخصیص والتزام پر محمول کیا جائے گا اور اگر کوئی شخص صراحت کیساتھ مطلقاً ذکر معتدل کی نفی ایسی جگہ میں کرتا ہے جہاں شریعت مطہرہ نے ذکر جہر اور ذکر سر میں سے کسی ایک صورت کو متعین نہیں کیا ہے تو ایسے شخص کا یہ قول قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کے واضح ارشادات اور عمل سے ٹکراتا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ جہر مفرط میں وہ جہر جو آواز کی انتہائی حد ہو یا یوں کہہ دیجئے کہ شدید جہر ہو تو وہ بھی اذان، تلبیہ اور جہاں دین کا اظہار یا کفار و مشرکین پر رعب جمانے کی خاطر ہو یا مسلمانوں کے اندر جذبہ پیدا کرنے کی خاطر ہو تو یہ بھی بالاتفاق جائز ہے مثلاً حملہ کے وقت نعرہ تکبیر لگا کر کفار پر ٹوٹ پڑنا وغیرہ البتہ جہاں اتنے جہر کی شرعی ضرورت نہ ہو وہاں اس قدر جہر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء اس کا یہ فائدہ بتلاتے ہیں کہ یہ آواز جس حد تک جائیگی وہاں تک جڑی بوٹیاں پتھر ڈھیلے وغیرہ اور حیوانات وغیرہ سب اس کے ذکر پر گواہ بن جائیں گے اور ذکر کی برکت ان کو پہنچ جائیگی۔

نیز اس ذکر کا ولولہ دوسرے سننے والوں میں پیدا ہو جائیگا جو لوگ ذکر کی آواز سن لیں گے وہ بھی اللہ تعالیٰ کو کسی نہ کسی درجہ میں تو یاد کر لیں گے اسی طرح کے فوائد کے پیش نظر وہ بغیر کسی ضرورتِ کے جہر شدید کے بھی قائل ہیں اور بلا کسی کیفیت خاصہ کے۔ لیکن بہت سے محققین بلا ضرورت جہر شدید کو اگرچہ ریاء وغیرہ جیسے مفاسد سے خالی ہو تو بھی صحیح نہیں سمجھتے ان کے پیش نظر "دون الجهر" والی ایت اور "اربعوا" وغیرہ جیسی حدیث ہے اس لئے وہ اس سے صرف ضرورت کے وقت جہر شدید کو مستثنیٰ کرتے ہیں مثلاً اذان، تلبیہ، اظہار دین اور عین حملہ کے وقت یا جس شخص کے ہموم اور غلط افکار کو دفع کرنے کیلئے ضرورت کے تحت جہر شدید کریں تو جائز ہے اور ضرورت کے بغیر ناجائز۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی تفصیل قرآن وحدیث روشنی میں آئندہ آجائیگی۔

جہری ذکر افضل ہے یا سرّی:

جہراً افضل ہے یا سرّاً اس کے متعلق اتنی بات یاد رکھیں کہ جب کوئی صاحبِ بصیرت عالم اور فقیہ یہ کہتا ہے کہ جہراً افضل ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ بس جہری ہی کرنا ہے یا اگر سرّی کے متعلق کہتا ہے کہ سرّاً افضل ہے تو اس کا مطلب نہیں کہ بس سرّی ذکر کرتا رہے حالانکہ تمام علماء قرآن مجید کی تلاوت جہراً کرتے ہیں اور جب تھک جاتے ہیں تو چپکے چپکے پڑھتے ہیں۔ نہ تو انسان ہمیشہ چپکے چپکے ذکر و تلاوت و دعا کرسکتا ہے اور نہ جہراً بلکہ کبھی ذوق وشوق ہو یا نیند کا غلبہ ہو تو جہراً پڑھتا ہے اور جب تھکاوٹ محسوس کرتا ہے تو چپکے چپکے پڑھتا رہتا ہے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ خود چپکے چپکے ذکر بھی کرتے تھے اور جہراً بھی ذکر و تلاوت کرتے تھے لہٰذا ایسی صورت میں کہ جب سری یا جہری ذکر کی افضلیت کا بیان ہو تو علماء کا مطلب صرف سرّ اور جہر کی اپنی ذاتی حیثیت کو واضح کرنا ہوتا ہے کوئی کہتا ہے کہ سرّی ریاء سے دور تر ہے اور اس کے برعکس دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ریاء ایک قلبی کیفیت اور نیت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اگر ریاء سے خالی ہو تو جہر میں مشقت اور دوسرے فوائد ہیں جو کہ ذکرِ سرّی میں نہیں۔ اس لئے جہراً افضل ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ بعض کے نزدیک جہراً افضل ہے اور بعض کے نزدیک اخفاء۔

عبادات اور سرّ و جہر میں افضلیت کی بنیاد:

علماء کا یہ اختلاف قرآن و حدیث کے نصوص کی بنیاد پر ہے مثلاً جو حضرات علماء کرام ذکرِ سرّی (یعنی زبان سے چپکے چپکے ذکر کرنے) کی افضلیت بیان کرتے ہیں ان کے پیشِ نظر قرآن مجید اور حدیث کے مندرجہ ذیل نصوص ہیں۔

> اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ: اگر اپنے صدقات (خیرات) کو ظاہر کرو تو اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپا کر ان فقیروں کو دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے (بقرہ، ۲۷۰)۔

اس آیت میں خفیہ صدقہ کا زیادہ ثواب بتلایا جارہا ہے اگرچہ علانیہ بھی بہت اچھا ہے اگر نیت خالص ہو۔ اسی نیت کی وجہ سے بعض لوگ فی نفسہ تمام عبادات میں خفیہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور بعض اس میں تفصیل کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ فرضی عبادات خواہ نماز ہو، زکوٰۃ اس میں اظہار ہی افضل ہے اور جو نفلی عبادات ہیں ان میں اخفاء افضل ہے البتہ خارجی اسباب مثلاً اس نیت سے علانیہ صدقہ دے دینا تاکہ دوسرے لوگوں کو شوق و رغبت ہوجائے وہ فقیر کو صدقہ دیں تو ایسی صورت میں اظہار اچھا ہے، اگر نیت خالص ہو۔ لیکن بعض حضرات اظہار اور اخفاء کو برابر سمجھتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی تو فرمان ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ: جولوگ اپنے اموال دن رات چھپکے اورعلانیہ خرچ کرتے ہیں انکا اجران کے رب کے پاس ہے اوران کیلئے کوئی خوف اور رنج نہیں ہوگا (بقرہ،۲۷۴)۔

اس آیت کے پیش نظر وہ فرماتے ہیں اگر نیت خالص ہے لوگوں کے دکھاوے اورشہرت کی نیت نہ ہوتو علانیہ خیرات کرنا بھی بہتر ہے تاکہ اوروں کوبھی شوق ورغبت ہواور چھپاکر خیرات بھی بہتر ہے تاکہ لینے والا شرم محسوس نہ کرے۔غرض ان کے نزدیک بعض فوائد کی وجہ سے خفیہ بہتر ہے اور بعض فوائد کی وجہ سے علانیہ لیکن صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ خیرات وصدقات میں فی نفسہ اخفاء افضل ہے اوراس اخفاء میں خود دینے والے کوہی زیادہ فوائد ہیں۔کیونکہ اس کی وجہ سے اس کوعام لوگوں کی داد نہیں ملتی،دوسری بات یہ کہ لینے والا بھی شرمندگی سے محفوظ رہتا ہے لیکن چونکہ صدقہ کے اظہار میں اورلوگوں کورغبت ہوتی ہے اس لئے جہرًا صدقہ دیدینا بھی اچھا ہے بشرطیکہ نیت خالص ہو۔

بہرحال فرائض تو ہیں اجتماعی اموران کے اظہار میں فضیلت بھی ہے اوران میں اندیشہ بھی زیادہ نہیں لیکن نوافل خصوصاً صدقات میں اخفاء افضل ہے اگرچہ بہتر دونوں ہیں لیکن اس سے ذکر جہر اورذکر سر کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ''خیر الذکر الخفی'' والی حدیث سے زبانی چپکے چپکے ذکر کی فضیلت ثابت ہوئی ہے کیونکہ زبانی اور چپکے کوذکر خفی نہیں کہتے اس کا بیان انشاء اللہ ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ'' کے تحت آجائیگا۔نیز صدقات میں چپکے دینے میں انسان کے اپنے نفس کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے لیکن چونکہ ذکر جہری خود بھی نفس کی اصلاح اوردل کی نرمی اور نیند اورسستی کے ختم کرنے میں ذکرِ لسانی سری سے زیادہ مفید ہے اس لئے یہاں یہ بحث صحیح نہیں کہ لسانی سری افضل ہے یا جہر افضل ہے بلکہ ان کی فضیلت کاتعلق مختلف اوقات اور مختلف اشخاص کے ساتھ ہے جیسا کہ محققین علماء کا اس کے متعلق یہی فیصلہ ہے ہاں اگر خارجی اسباب کی رعایت نہ ہوتو فی نفسہ نفلی اذکار میں اخفاء ہی افضل ہے لیکن اس سے مراد ذکرِ لسانی سری نہیں بلکہ وہ ایک اورصورت ہے۔انشاءاللہ تعالیٰ اس کابیان عنقریب آرہا ہے۔

ذکرِ لسانی جہری کی افضلیت کے متعلق محقق علماء کا فیصلہ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ ذکرِ جہر افضل ہے یا خفی؟[1] حضرتؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا: دونوں میں فضیلت ہے من وجہ، کسی وجہ سے جہر افضل ہے اور بعض وجہ سے خفی افضل ہے اور دلیل

[1] یعنی زبان کے ساتھ چپکے چپکے ذکر کرنا۔

یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مطلق ذکر کا حکم فرمایا "اُذْکُرُوْا اللّٰہَ کَثِیْرًا" مطلق کے زد میں جو ہو مامور ہے اور فضائل خارجی مختلف ہوتے ہیں باعتبار ذکر اور وقت اور کیفیت ثمرات کے، فقط واللہ اعلم۔(دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ،ص ۵۹۷)۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ایک مرید کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے" حضرت تھانویؒ نے اس سائل کو اٹھارہ ہزار بار اسم ذات کا جہری ذکر بتلایا اور یہ اس شخص کی حالت کے مطابق تھا، اس لئے جہر اس کیلئے زیادہ مفید پایا اس لئے فرمایا کہ ذکرِ جہر اچھا معلوم ہوتا ہے(امداد الفتاویٰ، جلد ۵،ص ۱۶)۔

حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ کے اس فتویٰ کی تائید بہت سی کتابوں میں بہت سے علماء سے منقول ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ وخیریہ، فتاویٰ شامیہ، فتاویٰ خلیلیہ، امداد المفتیین وغیرہ بہت سے فقہاء اور علماء کے بہت سے حوالوں سے یہی ظاہر اور ثابت ہے نیز حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور مسلک دیوبند کے مشائخ مثلاً حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ وغیرہ تمام مشائخ کے عمل سے ذکر جہر اور خفی کے متعلق یہی ثابت ہے کہ ذکر جہر اور سر میں وقت اور شخص کا لحاظ رکھتے تھے [1]۔ ذکر جہری افضل ہے یا سری اس کا معاملہ بہت ہی سہل اور آسان ہے اس لئے اس کو نزاعی مسئلہ بنانا اچھا نہیں، ذوق اور رائے کا اختلاف ہے ورنہ عملاً تقریباً تمام مسلمان اپنے ذکر و تلاوت ودعا میں جہر معتدل اور سر دونوں کو اختیار کرتے رہتے ہیں، کوئی کسی وقت جہر کرتا ہے اور کوئی کسی وقت سر۔

ذکرِ خفی اور ضربِ خیالی:

یادرہے کہ ذکر جہری کیلئے بعض علماء ذکر جلی کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور چپکے چپکے زبان سے ذکر کیلئے

---

[1] حضرت علامہ احمد عبدالرحمٰن البناؒ اپنی کتاب الفتح الربانی کی شرح بلوغ الامانی میں لکھتے ہیں: "قد جمع العلماء بین احادیث السر والجهر بان ذالک مختلف باختلاف الاشخاص والاحوال فقد یکون الجهر افضل اذا امن الریاء وکان فی الجهر تذکیر للغافلین و قد یکون الاسرار افضل اذا اخشی الریاء اوتشویش علی نحو مصلی" (الفتح الربانی، جلد ۱۴،ص ۲۰۶)۔ اسی طرح کی عبارت بلکہ زیادہ مفصل فتاویٰ خیریہ وغیرہ میں موجود ہے۔(فتاویٰ خیریہ علی حاشیہ تنقیح الحامدیہ، جلد ۲، ص ۲۸۱)، (فتاویٰ بزازیہ علی حاشیہ الہندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۸)، (فتاویٰ الشامیہ، جلد ۵، ص ۲۵۵)، (طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۱۷۴)، (فتح المعین للعلامۃ سید محمد ابی السعود المصری الحنفیؒ، جلد ۱، ص ۲۳۹)، (روح المعانی، جلد ۸، ص ۱۴۰)، (الحاوی للفتاویٰ للسیوطیؒ، جلد ۱، ص ۳۸۹)، اسی طرح اور بھی بہت سی کتابوں میں جہر اور سر کی افضلیت کی متعلق یہی فیصلہ اور تفصیل موجود ہے۔

بعض علماء سرّی اور بعض علماء خفی کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور صوفیاء اور مشائخ اس ذکر کو بھی ذکرِ خفی کہتے ہیں جو کہ خیال سے دل پر ضرب لگائی جاتی ہے یا یوں خیال کرے کہ "دل اللہ اللہ" کرتا ہے یا خیال سے "لاالــــــہ الاّ اللہ" کی ضربیں لگانا۔ اس ذکر کو صوفیاء ذکر قلبی بھی کہتے ہیں لیکن یاد رہے حدیث میں جس ذکرِ خفی اور قلبی کا ذکر ہے یا علماء کرام جس کو ذکرِ قلبی کہتے ہیں اس سے مراد یہ صوفیاء کرام کا ذکرِ خفی اور قلبی نہیں بلکہ صوفیاء کرام کا یہ ذکر بھی جلی اور لسانی سرّی کی طرح ذکر کی ایک صورت ہے جو کہ جائز ہے کہ یہ صورت بھی بذات خود عبادت یعنی عبادت مقصودہ نہیں بلکہ دوسری صورتوں کی طرح یہ بھی ذکر کا ایک طریقہ اور صورت ہے اگر جہر میں لسانی ضربیں ہیں تو یہاں خیالی ضربیں ہیں اور اس کو خیالی وِرد تو کہا جاتا ہے، نہ کہ یہ وہی ذکرِ خفی اور قلبی ہے جس کی فضیلت حدیثوں میں بیان کی گئی ہے۔

ذکرِ خفی سے مراد کون سا ذکر ہے؟

ذکرِ خفی جس کا بیان حدیثوں میں آیا ہے اس سے مراد دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی وہ یاد ہے جو فرشتوں سے بھی چھپی رہتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قلبی لگاؤ ہے، اس کی عظمت میں اس کی قدرت کی نشانیوں میں جو آسمان و زمین میں ہیں ان میں غور و فکر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی نشانیوں میں مستغرق ہونا ہے اور تفکر اور قلبی لگاؤ سے معرفت کے وہ چشمے اُبلتے رہتے ہیں اور ہر لحہ اور ہر آن انسان کے دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی اس قدر بڑھتی رہتی ہے کہ اس کو ہر گذشتہ آن تاریک اور اللہ تعالیٰ کیلئے کیا ہوا ہر اچھے سے اچھا عمل حقیر اور قابل استغفار نظر آتا ہے، اور ایسا ذکر اور غور و فکر کرنے والا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے التجاء، راز و نیاز میں رہتا ہے اور ہر آن اللہ تعالیٰ کی جو عظمت اس پر کھلتی رہتی ہے اس کی عقل حیران رہتی ہے اور یہی حیرانی ہر آن ہر لحہ بڑھتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ دولت نصیب فرمائے۔

البتہ ذکر کی انہی صورتوں جلی جہری ہو یا سرّی یا خیالی جیسے طریقوں سے انسان اس اعلیٰ ذکر یعنی ذکرِ خفی تک پہنچ جاتا ہے۔

ذکرِ خفی اور حدیث:

اب ذکرِ خفی کے متعلق حدیثوں کو پڑھ لیجئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خیر الــذکر الــخفی و خیر الرزق مایکفی: بہترین ذکر وہ ہے جو خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو

بقدرِ کفایت ہے (موارد الظمآن)۔

یہ حدیث مسند امام احمدؒ اور بیہقیؒ میں بھی ہے یہ حدیث بہت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی اسامہ بن زید (عدوی ہو خواہ لیثی ہو دونوں) سخت کمزور راوی ہیں اور بہت سے علماء حدیث نے ان کو وہمی و اہی منکر الحدیث قرار دیا ہے[1]۔ نیز اسامہ بن زید جس شخص سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں وہ محمد بن عبد الرحمٰن ابی لبیبہ ہیں وہ بھی متکلم فیہ ہے دار قطنی نے اس کو ضعیف اور یحییٰ بن معین نے اس کی حدیث کو لاشئ قرار دیا ہے۔ بہر حال حدیث کے متعلق اتنی بات تو واضح ہے کہ یہ ضعیف ہے البتہ معنی کے لحاظ سے دوسری احادیث اور شریعت مطہرہ کے مزاج سے پوری مطابقت رکھتی ہے لیکن اس سے مراد ذکر لسانی خفی نہیں جیسا کہ اس کا بیان ایک دوسری حدیث میں موجود ہے۔

> حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افضل الذکر الخفي الذی لایسمعه الحفظة سبعون ضعفًا اذا کان یوم القیامة: وہ افضل ذکرِ خفی ہے جس کو کراما کاتبین بھی نہیں سنتے قیامت کے روز اس کا ثواب ستر (۷۰) گنا بڑھا ہوا ہوگا۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ فرماتے تھے، جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو حساب کتاب کیلئے جمع کرے گا اور کراما کاتبین (یعنی اعمال لکھنے والے اور جمع کرنے والے) فرشتے آئیں گے (اور تمام جمع شدہ اعمال اور ریکارڈ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کریں گے) اللہ تعالیٰ (وہ تمام ریکارڈ دیکھ کر) ان سے فرمائے گا دیکھو اس شخص کے اعمال میں کوئی چیز باقی رہ گئی ہے؟ (جو کہ اس کے دفتر اور ریکارڈ میں موجود نہیں) تو فرشتے عرض کریں گے: اے ہمارے رب: ہم نے ان چیزوں میں سے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کو ہم نے معلوم نہ کیا اور جو بھی ہم نے یاد رکھا ہم نے اس دفتر اور ریکارڈ میں تمام کا تمام جمع کر لیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تب اپنے اس بندے کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ میرے پاس تیری ایسی چھپی ہوئی نیکی محفوظ ہے جسے (کوئی نہیں بلکہ) تو بھی نہیں جانتا اور میں خود تجھے اس نیکی کا اجر عطا کروں گا اور وہ ذکرِ خفی ہے (اخرج ابو یعلی کذا فی مجمع الزوائد، جلد ۱۰، ص ۸۱)[2]۔

یہ حدیث بھی ضعیف ہے لیکن اس حدیث نے پہلی حدیث کے معنی کو متعین کر لیا کہ اس سے قلبی لگاؤ اور فکر مراد ہے

---

[1] تہذیب التہذیب، جلد ۱، ص ۲۰۷ تا ۲۰۹۔ [2] قال الهیثمیؒ وفیه معاویه بن یحییٰ الصدفي وهو ضعیف.

کیونکہ انسان کو خود تو اس ذکر کا پتہ چلتا ہے کہ اپنے خیال کیساتھ دل پر ضرب لگاتا ہے یا چپکے چپکے زبان سے تسبیح و تہلیل پڑھتا ہے بلکہ اس کے سر ہلانے، جھکانے اور زبان ہلانے کو فرشتے بھی تو محسوس کرتے ہیں لیکن عشقی کیفیت اور قلبی لگاؤ وغیرہ ایسے امور ہیں جن کو انسان کسی عمل میں شمار نہیں کرتا ہے، واللہ اعلم۔

بندہ نے ذکرِ خفی کے متعلق جو حدیث اور جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے اس کی تائید قاضی عیاضؒ کی عبارتوں میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں؛

قال القاضی عیاض رحمة الله علیه و ذکر الله تعالیٰ ضربان ذکر بالقلب و ذکر باللسان و ذکر القلب نوعان احدهما وهو ارفع الاذکار واجلها الفکر فی عظمة الله تعالیٰ وجلاله' و جبروته' وملکوته' وآیاته' فی سمٰوٰته' وارضه ومنه الحدیث خیر الذکر الخفی والمرادبه هذا............الخ : قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک دل کا ذکر دوسرا زبان کا، اور دل کے ذکر کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک ان میں سے وہ جو تمام اذکار سے بلند درجہ کا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال، اس کے جبروت اور اس کی عجائبات اور اس کی آسمانوں اور زمین کی نشانیوں میں فکر کرنا ہے اور خیر الذکر الخفی کی حدیث سے یہی ذکر مراد ہے............الخ (شرح مسلم، جلد۲، ص۳۴۴)۔

جہاں ذکر ضروری ہے وہاں ذکرِ لسانی معتبر ہے نہ کہ قلبی:

یاد رہے کہ جن فقہاء نے قلبی ذکر کا انکار کیا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ذکر وہی ہے جو صرف زبان کے ساتھ ہو تو ان کا مطلب یہ نہیں کہ ذکرِ قلبی اور تفکر پر ثواب نہیں ملتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ نے جن مواقع پر ذکرِ لسانی کی تعلیم دی ہے مثلاً قیام میں قرأت اور رکوع میں سبحان ربی العظیم وغیرہ تو ایسے مواقع میں اگر کوئی زبان ہلائے بغیر خیال سے تلاوت کرے یا تسبیحاتِ رکوع و سجود میں پڑھے تو یہ اس کیلئے کافی نہیں بلکہ زبان ہلائے بغیر صرف خیال سے ذکر کرنا معتبر نہیں۔

ذکر و تلاوت اور دُعا میں اخفاء کا مطلب:

یہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یادِ الٰہی کا تعلق دل سے ہے باقی سری لسانی جہری لسانی یا خیالی ضربیں یہ صرف ذکر کی صورتیں اور شکلیں ہیں جن کو اوراد کہا جاتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان زبان کو حرکت دیتا ہے

یا خیالی ضرب دل پر لگاتا ہے لیکن اس کے دل میں خالق کی بجائے مخلوق کا تصور ہوتا ہے۔ خیالی ذکر اور ذکر لسانی سری تو کیا بلکہ معتدل جہر کے ساتھ تلاوت و ذکر والی صورت میں بھی عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اس ذکر و تلاوت کے اندر اللہ تعالیٰ سے لو لگانے اور اس کی یاد تو دور کی بات ہے نفسِ تلاوت اور الفاظِ ذکر کی طرف بھی دھیان نہیں رہتا جو کہ بہت ہی کم درجہ کا ذکر ہے تو ایسی صورت میں ان سارے اوراد کی حیثیت ذکر کی شکل و صورت جیسی ہے جس کے اندر روح ذکر اور یاد کا فقدان ہے۔ البتہ یہی شکل و صورت اور یہی اوراد ہوتے ہیں جس میں اگر غور و فکر شروع کیا جائے یا کثرت سے ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان لگ جاتا ہے۔ اور بعض یکسو طبیعتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان کو کثرت ذکر جہر، خیالی ضربوں کے بغیر بھی یہ نعمت حاصل ہوتی ہے، لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد سمجھنا چاہیے کہ ذکر و تلاوت میں اخفاء کا مطلب یہ ہے کہ علانیہ نہ ہو یعنی لوگوں سے پوشیدہ کیا جائے جیسا کہ نوافل کی فضیلت اس میں ہے کہ گھر کے اندر پڑھے جائیں یہی حال ذکر، اذکار اور دعاؤں کا ہے کہ تمام نفلی عبادات لوگوں سے چھپ کر کی جائیں، خواہ وہ جہراً ہوں یا سراً۔ بہر حال، پوشیدہ عبادت میں بہت زیادہ ثواب ہے اور یہ ریاء سے بھی دور ہے۔ لیکن دوسروں کو عملی ترغیب کیسے ہو جائے اور ان کو کیسے ذکر و اذکار اور نیک اعمال پر لگایا جائے اور انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد کیسے رچ بس جائے تو اس کیلئے یہی ہوسکتا ہے کہ ترغیب کے ساتھ ساتھ عملی طور پر ان کے ساتھ شریک ہو جایا کریں نیز یہ کہ جو لوگ ذکر و اذکار اور تلاوت کے عادی نہیں ان کے دل ذکر و تلاوت سے مانوس نہیں ہیں وہ ذکر و تلاوت کے ماحول میں آکر خود بخود ذکر و تلاوت کے عادی ہو جاتے ہیں اور یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ ذکر و تلاوت کے عادی نہیں ہوتے اگر ان کو ایسا ماحول نہ ملے یا ذکر و عبادت کے ماحول اور مجالس سے کٹ جائیں تو وہ تنہائیوں کی وجہ سے ذکر نہیں کر سکتے اور ان کا ذوق و شوق کم ہو جاتا ہے نیز ایک دوسرے کے دل کا اثر بھی ایک دوسرے پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہمت والوں کے ساتھ بے ہمت لوگوں کو ہمت ہو جاتی ہے اس طرح اس میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں ان فوائد کو مدنظر رکھ کر کوئی نفلی عبادات کو مسجد وغیرہ میں اجتماعی طور پر کرتا ہے تو اس کی فضیلت اگرچہ فی نفسہ نہیں لیکن دوسرے خارجی اسباب کی وجہ سے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے انہی فوائد کے پیش نظر قرآن و حدیث نے مجالس ذکر پر زور دیا ہے جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ آگے آئیگا۔

اگرچہ اخفاء سِرِّ لسانی سے حاصل ہوتا ہے لیکن............

خلاصہ یہ کہ ذکر وغیرہ میں اخفاء اگرچہ سری لسانی سے بھی حاصل ہوتا ہے لیکن اس کا حصول اس وقت ممکن ہے جب یہ سری لسانی لوگوں کے سامنے نہ کیا جائے اور یہ بات بھی نہ ہو کہ ذاکر مسجد میں بیٹھا ہوا ہو یا لوگوں

کے سامنے قرآن مجید سامنے کھولا ہوا ہو یا صرف سر جھکایا ہوا ہو یا اپنی خلوت کے اندر رہتا ہو تو ایسی صورت میں اس کی عبادت چھپی ہوئی اور اخفاء میں نہیں بلکہ لوگوں کے سامنے علانیہ اور جہراً ہے اور اس میں بھی ریاء کا اندیشہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں ذکر جہر سے زیادہ ریاء کا اندیشہ اسی میں ہے خصوصاً جبکہ ذکر جہر کرنے والوں کو قسم قسم کے طعنے دیئے جا رہے ہوں، کوئی کہتا ہو بدعتی ہے، کوئی کہتا ہو ریاء کار ہے تو ایسی صورت میں ذکر جہری میں ریاء کے اندیشہ کے بجائے ذکر جہری میں زیادہ مجاہدہ ہے۔ ریاکاری کا اندیشہ تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ لوگ اس کو بزرگ سمجھتے۔ پھر اجتماعی کاموں میں زیادہ تر ریاء کا اندیشہ کم ہوتا ہے کیونکہ جب سب ہی ایک کام کرتے ہیں تو اس کی دوسروں پر کیا فضیلت رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی سر جھکائے ذکر میں مشغول ہے یا خلوت کے اندر رہتا ہے یا مسجد میں خاموش بیٹھا ہے تو دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ فلاں کیسے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہے اور کیا کیا معارف اور اسرار اس پر کھلتے ہوں گے حالانکہ ہوسکتا ہے کہ ایسی صورت میں شاید وہ سو رہا ہو اور خلوت کے اندر بھی خراٹے لے رہا ہو لیکن مفت میں اپنے لئے بزرگی کا سامان مہیا کر رکھا ہو اور ایسی صورت میں تو اور زیادہ ریاء میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

عرض یہ ہے کہ عبادت میں اخفاء کا مطلب یہی ہے کہ عبادت لوگوں سے چھپ کر کی جائے کہ لوگوں کو اس کی عبادت کا پتہ نہ چلے خواہ جہر سے ذکر و تلاوت کرے یا چپکے چپکے اور یہ اخفاء اس لئے تو ہے تاکہ اس کی یہ عبادت ریاء کاری کی نذر نہ ہو جائے البتہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ لسانی سری یعنی چپکے چپکے زبان سے ذکر کرنے پر لوگوں کو بہت کم اطلاع ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی راستے میں چلتے چلتے یا لیٹے لیٹے اس طرح ذکر کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی آگاہ نہ ہو تو بلاشبہ اس میں فضیلت ہے اور رہی ریاء کاری تو اس کا تعلق نیت سے ہے اگر نیت میں اخلاص نہیں تو ریاء کے لئے چور دروازے کھلے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کا ذکر کر رہے ہیں اور ان کے سینے کا گوشت خیالی ذکر سے حرکت کرتا رہتا ہے اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ہمارے دل جاری ہیں اور ہم ذکر خفی اور بے ریاء عبادت کر رہے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے ایسے ذکر میں ریاکاری کا جو اندیشہ ہے یہ جہر سے بھی کہیں زیادہ ہے اور نہ قلب جاری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ دل پر گوشت حرکت کرے یہ تو ایک مشق ہے اور جب کوئی مشق کرتا ہے تو بدن کے کسی بھی حصہ کو ہلا سکتا ہے، البتہ اس سے توجہ اور فکر میں یکسوئی پیدا کی جاسکتی ہے، عرض یہ ہے کہ ریاکاری کا اندیشہ ایسے اذکار میں بھی ہے جن کے بارے میں ہم عموماً یہ کہتے ہیں کہ ان میں ریاکاری کا اندیشہ نہیں ہے ان میں لسانی جہر کے مقابلہ میں زیادہ ریاکاری کا اندیشہ ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی چپکے چپکے زبان ہلائے اور کوئی ایسی صورت اختیار نہ کرے جس سے لوگ آگاہ ہو جائیں تو بلاشبہ ایسا ذکر بہتر ہوگا بشرطیکہ اس کی

حیثیت صرف وِرد کی نہ ہو بلکہ وہ چپکے چپکے زبان ہلانے کے ساتھ الفاظ ذکر یعنی وِرد اور تلاوت پر بھی دھیان رکھے اور معنی کا لحاظ کرے یا کم ازکم اپنے وِرد اور الفاظ ذکر کی طرف تو دھیان رکھے۔ اگر اس کا اپنے ورد کی طرف بھی دھیان نہیں رہتا تو اس کے اس سری لسانی سے تو وہ ذکر جہر بہتر ہے جس میں کم ازکم الفاظ ذکر کی طرف دھیان تو رہتا ہے جو بالآخر معنی اور یاد الٰہی میں استغراق کی کیفیت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص اور اپنی یاد کی دولت سے نوازا ہے اس کے لئے دونوں صورتیں برابر ہیں۔ خواہ لوگوں کے ساتھ ہو یا لوگوں سے چھپ کر ہو سراً ہو یا جہراً ہو ہر حالت میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا رہتا ہے، ایسے لوگوں کا اولین اور اعلیٰ ترین طبقہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے بعد ان کی اتباع میں جس کو جس قدر یہ دولت ملے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی حقیقی یاد سے آشنا کردے (آمین)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نفلی عبادات، نفلی اذکار، تلاوت وغیرہ کی ادائیگی اگر لوگوں سے پوشیدہ ہے تو جہری لسانی اور سری لسانی دونوں برابر اور اخفاء میں داخل ہیں۔ لیکن جو عبادات لوگوں سے پوشیدہ نہیں وہ علانیہ اور جہر میں داخل ہیں، خواہ سراً ہوں یا جہراً۔ مثلاً ایک آدمی جنگل میں یا رات کے وقت مسجد میں آتا ہے وہ جہراً تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا ہے اس کی یہ عبادت بھی اخفاء میں داخل ہے اور جو لوگوں کے سامنے قرآن مجید کھول کر سراً تلاوت کرتا ہے ذکر سری میں مشغول ہے تو ایسی صورت میں اس کی یہ عبادت بھی علانیہ ہے کیونکہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔ غرض یہ کہ جس پر واقعی اخفاء کا اطلاق ہو سکے وہ تو اخفاء ہے ورنہ علانیہ اور جہر ہے اور حقیقی اخفاء سر سے بہتر ہے البتہ جہر اور علانیہ عبادت بعض اوقات، بعض اشخاص کے لئے بہتر ہوتی ہے۔ لہٰذا اخفاء اور اظہار کا تعلق لوگوں کی اطلاع یا عدمِ اطلاع پر موقوف ہے اور عبادات (تلاوت، نوافل، اذکار وغیرہ) کے اندر سر لسانی اور جہر لسانی یہ ادائیگی کی صورتیں اور شکلیں ہیں۔ اور یہ عبادت مقصودہ نہیں اور مختلف احوال اور اشخاص کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان میں کسی ایک کی افضلیت مسلّم ہے اور تمام مسلمان اپنی عبادت کی ادائیگی کبھی جہراً اور کبھی سراً کرتے ہیں اگرچہ فی نفسہٖ خفی اور اخفاء افضل ہے لیکن خارجی اسباب کی بناء پر ذکر جہری سری سے افضل ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

علماء اور فقہاء کی عبارتوں سے غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ:

بہت سے امور اور علماء کی عبارتیں ایسی ہیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے ایک سیدھا سادہ مسئلہ الجھ کر رہ جاتا ہے اس لئے ضروری یہ ہے کہ چند ایسے امور کی نشان دہی کی جائے جن کی وجہ سے کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔

علماء جب کہتے ہیں کہ فلاں چیز مستحب نہیں اس میں غلط فہمی ......

آپ کتابوں میں دیکھیں گے ان میں لکھا ہوگا کہ فلاں چیز مستحب نہیں تو اس سے ہر مسئلہ میں مراد یہ نہیں ہوتا کہ وہ کام مکروہ یا غیر مناسب ہے بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہوتا ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ فلاں وقت میں فلاں عمل مستحب ہے اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ فلاں عمل اس وقت مستحب نہیں ایسی صورت میں صاحب بصیرت علماء کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ اگر چہ یہ عمل فی نفسہ جائز ہے لیکن اس وقت کے ساتھ اس کی خصوصیت نہیں تو وہ اس عمل کی صرف اسی وقت میں استحباب کی نفی کرتے ہیں نہ کہ ان کے نزدیک فی نفسہ وہ عمل مکروہ یا بدعت ہوتا ہے۔ مثلاً فرض نماز کے بعد ''اللہ کبر'' کہنا حدیثوں میں آیا ہے تو بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد "اللہ اکبر" کا لفظ کہنا مسنون و مستحب ہے یعنی وہ تکبیر کے ساتھ ساتھ اس وقت کو بھی تکبیر کیلئے مستحب یا مسنون مانتے ہیں لیکن دوسرے علماء اس کی تردید کرتے ہیں۔ مثلاً امام نوویؒ نمازوں کے متصل تکبیر اور ذکر کے متعلق اور اس میں اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

هـذا دليل لماقاله بعض السلف انه يستحبّ رفع الصوت بالتكبير والذكر عقب المكتوبة و ممن استحبه من المتأخرين ابن حزم الظاهری و نقل ابن بطال و آخرون ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالذكر و التكبير: یہ (حدیث) بعض سلف کے قول کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے اللہ کبر کہنا اور ذکر کرنا مستحب ہے اور متاخرین میں سے جس نے اس کو مستحب قرار دیا ہے ان میں سے ابن حزم ظاہری بھی ہیں اور ابن بطالؒ اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ ائمہ متبوعین اور ان کے علاوہ دوسرے علماء اس پر متفق ہیں کہ تکبیر اور ذکر میں آواز بلند کرنا مستحب نہیں (شرح مسلم جلد ۱، ص ۲۱۷)۔

اس کے بعد امام نوویؒ نے حضرت امام شافعیؒ کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عمل کو تعلیم پر معمول کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس نقطے پر بھی بحث آجائیگی لیکن یہاں اتنی بات عرض کرنی تھی کہ یہاں جو لکھا گیا ہے کہ ائمہ متبوعین اور دوسرے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فرض نمازوں کے فوراً بعد جہراً تکبیریں و ذکر کرنا مستحب نہیں تو ان کا مطلب یہ نہیں کہ مطلقاً جہری ذکر کا ثواب نہیں بلکہ وہ اس وقت کے استحباب یا مسنون ہونے کے قائل نہیں ورنہ جس کام کو نبی کریم ﷺ نے کیا ہو اور اس کی تردید نہیں کی تو اس کے متعلق کیسے کہا جا سکتا ہے کہ

یہ مکروہ یا کار ثواب نہیں بلکہ مستحب کی تو تعریف ہی یہی ہے کہ کسی عمل کو نبی کریم ﷺ نے کبھی اختیار کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو لہٰذا اب اس عمل کو بدعت یا مکروہ کہنے کی جرات کون مسلمان کر سکتا ہے؟ بشرطیکہ اس عمل میں کوئی اور مفاسد بدعت یا کراہت کے شامل نہ ہوں مثلاً یہ عقیدہ ہو کہ یہ نماز کا حصہ ہے یا نمازیوں کی تشویش کا باعث ہو غرض ہر ایسی چیز جب کسی عمل میں ایسے آئے جو شرعاً ممنوع ہو تو اس ممانعت کی وجہ سے وہ عمل کار گناہ بن جائے گا لیکن اس کے علاوہ نفس عمل کو بدعت یا مکروہ کہنا بہت بڑی جرات مندی ہے۔ جو کسی بھی مسلمان کا خصوصاً علماء کے شایان شان نہیں"۔

دیکھئے یہی امام نوویؒ ہیں جو عام حالات [1] میں اسی ذکر و تکبیر جہری کو خود بھی جائز قرار دیتے ہیں اور امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ و متبوعین کے نزدیک صرف جائز ہی نہیں بلکہ اس کی افضلیت کو بھی نقل کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ:

والذی نص علیہ الامام النووی فی فتاواہ ان الجھر بالذکر حیث لامحذور شرعاً مشروع مندوب الیہ بل ھو افضل من الاخفاء فی مذھب الامام الشافعی وھو ظاھر مذھب الامام احمد واحدی الروایتین عن الامام مالک بنقل الحافظ ابن حجر فی فتح الباری.........الخ : امام نوویؒ نے اپنے فتاویٰ میں جس چیز کی تصریح اور وضاحت کی ہے وہ یہ کہ جب کوئی مانع شرعی نہ ہو تو جہری ذکر نہ صرف مستحسن ہے بلکہ وہ اخفاء سے افضل ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ کا بھی ظاہر مذہب یہی ہے (کہ جہر افضل ہے) اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی نقل کیا ہے (کہ جہر افضل ہے) (روح المعانی ج ۱۶ ص ۱۶۲)۔

آپ کے سامنے امام نوویؒ کی دونوں عبارتیں موجود ہیں اس لئے آپ اندازہ کر چکے ہوں گے کہ بہت سے لوگوں کا کسی خاص حالت یا خاص وقت میں اس بات پر متفق ہونا کہ اس وقت جہر مستحب نہیں اس بات کی دلیل نہیں کہ تمام اوقات میں وہ اس کی بدعت یا کراہت کے قائل ہیں یا اس عمل کو عام حالات میں بدعت اور مکروہ قرار دے دیتے ہیں بلکہ مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس وقت میں ذکر کی حیثیت کیا ہے البتہ اگر اس کے ساتھ دوسرے مفاسد مل جاتے ہیں تو پھر مفاسد کی بنیاد پر حکم لگایا جائے گا، نہ کہ نفس ذکر جہر کی بنیاد پر [2]۔

---

[1] یعنی جہاں شریعت مطہرہ نے ممانعت نہیں فرمائی ہے اور نہ ذکر کی کسی شکل و صورت کو مقرر کیا ہے۔

[2] انشاء اللہ مفاسد اور دوسرے امور پر بیان آجائیگا۔

جب کوئی چیز مطلقاً ثابت ہو جائے تو پھر اس کی کسی صورت وغیرہ کو ناجائز یا بدعت کہنے والا برھان و دلیل پیش کرے گا:

آج کل ذکر کی مروجہ صورتوں کے بارے میں عجیب بات یہ کہی جاتی ہے کہ کہ فلاں صورت کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے مجالس ذکر ثابت نہیں وغیرہ۔ لیکن جب ذکر بالجہر ثابت ہو چکا ہے پھر بھی اس کے بعد بلا کسی خاص وجہ کے یہ اعتراض اٹھانا کہ ذکر جہر تو جائز ہے مگر فلاں ہیئت اور صورت کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے یقیناً حماقت اور سخافت کی دلیل ہے۔ اور اس کے بعد یہ مطالبہ کرنا کہ یہی صورت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے یا کہ نہیں صرف ضد اور ہٹ دھرمی ہے کیونکہ جب جہر بھی ثابت ہے اور مجلس ذکر کی فضیلت بھی ثابت ہے تو پھر اس کے بعد جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں صورت مجلس ذکر کی جائز نہیں دلیل و برہان پیش کرنا اسی کے ذمہ ہے۔ اس کو چند مثالوں سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔

- نفلی روزوں کی فضیلت ثابت ہو چکی ہے اب جو کوئی کہے کہ منگل یا بدھ کے دن میں روزہ جائز نہیں یا بدعت ہے تو اس کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منگل یا بدھ کے دن روزہ نہیں رکھا تھا اس لئے اس روز روزہ رکھنا بدعت ہے بلکہ اس کو بدعت کے ثبوت یا ناجائز ہونے کیلئے دلیل و برہان پیش کرنا ہوگی۔ ہاں جن دنوں کے متعلق نبی کریم ﷺ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ اس دن روزے جائز نہیں مثلاً عیدین وغیرہ کے موقعہ پر، تو ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہاں منع کی دلیل موجود ہے۔
- نفلی نمازوں کی ترغیب و فضیلت شریعت مطہرہ میں ثابت ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ بیس (۲۰) رکعت نفل پڑھنا یا چالیس رکعت نفل پڑھنا یا فلاں وقت نفل جائز نہیں یا بدعت ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نہیں پڑھے تو اس کیلئے یہ کہنا کافی نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ وہ اس کے ناجائز ہونے پر دلیل پیش کرے کیونکہ نفلی نمازوں کی فضیلت تو مطلقاً ثابت ہے۔ اب ایک خدا کا بندہ اس اطلاق کے رو سے جس وقت چاہے نفلی نماز پڑھ سکتا ہے اب اگر اس سے کوئی وقت مستثنیٰ ہوسکتا ہے تو وہ وہی ہے جس کے متعلق قرآن وحدیث میں ممانعت موجود ہے۔ اوقات مکروہہ میں نوافل کی ممانعت حدیث میں موجود ہے اور اوقات مکروہہ کے علاوہ ہر وقت نفلی نمازیں جائز اور کار ثواب ہیں۔

- قرآن و حدیث میں فقیروں غریبوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب آئی ہے اب اس کے متعلق حکم و ترغیب کے رو سے ہر وقت فقیروں، غریبوں کو دے دینا اور ایک فقیر کو دے دینا یا چند فقیروں کو دے دینا یا کھانے پر بلانا یا ان پر نقدی غلہ وغیرہ کی صورت میں تقسیم کرنا سب جائز اور کار ثواب ہے اب اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں وقت کھانا کھلانا یا مال تقسیم کرنا بدعت ہے یا ناجائز ہے کیونکہ اس وقت نبی کریم ﷺ نے تقسیم نہیں کیا تھا تو اس کے لئے یہ کافی نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اور شریعت مطہرہ نے تو اجازت دیدی ہے کہ جس وقت چاہے دے دیا کرو البتہ اگر کوئی وقت یا صورت اس سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے تو وہ صرف وہی ہو گی جسکو شریعت نے مستثنیٰ کیا ہو۔

یہی حال نفلی طوافوں کا ہے حج کے راستوں وغیرہ کا ہے کہ ان میں صرف وہی وقت اور وہی طریقہ مستثنیٰ ہو سکتا ہے جسکی تردید اور ممانعت موجود ہو اور جو شخص بلا دلیل کسی ایسی چیز پر ناجائز اور بدعت کا حکم لگاتا ہو جو مطلقاً ثابت ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کے نزدیک بدعت اور ناجائز کا اختیار خدا اور اس کے رسول ﷺ کے پاس نہیں بلکہ وہ خود یہ اختیار اپنے ہاتھ میں سمجھتا ہے اور شرک عظیم کا ارتکاب کرتا ہے[1]۔

وہ امور جو مطلق جائز کو ناجائز یا بدعت بناتے ہیں:

اب وہ امور کیا ہیں جو کسی مطلق جائز چیز کو بدعت یا ناجائز بناتے ہیں اس کے متعلق چند باتیں پیش کرتا ہوں۔

-- ایک ہوتے ہیں مقاصد اور دوسرے ہیں وہ اسباب و ظروف اور شکلیں و صورتیں جن سے وہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً روزہ ایک عبادت مقصودہ ہے اور اس کے حصول کیلئے ایام اور دن ظروف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ذکر بھی ایک عبادت ہے اور اس کی ادائیگی کی صورتیں لسانی سری اور لسانی جہری وغیرہ ہیں۔ ان ظروف و صورتوں اور اسباب کے متعلق اتنی بات یاد رہے کہ جو شکلیں اور ظروف ضروری نہ ہوں یعنی فرض یا واجب نہ ہوں ان صورتوں اور ظروف کو فرض اور واجب ماننا شریعت میں ایک نیا عقیدہ اور نظریہ پیدا کرنا ہے اور یہ بدعت ہے۔ اسی طرح جن شکلوں صورتوں اور ظروف کی فضیلت، ثواب یا وجوب شریعت میں ثابت نہ ہو، ان شکلوں و صورتوں کو واجب ماننا یا ان کی فضیلت یا ثواب کا عقیدہ

[1] اس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ اثر عبداللہ بن مسعودؓ میں بھی آجائیگی۔

رکھنا بدعت ہے۔مثلاً رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ دوسرے ایام میں روزوں کو فرض ماننا یا جن ایام میں روزوں کا زیادہ ثواب ثابت ہے ان کے علاوہ دوسرے ایام میں روزوں کے زیادہ ثواب کا عقیدہ رکھنا یا جس طرح سری نمازوں میں چپکے چپکے تلاوت اور جہری نمازوں میں امام کیلئے جہراً تلاوت واجب ہے اگر وہاں سر کی جگہ جہر یا جہر کی جگہ سر کو واجب سمجھا جائے تو یہ بدعت ہے۔

-- اسی طرح جہاں کسی صورت اور شکل کی یا کسی دن کی فضیلت یا وجوب ثابت نہیں اور نہ اس کی ممانعت ثابت ہے ایسی صورت میں جس طرح اس ظرف اور شکل کے بارے میں زیادہ ثواب کا عقیدہ رکھنا یا اس کو واجب اور ضروری قرار دینا بدعت ہے۔اسی طرح اس ظرف یا شکل کو بدعت کہنا بھی ایک بدعی عقیدہ ونظریہ ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کی یاد کی ادائیگی کی کسی صورت یا شکل کو جبکہ اس کی فضیلت یا وجوب ثابت نہ ہو اور نہ اس کی ممانعت ثابت ہو تو پھر بلاوجہ اس ظرف اور شکل کو بدعت کہنا یہ بھی ایک بدعی عقیدہ اور نظریہ ہے۔

-- اگر کسی عبادت میں ظرف اور شکل فرض اور واجب یا زیادہ ثواب کا عقیدہ نہ رکھا جائے لیکن اگر وہ دوسروں کی ایذا کا سبب بنے تو ایسی صورت میں بھی بوجہ ایذاء رسانی کے وہ عمل ناجائز ہو جائے گا کیونکہ اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ اپنی کسی ذاتی عبادت کی وجہ سے کسی دوسرے کے ذکر و عبادت میں یا اس کے آرام میں خلل ڈالا جائے یا وہ صورت ایسی ہو جو خود انسان کے لئے مضر ثابت ہو جائے مثلاً بلاوجہ جہر میں شدت کرنا یا اپنی جان پر کھیل کر روزہ رکھنا وغیرہ۔یاد رہے کہ کسی کو ایذاء دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی نماز ذکر و عبادت میں خلل واقع ہو یا سونے والے کے آرام میں خلل پڑتا ہو لیکن اگر کسی کا دل ذکر اللہ سے متنفر ہو اور اللہ تعالیٰ کا نام سن کر شیطان کی طرح جز بز ہو جاتا ہو اور متنفر ہو کر بھاگتا ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ کا نام لینا، ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اور شیطان سے بیزاری کا اعلان ہے۔

-- جس صورت میں کسی عبادت کی تمام شکلیں اور ظروف جائز ہوں ایسی صورت میں کسی صورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جائے کہ لوگ سمجھیں کہ اس عبادت اور ذکر کی بس یہی ایک صورت ہے یا بس یہی ایک طریقہ ایسا ہے کہ اس سے عبادت ادا ہوتی ہے۔

-- کسی ذکر و عبادت کی صورت ایسی نہ ہو جو لوگوں کو ذکر و عبادت سے متنفر کر دے اور نہ ایسے

انداز میں ہو جس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی ہو بلکہ ادب و احترام کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا لحاظ کرتے ہوئے ہو۔

جائز کام جواز کی حد پر قائم رکھنا بھی ضروری ہے:

یہ بات بالکل صحیح اور شریعت مطہرہ اور علماء اسلام کے نزدیک ثابت ہے کہ اگر کسی مباح اور جائز عمل کو کوئی سنت کا درجہ دے یا اس میں دوسرے مفاسد شامل ہو جائیں تو ایسی صورت میں وہ بدعت یا مکروہ بلکہ بعض اوقات حرام ہو جاتا ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عمل ہی نیا اور بدعت ہے ۔بلکہ بدعت وہ زائد اعتقاد ہے۔اور یہی بدعت ہے۔اسی طرح دوسرے مفاسد کے مل جانے سے مندوب اور جائز کام مکروہ بلکہ حرام ہو سکتا ہے، جس کی وجہ سے اور علماء کرام اس کام کو بدعت قرار دیتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کام کو علی الدوام ممنوع قرار دیا جائے یہ تو شریعت مطہرہ میں تحریف و تبدیل ہوگا کہ ایک جائز کام کو علی الدوام ناجائز قرار دے دیا جائے مثلاً قبروں کو جانا کار ثواب ہے یہ آخرت کی یاد اور موت کی یاد کا سبب بن جاتا ہے اور گذرے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ محبت و تعلق کا اظہار ہے وغیرہ وغیرہ۔لیکن اگر کوئی قوم قبروں پر اس لئے جائے کہ ان ہی سے مانگیں یا دوسرے ناجائز اعمال شروع کریں مثلاً طواف وغیرہ تو وقتی پابندی لگانے میں کوئی حرج نہیں اور نبی کریم ﷺ نے خود بھی ایک زمانے میں اس پر پابندی لگائی تھی لیکن جب عقائد اور اعمال کے بگڑنے کا خطرہ ٹل گیا تو پھر اجازت دیدی۔

اسی طرح اگر کہیں کوئی کسی جائز کام کو سنت قرار دیتا ہے یا نہ کرنے والوں پر نکیر کرتا ہے تو ایسی صورت میں یا تو اس کو مسئلہ بتایا جائے گا لیکن اگر فساد زیادہ ہو تو اس کو منع بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ دائمی طور پر وہ چیز ناجائز قرار دے دی گئی بلکہ اگر ایک جائز کام جس میں کوئی مفسدہ اور غلط عقیدہ شامل نہ ہو مگر کوئی شخص اس کو ناجائز یا حرام سمجھتا ہے تو وہاں علماء کا فرض بنتا ہے کہ وہ قولاً اور عملاً اس کے جواز کو ثابت کر دیں مثلاً موزوں پر مسح جائز ہے اور فقہاء اور علماء کرام فرماتے ہیں کہ جہاں لوگ موزوں پر مسح کو ناجائز سمجھتے ہوں تو وہاں کے علماء اور دوسرے سمجھدار لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول و عمل سے یہ ظاہر کریں کہ موزے پہننا اور اس پر مسح کرنا جائز ہے البتہ اگر کوئی قوم موزوں پر مسح کو واجب قرار دیدے تو ان کی اصلاح بھی ضروری ہے تا کہ شریعت کا ہر حکم اپنی جگہ قائم رہے۔

کوئی کام فی نفسہ بدعت نہیں ہوتا لیکن کسی عارض یا تخصیص کی وجہ

سے یا کسی اور وجہ سے بدعت بن جاتا ہے:

یہ بات بار بار بتائی جا چکی ہے کہ بہت سے اعمال فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی اس کو کسی ایسے وقت کے ساتھ خاص کر دے کہ بس یہی اس کے کرنے کا وقت ہے اور اسی وقت میں یہ سنت و مستحب ہے تو اس کی بنیاد پر علماء کرام تردید کرتے ہیں کہ وقت کی خصوصیت صحیح نہیں نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کام فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتا ہے لیکن جب علماء اس کی ادائیگی کو کسی خاص عمل کے بعد یا اس سے پہلے کرنے سے روکتے ہیں اس میں ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ عمل کسی دوسرے عمل کا حصہ قرار نہ پائے مثلاً فرض نماز کے بعد تکبیر کہنا خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے لیکن بعض علماء نے صرف اس لئے چھوڑ دیا تا کہ لوگ اس کو نماز کا حصہ نہ قرار دیں کہ اس کے بغیر اس کی نماز پوری نہیں ہوتی یا اس لئے چھوڑ دیا تا کہ لوگ اس کو سنت یا واجب قرار نہ دیں جیسا کہ اس کا بیان آگے انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ یا مثلاً سجدہ شکر کو لیجئے کہ یہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ (العیاذ باللہ) امام ابو حنیفہؒ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ عمل کو بدعت قرار دیتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سجدہ شکر نماز کے فوراً بعد کرنا مکروہ ہے یہ وہ اس وجہ سے کہتے ہیں تا کہ کوئی اس زائد سجدہ کو نماز کا حصہ نہ قرار دے، لہٰذا وہ فی نفسہ اس کو نا جائز یا مکروہ یا بدعت نہیں کہتے۔

حضرت علامہ طحطاویؒ سجدہ شکر میں بحث کر کے ان لوگوں کی بات کو مسترد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس کو اس لئے مکروہ کہا ہے کہ یہ منسوخ ہے اور فرمایا کہ یہی سجدہ شکر اکابر صحابہؓ جیسے ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ سے ثابت ہے تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سجدہ شکر مکروہ ہے اور پھر حضرت امامؒ کے قول کی صحیح توجیہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ:

> وسجدة الشكر مستحبة به يفتى لكنها تكره بعد الصلاة لان الجهلة يعتقدون انها سنة او واجبة وكل مباح يودى اليه فهو مكروه: اور سجدہ شکر مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے مگر نماز کے بعد سجدہ شکر کرنا مکروہ ہے کیونکہ جاہل لوگ اس کے متعلق سنت یا واجب ہونے کا عقیدہ رکھیں گے اور ہر مباح عمل جو ایسے (غلط عقیدے) کا سبب بنتا ہے تو وہ عمل مکروہ ہوتا ہے (طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۲۷۲)۔

علامہ طحطاویؒ کی بات واضح ہے کہ نماز کے بعد اگر سجدہ شکر کیا جائے تو بالآخر لوگ نمازوں کے بعد سجدہ شکر کرنے لگیں گے اور اس کو ایک سنت یا واجب امر قرار دیں گے۔ اس لئے ہر کام جو غلط عقیدہ اور خرابی کا سبب بن جاتا ہے

تو وہ مکروہ ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ سجدہ شکر ہی کو نا جائز اور مکروہ قرار دیدیا جائے بلکہ ایسے موقع سے بچا جائے جس کی وجہ سے وہ دوسری عبادت کا حصہ بن جائے یا لوگ اس کو سنت یا واجب قرار دے کر بالآخر نہ کرنے والوں پر نکیر کرنے لگیں۔جیسا کہ بہت سے جائز امور کو جب کسی خاص عبادت مثلاً نماز یا اذان وغیرہ کے آگے پیچھے کا معمول بنایا جاتا ہے تو بالآخر لوگ اس مباح اور جائز عمل کو نماز یا اذان کا حصہ قرار دے دیتے ہیں اور نہ کرنے والوں پر نکیر کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عمل اپنے مقام سے ہٹ کر بدعت اور نا جائز ہو جاتا ہے اگرچہ فی نفسہ وہ کام جائز بلکہ مستحب ہوتا ہے۔

کیا جہر صرف اذان وغیرہ میں درست ہے؟

علماء کرام ذکر جہر کے جواز یا افضلیت کی بحث میں یوں لکھتے ہیں کہ؛

اما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبه والحج : بہرحال ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا جائز ہے جیسے اذان اور خطبہ اور حج میں (شامی، جلد ۵، ص ۲۵۵، بزازیہ علی حاشی الھندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۹)۔

تو اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ گویا صاحبِ کتاب کا مطلب یہ ہے کہ اذان وغیرہ کے بغیر کسی وقت بھی ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا جائز نہیں۔حالانکہ یہاں صاحبِ کتاب کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ صرف اذان تکبیراتِ تشریق وغیرہ میں تو جہر جائز ہے اور اس کے بغیر نہیں۔اگر اس کا یہ مطلب ہو تو ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اذان کو جہراً ثابت کریں حالانکہ اذان تو ایک اعلان اور ایک دعوت ہے جس کا تصور بھی بغیر جہر کے نہیں ہو سکتا اور اس میں جہرِ شدید کا ہونا تواتر سے ثابت ہے اور تکبیراتِ تشریق وغیرہ تو جہراً ہی واجب یا مسنون ہیں ان کی تعداد میں تو اختلاف ہے لیکن جہر میں تو نہیں بلکہ جہر کو فقہاء واجب یا مسنون مانتے ہیں لہٰذا وہ اذان وغیرہ کے جہری ہونے کیلئے دلائل پیش نہیں کرتے بلکہ اس سے استدلال کر کے عام حالات میں ذکر جہر بلکہ رفع صوت اور بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کے جواز کو ثابت کرتے ہیں۔

لھذا ایسے مقامات پر صاحب کتاب کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ جہاں شرعی مانع موجود نہ ہو تو وہاں جہر اور بلند آواز سے ذکر جائز ہے اور وہ اذان اور تلبیہ جس میں زیادہ بلند آواز اچھی ہے اسے دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے تلبیہ وغیرہ میں دعا و پکار اور ذکر ہے وہ بھی زیادہ بلند آواز میں اچھا ہے تو جب یہ " ادعو ربکم " اور "ادعوا" وغیرہ حدیثوں کے مخالف نہیں تو دوسری جگہوں میں بھی یہ جائز ہے بشرطیکہ کسی کی ایذاء اور تکلیف کا سبب نہ بنے۔نیز اگر مصنف صرف اذان وغیرہ جیسی چیزوں ہی میں جہر کو جائز سمجھتے ہیں جو واجب اور مسنون ہیں

اور اس کی علاوہ دوسرے موقعوں پر جہر کو ممنوع قرار دیتے ہیں تو پھر فتاویٰ بزازیہ میں حدیث "ادبعوا" اور "حدیث ابن مسعودؓ "وغیرہ کا کیوں جواب دیتے ہیں صاف صاف یوں کہتے کہ چونکہ اذان وغیرہ کے علاوہ جہر قطعاً ممنوع ہے اس لئے عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اس کو منع کیا تھا۔ حالانکہ وہ ایسے نہیں لکھتے بلکہ عبداللہ بن مسعودؓ کے واقعہ سے جواب دیتے ہیں کہ لوگوں نے چونکہ صفت جہری کو عبادت سمجھ لیا تھا اس لئے ان کو منع کیا نیز پھر وہ ذکر جہر اور سری کی افضلیت کی تفصیل میں یوں کیوں لکھتے کہ؛ والجمع بینهما بان ذالک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال: اور ان دونوں (طرح کی حدیثوں) میں تطبیق اس طرح ہے کہ جہر اور سر اختلافِ اشخاص اور اوقات سے مختلف ہوتا ہے (شامی، جلد ۵، ص ۲۵۵)۔

تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اذان وغیرہ میں کسی شخص کیلئے سری لسانی اچھا ہے اور کسی کیلئے جہر، حالانکہ یہ بات نہیں۔ لہذا علماء کی ایسی عبارتوں سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ان چیزوں کو نقل کر کے صرف اتنی بات بتانا چاہتے ہیں کہ جہر قرآن مجید اور حدیث شریف کے مزاج اور اس کے حکم کے خلاف نہیں بلکہ جہاں شرعی مانع نہ ہو وہاں ذکر جہر جائز ہے۔

رفع الصوت کا مطلب:

رفع الصوت فقہاء کی اصطلاح میں جہر کامل یعنی پوری قوت سے آواز نکالنے کو کہتے ہیں جیسا کہ اس کا بیان پہلے بھی گذر چکا ہے اور انشاء اللہ بعد میں بھی آئے گا۔

رفع الصوت حدیث اور محدثین کی اصطلاح میں:

جہر اور رفع الصوت کے یہ معنی صرف لغت اور فقہاء کی اصطلاح میں ہی نہیں بلکہ احادیث اور محدثین کی اصطلاح میں بھی رفع الصوت کا مطلب چیخنا چلانا اور پکارنا ہوتا ہے اور جو آواز چیخنے چلانے سے کم ہو اسے دون الجہر کہتے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ باب اور عنوان میں یوں فرماتے ہیں کہ؛

> رفع الصوت بالاهلال: احرام (کے وقت تلبیہ) کے ساتھ آواز بلند کرنا۔ پھر اس باب اور عنوان کے نیچے حضرت انسؓ کی حدیث کو پیش کرتے ہیں: یصرخون بهما جمیعًا: صحابہ کرامؓ حج اور عمرہ دونوں میں چلاتے تھے (یعنی آواز بلند کرتے تھے) (بخاری، جلد ۱، ص ۲۰۹ تا ۲۱۰)۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ؛

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے یہ امر کیا کہ: اَنْ اٰمُرَ ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال او التلبیة : کہ میں (اپنے صحابہؓ کو) اس بات کا حکم دوں کہ وہ تلبیہ یعنی لبیک کہنے میں اپنی آوازیں بلند کریں (مشکوٰۃ کتاب المناسک بحوالہ مؤطا امام مالک، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ)۔

اب اسی رفع الصوت یعنی بلند آواز کے حکم کی تعمیل صحابہ کرامؓ نے کیسے کی؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے کریں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

خرجنا مع رسول اللّٰہ ﷺ نصرخ بالحج صراخا: ہم آپ ﷺ کے ساتھ اس طرح نکلے کہ ہم حج کیلئے چلاتے تھے (مشکوٰۃ کتاب المناسک بحوالہ صحیح مسلم) اور حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں سواری پر حضرت ابوطلحہؓ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا "وَاِنَّھُمْ لَیَصْرَخُوْنَ بِھِمَا جَمِیْعًا الحج و العمرۃ : اور صحابہ کرامؓ دونوں کیلئے (یعنی حج وعمرہ کیلئے) چلاتے تھے" (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری)۔

" صَرَخَة" کے معنی چیخنا، چلانا، زور سے آواز دینے کو کہتے ہیں اس لئے اذان کو بھی صَرَخَة کہا جاتا ہے کہ یہ چلانے کی آواز میں دی جاتی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ قحط کے زمانے میں لوگوں کے سامنے دعا مانگ رہے تھے اس میں آتا ہے "رفع صوتہ بالاستغفار: استغفار کے ساتھ آپ آواز بلند کر رہے تھے" اور پھر اسی روایت میں ہے کہ: "عج الی ربہ: اور اپنے پروردگار سے چلا کر فریاد کی" (حیاۃ الصحابہؓ، جلد۳، ص۳۴۰)۔

عج کے معنی بھی چیخنے چلانے، پکارنے کے ہیں (لغات الحدیث)۔ نیز نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: "افضل الحج العجُّ والثجُ: افضل حج وہ ہے جس میں چلانا اور بہانا ہو (یعنی جس حج میں چلا کر اور پکار کر تلبیہ کہنا ہو اور قربانی کا خون بہانا ہو)" (مشکوٰۃ باب الحج)۔ انشاء اللہ تعالیٰ آنے والی حدیثوں سے خوب معلوم ہو جائیگا کہ جہر معتدل قرآن وحدیث سے بالاجماع ثابت ہے بلکہ جہر شدید بھی اگر مضر اور تکلیف دہ نہ ہو تو وہ بھی جائز ہے اگرچہ اس میں اختلاف ہے لیکن نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کے عمل سے اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے آپ خود معلوم کر سکیں گے۔ کہ جہر اور رفع الصوت میں اس قدر بے جا اختلاف کرنا کہ جہری ذکر پر بدعت اور ناجائز ہونے کا فتویٰ لگایا جائے خود ایک بدعت ہے کہ ایک جائز چیز کے متعلق عدم جواز کا ایک نیا عقیدہ بنالیا جائے اور حرام وحلال کا اختیار اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنے اختیار میں لے کر اپنی بندگی کرانے کے جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا جائے۔

بسا اوقات اختلاف بہت کم نوعیت کا ہوتا ہے لیکن بعد والے اس کو بڑھاتے رہتے ہیں:

بسا اوقات اختلاف بہت کم نوعیت کا ہوتا ہے مگر کسی امام کے پیروکار اس کو بڑھا دیتے ہیں۔حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ کا فروعی مسائل میں جو اختلاف ہوتا ہے ان میں سے کسی امام نے اختلافی مسائل میں سے اپنے لئے جس مسئلہ کو اختیار کیا ہے تو ان کے درمیان اختلاف کی نوعیت بہت کم درجہ کی ہوتی ہے۔ لیکن بعد والوں میں سے بعض علماء ان کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور پھر اس مسئلہ کے حق میں اپنی طرف سے ایسے دلائل پیش کرتے ہیں کہ جو اختلاف افضل اور غیر افضل کا ہوتا ہے تو وہ بدعت وغیرہ جیسے اختلاف کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور یہی معاملہ غالباً ذکر جہر میں ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے صراحت کے ساتھ ذکر جہر کے متعلق کوئی ممانعت مستند طریقہ سے منقول نہیں پائی گئی۔ مسند امام ابی حنیفہ، مسانید خوارزمی، امام محمدؒ کی کتاب الآثار اور ان کی کتاب زیادات وغیرہ، نیز حضرت امام ابو یوسفؒ کی جو کتابیں بندہ کو میسر آئیں ان میں کہیں بھی ذکر جہر کے متعلق صراحت کے ساتھ ممانعت نہیں پائی گئی اور نہ اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل نظر سے گذری البتہ عید الفطر کے ایام میں راستوں میں جہراً تکبیر ہونی چاہیے یا کہ نہیں اس مسئلہ میں ائمہ متبوعین کا اختلاف ہے۔حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام محمدؒ اور جمہور ائمہ متبوعین اس بات کے قائل ہیں کہ عید الفطر کے موقعہ پر راستوں میں تکبیریں بلند آواز سے کہنا مستحب اور مسنون ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے کہ جہری تکبیریں ہونی چاہئیں، لیکن حضرت امامؒ کی ظاہر روایت یہی ہے کہ عید الفطر کے موقعہ پر تکبیریں جہراً نہیں ہونی چاہئیں۔لیکن بعد کے علماء نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ عید الفطر کے ایام میں جو شخص بھی تکبیریں کہے گا تو سنت سمجھ کر کہے گا اس لئے جائز عمل کو سنت کا درجہ دیدیا جائیگا۔ جس کی وجہ سے یہ بدعت ہو جائیگی پھر آگے چل کر بعض علماء نے ''اذکر ربک'' وغیرہ جیسی آیتوں سے مطلقاً ذکر جہر کے بدعت ہونے کا مسئلہ نکالا جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شریعت مطہرہ نے بلند آواز کے ساتھ ذکر کو مسنون کر دیا وہاں تو یہ جائز اور مسنون ہے لیکن جہاں شریعت مطہرہ نے ذکر کی صورت کو متعین نہیں فرمایا تو ایسی حالت میں چلا کر بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے، لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس صورت میں بدعت کہنا اس وقت صحیح ہے جب ذکر جہر کو مسنون سمجھا جائے یا اس سے جہر مفرط یا جہر مضر مراد لیا جائے۔ ورنہ اگر مطلقاً ذکر جہر مراد لیا جائے تو یہ نہ صرف قرآن و سنت کے خلاف ہوگا بلکہ ایک ہی فقیہ کے قول و تحریر

میں اس قدر تضاد پایا جائے گا کہ جس کی وجہ سے اپنے علماء کے اقوال و تحریرات بے اعتبار سمجھی جائیں گی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ احناف کے بعض فقہاء کے مجمل اقوال کی عبارتوں سے بعض علماء نے جو یہ سمجھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ذکر بالجہر بدعت ہے یہ بات قطعاً غلط اور خلافِ حقیقت ہے بلکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ ذکر بالجہر کو ایسے موقع پر بدعت کہتے ہیں، جہاں ذکر کرنے کا موقع تو ہو مگر جہر ثابت نہ ہو۔ تو ایسے موقع پر ذکر بالجہر کو سنت قرار دینا بدعت ہے۔ مثلاً حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق تکبیراتِ تشریق یوم عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کی نماز فجر سے دس ذی الحجہ کی نمازِ عصر تک آٹھ نمازوں کے بعد مشروع ہیں اس سے زیادہ مشروع نہیں بلکہ بدعت ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ وغیرہ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ تکبیرات تیرہ (۱۳) ذی الحجہ کی عصر تک یعنی تیئس نمازوں کے بعد جہراً واجب ہیں۔ اسی طرح عید الفطر میں عیدگاہ کو نمازِ عید کیلئے جاتے وقت امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جہراً تکبیریں کہنا مستحب ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چپکے کہنا مستحب اور جہراً بدعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ذکر کے مواقع ہیں مگر ان میں جہر سنت سے ثابت نہیں اور جہاں ذکر کا موقع ہو مگر جہر سنت سے ثابت نہ ہو تو وہاں ذکر بالجہر کو سنت قرار دیا جانا بدعت ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ غیر سنت کو سنت کا مقام دے دینا بدعت ہے نہ کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اور جس نے بھی ہمارے فقہاء کے اقوال اور ائمہ مجتہدین کی آراء اور ان کی عبارتوں اور ان کے باہمی اختلاف میں غور وفکر کیا تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہے جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔ کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف مطلقاً ذکر بالجہر کو منسوب کرنا غلط اور خلافِ حقیقت ہے۔

ذوق کے اختلاف سے ذکر جہر کی افضلیت میں اختلاف:

دراصل عام حالات میں ذکر جہر یعنی جہر شدید جائز ہے یا کہ نہیں یا جہر شدید افضل ہے یا خفی اس اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نقشبندی حضرات رحمہم اللہ جن کے اذکار میں لطائف پر ذکر ہوتا ہے اور وہ خیالی ضربیں دل پر لگاتے ہیں۔ اور اس کے برعکس قادری اور چشتیہ حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ ذکر جہر بتایا کرتے تھے اور جہر بھی اس قدر کہ خوب قوت اور ضرب کے ساتھ ہو۔ چونکہ ہم عصر علماء میں کبھی ذوق کے اختلاف سے بھی اختلاف بڑھ جاتا ہے چنانچہ قادریہ اور چشتیہ طریقہ سلوک سے جو لوگ منسلک تھے وہ ذکر جہر کو ترجیح دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ شدید جہر میں مشقت زیادہ ہے اور لوگوں کو فائدہ ہے وغیرہ اور وہ خیالی ضربوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو ذکر کی کوئی بھی صورت نہیں جہراً گرچہ شدید بھی ہو وہ بھی کم از کم شرعاً تو ثابت ہے جیسا کہ اذان تلبیہ ہے۔ لیکن ذکر کی یہ خیالی صورت تو ذکر کی صورتوں میں سے بھی نہیں اور نقشبندی حضرات جہر کے مقابلے میں اسی خیالی ذکر کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی

کا نام ذکرخفی رکھدیتے ہیں اوروہ کہتے ہیں کہ یہ ریاء کاری سے دور ہے۔ اخلاص اس میں زیادہ ہے اوراس کے مقابلہ میں ذکرجہر کے خلاف وہ عبارتیں نکال لیتے تھے جوتکبیرات تشریق کی تعداداورعیدالفطر کے دن جہراً تکبیروں کہنے سے متعلق تھیں،تو اس پر قیاس کر کے وہ کہتے تھے کہ جہر (یعنی جہر شدید) بدعت ہے،مکروہ ہے وغیرہ وغیرہ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ سارے علماء اورمفسرین کا یہ اختلاف تعصب اور باہمی عناد کی بنیاد پر تھا بلکہ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ بعض علماء اورمفسرین ایسے بھی تھے جن کا اختلاف اپنے ذوق کی بنیاد پر تھا۔ چنانچہ حضرت علامہ شیخ احمد المعروف ملا جیونؒ اپنی تفسیر میں ان کے متعلق یوں لکھتے ہیں کہ:

ولایخفی ان الایة تدل علی افضلیة الذکر الخفی ولھذا قال بعض اھل السلوک ان الذکر الخفی عزیمة والجھر بدعة او مباح و عند البعض الجھر افضل :یادر ہے کہ یہ آیت ذکرخفی کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے اوراس لئے بعض اھل السلوک نے کہا ہے کہ آہستہ ذکرعزیمت ہے اور بلند آواز سے ذکرکرنا بدعت ہے یا مباح ہے اوربعض کے نزدیک جہر افضل ہے۔

اس کے بعد علامہ ملا جیونؒ فرماتے ہیں؛

وھذا بحث مختلف فیہ بین الانام فی زماننا ولاطائل تحتہ اذالمقصود للکل الوصول الی اللہ تعالیٰ بایِ طریقٍ کان: اور یہ بحث ہمارے زمانے کے لوگوں میں مختلف فیہ ہوگئی ہے لیکن اس بحث میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اصل متصدتو سب کا وصول الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب اورتعلق کو حاصل کرنا) ہے جس طریقے سے بھی ہو (تفسیرات احمدیہ،ص ۲۸۱)۔

غرض یہ کہ سراور جہر کا معاملہ شریعت مطہرہ میں اس قدرسخت نہیں کہ اس کی بنیاد پر کسی کو بدعتی یا فاسق وغیرہ قراردیا جائے،الا یہ کہ وہ طریقہ ایسا ہوجس میں دوسری غلط چیزیں شامل ہوں مثلاً ساز وغیرہ۔

کسی عالم یا فقیہ کی ایک مقام پرلکھی ہوئی عبارت کولے کردوسرے مقام پرلکھی ہوئی عبارت کوچھوڑ دینا:

کبھی کبھی کسی عالم اورفقیہ یامفتی کے سامنےکوئی خاص قسم کاواقعہ یا حالت ہوتی ہےتو وہ اس کے مطابق فتویٰ دےدیتا ہے،تواس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ چیز فی نفسہ ان کے نزدیک حرام یاناجائز ہوتی ہے بلکہ اس کے

عدم جواز کا تعلق اس چیز کے ساتھ ملنے والے ناجائز امور کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان لوگوں کے متعلق لکھا ہے جو اس قدر بلند آواز کے ساتھ مسجد میں دعا مانگتے تھے جن کی وجہ سے مسجد میں شور شغب کی فضا بن جاتی اور آواز اس قدر تیز کہ کان بہرے اور بند ہو جاتے تھے ان کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے تو دو بدعتیں جمع کی ہیں ایک بلند آواز سے دعا، دوسری بدعت یہ کہ بلند آواز مسجد میں (دیکھئے روح المعانی، جلد ۸، ص ۱۳۹)۔ لیکن حضرت علامہ آلوسیؒ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ نفس ذکر جہر ممنوع یا بدعت ہے بلکہ ان کے سامنے جو واقعہ ہے اس کے مطابق لکھتے ہیں ورنہ دوسری جگہ وہ خود جہر معتدل کو ثابت کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات اور بعض اشخاص کے لحاظ سے اس کی افضلیت کی تائید بھی کرتے ہیں جیسا کہ اس کتاب میں آپ کو ان کے دونوں طرح کے حوالے مل جائیں گے۔

اسی طرح آپ کو کتابوں میں بہت سے حوالے ایسے مل جائیں گے کہ وہ کسی خاص واقعہ کے متعلق ہوں گے جس کو دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کونسی چیزیں ایسی ہیں جو جائز چیز کے ساتھ مل کر اس جائز کو ناجائز بنا دیتی ہیں مثلاً یا تو اس چیز کے متعلق غلط عقیدہ ہوگا کہ وہ چیز مباح یا مستحب ہوگی لوگ اس کو فرض، واجب یا سنت مؤکدہ سمجھنے لگے یا کسی ایک صورت میں ذکر وغیرہ کو منحصر کرتے ہوں گے یا اس میں حد سے زیادہ تجاوز کرتے ہوں گے۔ یا اس کے ساتھ دوسری چیزیں مثلاً بین باجا وغیرہ ملا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسے حوالوں کو دیکھ کر غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں بلکہ شاید اسی عالم اور فقیہ کے قول و فعل یا اس کی تحریر میں اس چیز کے متعلق اصل حکم بھی آپ کے سامنے آ جائے، جیسا کہ بندہ نے نمونہ کے طور پر حضرت علامہ آلوسیؒ کے حوالے کے متعلق بتایا اور ان کے دونوں طرح کے حوالے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔

نقل عبارت میں علماء سے تسامح ہو سکتا ہے:

علماء کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ کسی کتاب سے ایک بات ثابت کرنے کیلئے ادھورا حوالہ لکھ دیتے ہیں تا کہ وہ صرف اپنی ایک بات کو ثابت کر دیں اور صرف ایک مسئلہ کی وضاحت کر دیں لیکن اس سے کبھی کبھی یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ اسی مسئلہ کے متعلق کتاب والے کی جو رائے ہے یا انکے نزدیک جو بات ثابت ہوتی ہے اس کو الٹ دیا جاتا ہے یا اسی حوالے کو ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ گویا وہ اس چیز کے عدم جواز کا قائل ہے حالانکہ وہ ان کے نزدیک جائز ہوگی۔ مثلاً امام حافظ الدین محمد بن محمدؒ کی لکھی ہوئی عبارت کو اگر اتنا پیش کیا جائے کہ وہ لکھتے ہیں کہ:

وفي فتاوى القاضي رفع الصوت بالذكر حرام وقد صح عن ابن مسعودؓ

انہ سمع قومًا اجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون علیہ الصلوٰۃ و السلام جھرًا فراح الیھم فقال ما عھد نا ذالک علی عھدہٖ علیہ السلام وما اراکم الامبتدعین فمازال یذکر ذالک حتیٰ اخرجھم عن المسجد: فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ ایک قوم مسجد میں جمع ہو کر جہرا لاالہ الا اللہ اور درود شریف پڑھتے ہیں تو وہ ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ بات نہیں تھی اور میں تمہیں بدعتی سمجھتا ہوں، بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا[1] (فتاویٰ بزازیہ علی حاشیہ الھندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۸)۔

اگر فتاویٰ بزازیہ کی اتنی ہی عبارت نقل کر کے اس پر اکتفا کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب بزازیہ بھی علامہ قاضی خان کا ساتھ دے رہے ہیں اور اس کی تائید کر رہے ہیں، حالانکہ اگر انکے بعد والی عبارت کو ملا دیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاضی خان کی عبارت کو اس کی ٹھیک جگہ پر محمول کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح جن نصوص یعنی قرآن وحدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ذکر جہری مکروہ ہے تو وہ اس کا بھی جواب دیتے ہیں (دیکھئے پوری عبارت فتاویٰ بزازیہ علی حاشیہ الھندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۸ تا ۳۷۹) نیز اس کی قدرِ مفصل عبارت اس کتاب میں بھی موجود ہے اس کو پڑھ لیجئے، پھر اس ادھورے حوالہ کو دیکھ لیا جائے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائیگی کہ بعض اوقات ادھورے حوالے سے تحریر اور مضمون کا مقصد و معنی بالکل الٹ جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ تین مقامات پر آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے، اس کا مطلب؟

بعض کتابوں میں قیس بن عبادؒ سے ایک بات منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

کان اصحاب رسول ﷺ یکرھون رفع الصوت عندالجنازۃ وعندالذکر وعندالقتال: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب یعنی صحابہ کرامؓ تین موقعوں میں آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے، جنازہ کے وقت اور ذکر کے وقت اور لڑائی کے وقت (فقہ السنۃ، جلد ۱،

[1] اس روایت پر انشاء اللہ تعالیٰ پوری بات اپنے مقام پر آئے گی۔

ص ۵۳۸ اور فتح ربانی، جلد ۸، ص ۲۴)۔

ان تینوں مواقع میں آواز بلند کرنے میں خواہ جس چیز کیساتھ بھی ہو بلند آواز میں باتیں کرنا ہو یا ذکر و تلاوت کرنا ہو کو مکروہ سمجھتے تھے اس کی وجہ کیا تھی، لڑائی کے وقت جب عین دست بدست حملہ کا وقت نہ ہو اس کے متعلق تو واضح ہے اس لئے ایسے موقع پر تیز آواز نکالنا دشمن کو موقعہ دے دینا ہے اور یہی تیز آواز مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے اور جنازے کے وقت تیز باتیں یا اونچی آواز سے ذکر کرنا اس لئے مکروہ سمجھتے تھے کہ مردے کے ساتھ جاتے وقت انسان کو اپنی آخرت اور اپنی موت کی فکر کرنی چاہئے۔ کہ ایسا دن مجھ پر بھی آنے والا ہے تو ایسی صورت میں اگر کوئی شخص آواز اونچی کرتا ہے، تیز تیز باتیں کرتا ہے یا زیادہ تیز آواز کے ساتھ ذکر کرتا ہے، قرآن مجید پڑھتا ہے تو اس کو یہ فکر نصیب نہ ہوگی نیز اس کی وجہ سے دوسروں کی توجہ بھی اس بہترین فکر سے ہٹ جاتی ہے، اس وجہ سے فقہاء کرام بھی جنازے کے ساتھ جاتے وقت بلند آواز سے باتیں بلکہ ذکر و تلاوت کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔ تقریباً تمام فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ جنازہ کے ساتھ جاتے وقت خاموشی اختیار کرنا چاہیے اور تیز آواز کے ساتھ نہ بات ہو نہ ذکر و تلاوت کی جائے تاکہ خود بھی موت اور آخرت کی فکر کریں اور دوسروں کو بھی یہ موقع دیا جائے۔

تیسرا موقعہ جس میں صحابہ کرامؓ آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ ذکر جہر کو مکروہ سمجھتے تھے ورنہ الفاظ یوں ہوتے کہ "یکرھون الجھر بالذکر" یا یوں ہوتے "یکرھون رفع الصوت بالذکر: جہر کے ساتھ ذکر" ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے۔ یہاں الفاظ یہ نہیں بلکہ "عندالذکر" ہے یعنی ذکر کے موقعہ پر بلند آواز سے باتیں وغیرہ نہیں کرنی چاہیئے، مثلاً بیان ہو رہا ہے تو اس وقت اونچی باتیں بلکہ اونچی آواز سے ذکر بھی نہ کریں یا مثلاً خطبہ پڑھا جا رہا ہے اس وقت بھی چپ رہیں نیز لوگ تلاوت اور ذکر میں مشغول ہوں اس وقت بھی تیز تیز باتیں یا زیادہ تیز آواز سے ذکر و تلاوت کرنا یہ سب اس لئے مکروہ ہے کہ بیان، خطبہ اور دوسروں کے ذکر میں تشویش اور خلل پڑتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہری ذکر کو مکروہ سمجھتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی ذکر ہو رہا ہو اس وقت بلند آواز کر کے خطبہ وغیرہ میں خلل نہ ڈالو اور یہی بات حدیثوں سے بھی ثابت ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر احادیث پیش کی جائیں گی، اگر مذکورہ عبارت سے یہ مطلب لیا جائے کہ ذکر یعنی تسبیح و تہلیل اور قراءت قرآن کو جہر کے ساتھ پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ یہاں الفاظ "بالذکر" نہیں بلکہ "عندالذکر" ہیں۔

نیز صحابہ کرامؓ کے خود اپنے عمل سے ذکر بالجہر ثابت ہے جیسا کہ انشاء اللہ پورا بیان آنے والا ہے جس

سے ثابت ہوگا کہ ذکر جہر غیر ممنوعہ مواقع کے علاوہ قرآن، حدیث اور عملی اجماع سے ثابت ہے اور علماء نے بھی "عند الذکر" سے یہی معنی لیا ہے۔ چنانچہ علامہ احمد الرحمٰن قیس بن عبادؒ کے اسی قول کو نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ:

ومثل ذالک قالت الحنفیه والمالکیه ای بکراهة رفع الصوت امام الجنازة ولو بذکر او قراة: اور اسی طرح حنفی اور مالکی مسلک والوں نے کہا ہے کہ جنازہ کے آگے آواز بلند کرنا اگرچہ کسی ذکر یا تلاوت قراءت کے ساتھ ہو (پھر بھی مکروہ ہے) (فتح الربانی، جلد ۸، ص ۲۴)۔

اگر علماء قیس بن عبادہ کے جملہ سے یہ مطلب لے لیتے کہ مطلقاً ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا ہی مکروہ ہے پھر تو عبارت یوں ہونی چاہیئے کہ ذکر و تلاوت کے ساتھ آواز بلند کرنا تو ویسے بھی مکروہ ہے، مگر باتیں بھی تیز آواز کے ساتھ مکروہ ہیں یہاں تو عبارت بالکل برعکس ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اگرچہ ذکر پر آواز بلند کرنا فی نفسہ ممنوع نہیں کیونکہ بعض اوقات لوگوں کیلئے ترغیب اور تذکیر کا سبب بن جاتا ہے اور لوگوں کو فضول باتوں سے دور کرنے کا ذریعہ اور سبب بن جاتا ہے لیکن جنازہ کے ساتھ جاتے وقت دوسری باتوں پر آواز بلند کرنا تو مکروہ ہی ہے بلکہ ایسے وقت میں ذکر بالجہر بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ آخرت و موت کی فکر میں خلل ڈالتا ہے اور وجہ وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی اور امام نوویؒ نے بھی جنازہ کے ساتھ رفع الصوت یعنی بلند آواز کے مکروہ ہونے کی وجہ تقریباً اسی طرح بتائی ہے [1] (کتاب الاذکار للنوویؒ، ص ۱۴۶)

جب بعض علماء کہتے ہیں کہ جہر یہ ہے کہ خود سنے اس میں غلط فہمی:

بعض علماء کے نزدیک خفی نماز بھی اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتی جب تک نمازی اپنی قرأت کو خود نہ سن سکے بشرطیکہ اس کے کان درست ہوں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو سناتا ہے تو جو لوگ اس کے قریب ہوں گے وہ بھی اس کی قرأت کو سن سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات جہر کے متعلق پھر یوں لکھتے ہیں کہ کم از کم جہر جس سے نماز صحیح ہو جائے وہ اس قدر ہے کہ دوسرے ایسے لوگوں کو سنا سکے جو اس کے بالکل قریب نہ ہوں۔ اور حافظ ابن تیمیہؒ (وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ) الایۃ کے تحت (اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا) کے

---

[1] واعلم ان الصواب والمختار ماکان علیه السلف رضی الله عنهم السکوت فی حال المسیر مع الجنازه فلا یرفع صوتاً بقرأة ولاذکر ولاغیرذالک والحکم فیه ظاهر وهوانه اسکن لخاطره واجمع لفکره فیما یتعلق بالجنازة (کتاب الاذکار، ص ۱۴۶)

متعلق فرماتے ہیں کہ:

فالاخفاء قد یکون بصوت یسمعه القریب هو المناجاة: پس اخفاء کبھی ایسی آواز میں بھی ہوتا ہے کہ قریب کا شخص اس کو سن لیتا ہے، تو یہی مناجات ہے (تفسیر کبیر، حافظ ابن تیمیہؒ، جلد ۴، ص ۳۲۰)۔

اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر صرف زبان حرکت کرتی ہے اور حروف صحیح ادا ہوں تو پھر سری نماز صحیح ہو سکتی ہے اور کم سے کم جہر کی تعریف یہ علماء یوں کرتے ہیں کہ جب آواز اس قدر ہو کہ خود اچھی طرح سن سکتا ہو تو پھر اس پر جہر کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اور ان علماء کیلئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ والی حدیث بھی دلیل بن سکتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

لم یخافت من اسمع اذنیه: جس شخص نے اپنے کانوں کو سنا دیا اس نے آہستہ نہیں پڑھا (مجمع الزوائد، جلد ۲، ص ۲۶۷)۔

دیکھئے یہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مطلب یہی تو ہے کہ جو اپنے کانوں کو سنائے تو اس نے اپنی قرأت کو حد اخفاء سے نکال دیا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ فقہاء اور علماء اس بحث کو اس لئے نہیں چھیڑتے کہ اس سے زیادہ جہر نا جائز ہے یا حرام و مکروہ ہے، بلکہ وہ صرف یہ مقدار اس لئے بتاتے ہیں کہ اس سے طلاق، عتاق، نماز وغیرہ صحیح ہو سکتی ہیں یا کہ نہیں۔ مثلاً علامہ ابن نجیمؒ اس بحث میں اکثر مشائخ کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

واکثر المشائخ علی ان الصحیح ان الجهر ان یسمع غیره والمخافة ان یسمع نفسه وهو قول الهندوانی وکذا کل مایتعلق بالنطق کالتسمیة علی الذبیحة ووجوب السجدة بالتلاوة والعتاق والطلاق والاستثناء حتی لو طلق ولم یسمع نفسه لایقع وان صح الحروف وفی الخلاصة الامام اذاقرء فی صلوة المخافة بحیث سمع رجل اور رجلان لایکون جهرًا والجهران یسمع الکل

اور اکثر مشائخ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جہر یہ ہے کہ دوسروں کو سنائے اور آہستہ پڑھنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور یہی امام ھندوانی کا قول ہے اور یہی تفصیل ان سب چیزوں کے متعلق ہے جو بولنے سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا اور سجدہ تلاوت کا تلاوت سے واجب ہو جانا اور غلام کا آزاد کرنا اور طلاق دینا اور استثنا کرنا، حتی کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو (ایسے انداز میں) طلاق دی کہ اس نے اپنے کو نہیں سنایا تو طلاق واقع

نہیں ہوگی، اگر چہ اس نے (زبان ہلاکر) حروف صحیح ادا کئے ہوں اور خلاصہ الفتاوی میں ہے کہ امام جب سری نماز میں خفیہ قرأت (ایسے انداز میں) کرتا ہے کہ وہاں ایک دو آدمی اسے سنیں تو وہ جہر نہ ہوگا جہر تو یہ ہے کہ سب سنیں (یعنی جو بالکل قریب ہوں وہ بھی سنیں اور جو دور رہوں وہ بھی) (بحرالرائق، جلد ا، ص ۳۳۶)۔

مذکورہ عبارت سے آپ کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ اگر کسی نے بسم اللہ پڑھی لیکن کان درست ہونے کے باوجود اس نے ایسے انداز میں نہ پڑھی کہ خود سنے تو گویا اس نے بسم اللہ خفیہ بھی نہیں پڑھی تو ذبح صحیح نہ ہوگی اس انداز کے ساتھ قراءت ہوگی تو نماز صحیح نہ ہوگی طلاق واقع نہ ہوگی، اگر چہ حروف صحیح ادا کئے ہوں لیکن دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ زبان کو ہلانا اور حروف کی صحیح ادائیگی کرنا ہی سری نماز وغیرہ میں ضروری ہے اگر خود نہ بھی سن سکے پھر بھی سری نماز صحیح ہوگی اور یہی بات وہ جہر کے متعلق جہری نماز کے بارے میں کہتے ہیں۔ اب یہاں صرف دو مفسرین کی رائے اس کے متعلق لکھ دیتا ہوں۔

علامہ قرطبیؒ "دون الجهر" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

> ای دون الرفع فی القول ای اسمع نفسک کما قال وابتغ بین ذالک سبیلا ای بین الجهر والمخافة و دل هذا علی ان رفع الصوت بالذکر ممنوع: آواز بلند نہ کریں یعنی اپنے نفس کو سنائے جیسا کہ "وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً" میں ہے یعنی جہر اور اخفا کے درمیان اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا ممنوع ہے (تفسیر قرطبی، جلد ۷، ص ۳۵۵)۔

یہاں بلند آواز سے علامہ قرطبی کا جہر شدید جہر مفرط مراد ہے نہ کہ جہر معتدل غور کیجئے انہوں نے دون الجهر کے معنی دون الرفع سے واضح کئے پھر لکھتے ہیں کہ اپنی جان کو سناؤ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور نہ سنیں بلکہ اس کے بعد خود فرماتے ہیں کہ:

> یہ حکم ایسا ہے جیسا کہ: وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَاتُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً میں جہر معتدل کا حکم تو ہے البتہ جہر کامل جیسے رفع الصوت کو کہتے ہیں وہ اس آیت کی رو سے ممنوع ہے۔ اور جس آیت یعنی "وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً" پر جو حوالہ دیا ہے اور اس آیت کے ترجمہ میں علامہ قرطبیؒ یوں لکھتے ہیں "نزلت و رسول الله صلی الله علیه وسلم متوار بمكة وكان اذا صلی باصحابه رفع صوته بالقرآن فاذاسمع ذالک المشرکون سبّوا القرآن ومن انزله ومن جاء به فقال الله

تعالیٰ "وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ" فیسمع المشرکون قرأتک وَلَاتُخَافِتْ بِهَا عن اصحابک اسمعهم القرآن وَلَاتَجْهَرْ ذالک الجهر: یہ آیت ایسی حالت میں نازل ہوئی جبکہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپے ہوئے تھے اور جب آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھاتے تھے تو تلاوت قرآن پر آواز بلند کرتے تھے پھر جب یہ قراءت مشرکین سن لیتے تو قرآن مجید پر اور قرآن مجید نازل کرنے والے پر سب وشتم کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ قراءت ایسے جہر کے ساتھ پڑھئے... کہ مشرکین آپ کی قراءت سنیں اور نہ اس کو صحابہ کرامؓ سے چھپا کر پڑھیں (بلکہ) ان کو تلاوت قرآن سنائیں اور اس طرح جہر نہ کریں (جو آپ ﷺ پہلے کر رہے تھے بلکہ اعتدال کے ساتھ جہر کریں) (تفسیر قرطبی، جلد ۱۰، ص ۳۴۳)

اس سے معلوم ہوا کہ "وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ" میں جو بات علامہ قرطبیؒ نے لکھی ہے کہ بین الجهر والمخافتة اور اس کا حوالہ بھی اسی آیت پر دیا تھا تو ان کے نزدیک جہر معتدل جائز ہے اور ان کے نزدیک رفع الصوت یعنی کامل جہر ممنوع ہے۔ نیز دیکھئے علامہ سید محمود آلوسیؒ "وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ" کے تحت لکھتے ہیں:

والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط و بما دونه نوع اخر بين الجهر قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه هو ان يسمع نفسه وقال الامام المراد ان يقع الذكر متوسطا بين الجهر والمخافة كما قال تعالىٰ وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَاتُخَافِتْ بِهَا: اور جہر سے مراد حد سے زیادہ آواز بلند کرنا ہے اور جو اس (جہر مفرط اور جہر شدید) سے کم ہو وہ جہر کی ایک اور قسم ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنا سکے اور امامؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد متوسط ذکر ہے کہ جہر اور آہستہ کے درمیان ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے؛ وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَاتُخَافِتْ بِهَا (روح المعانی، جلد ۹، ص ۱۵۴)۔

یہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول سے مغالطہ نہ کھائیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہر مفرط سے جو کم ہو گیا تو وہ اس قدر جہر ہے کہ بس خود سن سکے۔ یہاں تو علامہ آلوسیؒ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک جہر اور سر کے درمیان ذکر کی حد اس سے شروع ہو جاتی ہے کہ خود سن سکے تو اس قدر جہری آواز سے جہر کا ادنیٰ درجہ شروع ہوتا ہے

اس کا آخری درجہ اس قدر ہے کہ جہر مفرط تک نہ پہونچے ورنہ اگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مطلب یہ بیان کیا جائے کہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ خود کو سنا سکے تو پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر جو بخاری و مسلم وغیرہ میں صحیح طور پر ثابت ہے وہ تو یہی ہے کہ اس قدر جہر کریں کہ صحابہ کو سنا ئیں لیکن اس قدر اونچی آواز نہ ہو کہ آواز دور دور تک جائے کہ کفار و مشرکین سنیں اور وہ آپ ﷺ کو ایذاء پہونچائیں، جیسا کہ اس کا بیان خود اسی روح المعانی میں موجود ہے۔ چنانچہ " وَلاَتَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَتُخَافِتْ بِهَا" کے تحت علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

اخرج احمد و البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن حبان و غیر هم عن ابن عباسؓ قال نزلت و رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم مختف بمکة فکان اذا صلی باصحابه رفع صوتهٗ بالقرآن فاذا سمع ذالک المشرکون سبّوا القرآن و من انزله و من جاء به فقال اللّٰه تعالیٰ لنبیه علیه الصلوٰة والسلام وَلاَتَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ ای بقرأتک فیسمع المشرکون فیسبّوا القران وَلاَتُخَافِتْ بِهَا عن اصحابک فلاتسمعهم القرآن حتی یا خذو ا عنک وَابْتَغِ بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيلاً: امام احمد صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپے ہوئے تھے تو جب آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھاتے تھے تلاوت قرآن کے ساتھ آواز کو بلند کرتے تھے جب یہ مشرکین سنتے تھے تو قرآن اور اس کے نازل کرنے والے اور اس کے لانے والے کو گالیاں دیتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا (وَلاَتَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَتُخَافِتْ بِهَا) یعنی تلاوتِ قرآن مجید کے ساتھ (اتنی) آواز بلند نہ کرو کہ مشرکین سن لیں اور قرآن کو گالیاں دیں اور صحابہ کرامؓ سے بالکل چھپا کر بھی نہ پڑھیں کہ وہ بھی نہ سن سکیں، حتٰی کہ وہ آپ ﷺ سے قرآن مجید کو حاصل کر سکیں (اور سیکھ سکیں) اور درمیانی راہ اختیار کریں (یعنی جہر میں اعتدال رکھیں) (روح المعانی، جلد ۱۵، ص ۱۹۴)۔

یہ جہر اور اخفاء کے درمیان جو تفسیر ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح طور پر ثابت ہے جس سے ساری غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف جہر مفرط میں ہے نہ کہ جہر متوسط میں۔ نیز امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغویؒ "وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

(جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تعلیم یہ ہے کہ سری نماز میں آہستہ اور عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے تلاوت کریں اور دون الجھر کا مطلب یہ ہے کہ جہری نماز میں شدید جہر نہ کریں بلکہ درمیانی ایسی قراءت کریں کہ اپنے مقتدیوں کو سنا سکیں اور پھر اس کے بعد امام بغویؒ نے مجاہد اور ابن جریجؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: امر ان یذکروا فی الصدور وبالتضرع الیہ دون رفع الصوت والصیاح بالدعاء: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں میں یاد رکھیں اور اس کی طرف گڑگڑائیں اور دعا آواز بلند اور چلائے بغیر کریں (معالم تنزیل)۔

اگر عبارت میں خوب غور کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ علماء رفع الصوت اور بلند آواز جہر مفرط اور جہر شدید اور چلانے کو کہتے ہیں اور یہی جہر کے لغوی معنی ہیں اور جو ذکر و دعا اور تلاوت چلائے بغیر ہو وہی جہر معتدل میں شمار ہے۔

ذکر جہر اور حدیث "اربعوا علی انفسکم":

علماء کی چند عبارتیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں ان پر بحث کرنے کے بعد براہ راست قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تا کہ اس مسئلہ کی حقیقت اور نوعیت قرآن وحدیث کی رو سے اچھی طرح واضح ہوجائے۔ ذکر جہر کے متعلق پورے ذخیرہ حدیث میں صرف ایک حدیث موجود ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہر میں بے اعتدالی نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر کیلئے نکلے یا کہ جب آپ ﷺ غزوہ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے اور لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) جب ایک وادی میں پہنچ گئے تو انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کردیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون اصم ولا غائباً انکم تدعون سمیعاً قریباً وھو معکم: اپنی جانوں پر نرمی (اور مہربانی) کرو کیونکہ تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ تم اس ذات کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے (صحیح بخاری کتاب المغازی، جلد۲، ص ۶۰۵)۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے متعدد جگہ روایت کیا ہے اور امام مسلمؒ نے بھی صحیح مسلم میں نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے "فکنا اذا علونا کبرنا: پس جب ہم بلندی پر چڑھتے تو تکبیر

کہتے" (بخاری کتاب الدعوات)۔تیسری روایت میں ہے:" لا نصعد شرفاً ولا نعلو شرفاً ولا نهبط في واد الا رفعنا اصواتنا بالتكبير: ہم کسی بلند (یعنی ٹیلے یا پہاڑ) پر نہیں چڑھتے اور نہ کسی بلندی پر پہونچتے اور نہ ہم کسی وادی میں اترتے مگر ہم اپنی آوازوں کو تکبیر کے ساتھ بلند کرتے (یعنی ہر بلندی پر چڑھتے وقت اور اس کے اوپر پہنچتے وقت، بلندی سے وادی میں اترتے وقت ہم بلند آواز کے ساتھ اللہ اکبر، اللہ اکبر پڑھتے)" (بخاری کتاب القدر)۔ چوتھی روایت میں یوں آیا ہے" فلما علا علیھا رجل نادی فرفع صوتہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، جب ایک آدمی ٹیلے کی چوٹی پر پہنچا تو نعرہ لگایا اور آواز بلند کے ساتھ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہا (بخاری کتاب الدعوات، مسلم کتاب الذکر والدعاء)۔

مذکورہ بالا روایتوں سے یہ ثابت ہوا کہ غزوہ خیبر کے موقع پر صحابہ کرامؓ بلندیوں پر چڑھتے اور اترتے وقت تکبیر و تہلیل کے نعرے لگاتے تھے اور چلا چلا کر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پکارتے تھے قابل غور بات یہ ہے کہ اس پر نبی کریم ﷺ نے مذکورہ الفاظ کے ذریعے کس چیز اور کس عمل سے روکا اور کیوں روکا۔ اگر اس کا جواب یہ دیا جائے کہ نفس جہر سے روک رہے ہیں تو یہ جواب بالکل غلط ہے کیونکہ اگر نفس جہر سے روک رہے ہیں تو غزوہ خیبر کے بعد بھی جنگیں ہوئی ہیں ان میں بھی صحابہ کرامؓ حملہ کرتے وقت اور دوسرے مواقع میں بھی بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے اور تلبیہ و تکبیر تشریق سے وادی گونج اٹھتی تھی اور" لبیک اللھم لبیک: حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں" کو خوب بلند آواز سے پکارتے حالانکہ یہ حاضر ہونے اور جس کیلئے حاضر ہوا ہے اس کا اقرار تو جتنا بھی خفیہ ہو سکے ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخاطبہ ہے حالانکہ اس وقت کسی نے یہ نہیں کہا کہ اتنے زور زور سے تلبیہ کیوں کہہ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو سمیع و قریب اور تمہارے ساتھ ہیں اور نہ آپ ﷺ کی کسی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "اربعوا" کی بات کو منسوخ قرار دیا ہو بلکہ اسی "اربعوا" کے لفظ کے ہوتے ہوئے جہراً تلاوتیں ہوتی رہیں، تکبیریں ہوتی رہیں اگر کوئی یہ کہے کہ جہر کی یہ بعض صورتیں نبی کریم ﷺ نے اس جہر سے مستثنیٰ کی ہیں اور اس کے علاوہ تمام موقعوں پر ذکر جہر پر پابندی لگائی ہے تو وہ استثناء کس حدیث سے ثابت ہے یا یوں کہا ہو کہ تلاوت تو جہراً کرو لیکن ذکر جہر نہ کرو۔ اگر کوئی کہتا ہے "اربعوا" امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس امر پر بعد میں کیوں عمل نہ ہوا۔ العیاذ باللہ صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی بات کو ٹھکرانے والے تھے حالانکہ اس امر کے بعد بھی جہراً تلاوتیں ہوتی رہیں، تکبیریں ہوتی رہیں۔

عرض یہ ہے کہ "اربعوا" کے حکم اور واقعہ میں غور کریں اور نبی کریم ﷺ کا خود اپنا عمل اور صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ حکم وجوب کیلئے نہیں بلکہ یہ "شفقت" کی بناء پر ہے۔ صحابہ کرامؓ اس حکم کو خوب

اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور پورا واقعہ ان کے سامنے تھا کہ جہاد کو جاتے وقت اور غالب یہی ہے کہ خیبر سے واپس آرہے تھے بلکہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تھے، تھکے ماندے ہیں پھر چڑھتے وقت اور چوٹیوں پر پہونچتے وقت اور چوٹیوں پر سے اترتے وقت زور زور سے تکبیریں کہنا بلاشبہ اپنے آپ کو بلاوجہ مزید تھکاوٹ ومشقت میں ڈالنا ہے، بہر حال یہاں ''اربعوا'' کے حکم کی علت شفقت ہی ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اربعوا علی انفسکم" یعنی اپنی جانوں پر آسانی کرو۔ اس کے بعد یہ جملے عموماً محاورات کے طور پر بھی بولے جاتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی آپ کے سامنے بہت زور زور سے بولتا ہے اور تم اس کو کہتے ہو کہ آرام سے بولو میں بہرہ تو نہیں اور یہ ایک تنبیہ ہوتی ہے ورنہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس بات کو تو جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر اور قریب ہیں کیونکہ یہ واقعہ تو مدینہ منورہ کا ہے اور مکہ مکرمہ میں قرآن کی جتنی سورتیں اور آیتیں نازل ہوچکی ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے وہ سمیع و بصیر ہے وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا ان الفاظ سے نبی کریم ﷺ نے اس بات کی وضاحت کردی کہ آخر ذکر اور تکبیریں تو آرام سے کرنی بھی جائز ہیں، تو جب ضرورت نہ ہو تو بلاوجہ اپنے آپ کو مشقت میں کیوں ڈالتے ہو۔ لہٰذا اپنے اوپر آسانی کرو اور مہربانی اور نرمی کرو یہ الفاظ خود بتارہے ہیں کہ یہ شفقت کیلئے ہیں ورنہ ذکر جہر میں ہر کوئی جانتا ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں سناتا بلکہ وہ خود اپنے آپ کو سناتا ہے اور خود اپنے دل اور اپنے آپ کو جگاتا ہے نیز صحابہ کرامؓ چونکہ ایسے موقعوں میں جہراً تکبیریں کہتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے ایک صورت یہ بھی بتلادی کہ ایسے مواقع میں یہ بھی جائز ہے کہ آہستہ آواز سے تکبیر وتہلیل کی جائے ورنہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اگر نبی کریم ﷺ ان کو کچھ بھی نہ کہتے تو سفر کے وقت ٹیلوں پر چڑھتے اور اترتے وقت جہراً ذکر کرنا سنت قرار دیا جاتا اور جس کی وجہ سے امت مشقت میں پڑ جاتی تو نبی کریم ﷺ نے بتلادیا کہ جہر کے بجائے سر بھی جائز ہے۔

نیز "اربعوا" کے معنی یہ نہیں کہ چپکے چپکے پڑھتے رہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے اوپر آسانی کرو اپنی جانوں کو مشقت میں نہ ڈالو اس کو جہر معتدل کہتے ہیں کہ اس قدر جہر نہ ہو جس سے مشقت میں پڑ جاؤ یا اس سے زیادہ مشقت اٹھانا پڑے جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس کے معنی یوں بیان کرتے ہیں؛

اربعوا لاتجهدوا انفسكم : نرمی کرو اور اپنے نفسوں کو مشقت میں نہ ڈالو (فتح الباری، جلد ۱۱ص ۱۹۱)۔

اور اس پر ''بہرے اور غائب'' کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کیونکہ عموماً جب بہرے یا جب کوئی شخص گم ہوجائے اور نظروں سے غائب ہو تو اس کو نعرے لگائے جاتے ہیں۔ تو یوں نبی کریم ﷺ نے نعرے لگانے سے روکا کہ اللہ

تعالیٰ کو ایسے نہ پکارو جیسا کہ کوئی بہرے اور غائب کو پکارتا ہے یہ تو واضح ہے کہ بہرے اور غائب کو نعرے اور چیخ کر پکارا جاتا ہے۔

بلاشبہ ایسی تیز آواز نہ صرف یہ کہ آواز نکالنے والے کی صحت اور بدن کیلئے مضر ہے بلکہ کان اور دماغ کو تھکانے اور دردسر کا باعث بن جاتی ہے آج کل جلسوں میں جو نعرے لگائے جاتے ہیں اور لاؤڈ سپیکروں میں رات دن جو دیوہیکل آوازیں نکالی جاتی ہیں ان آوازوں سے خود اپنے گلے پھاڑنے کے ساتھ عام لوگوں کیلئے بھی تکلیف اور ایذاء کا باعث بن رہے ہیں۔ بلاشبہ بلاضرورت ایسے نعرے لگانا جبکہ اس کیلئے کوئی داعیہ اور ضرورت موجود نہ ہو مثلاً اذان میں ضرورت ہے یا جہاں دین کا اظہار کرنا ہو، یا دشمن پر رعب جمانا ہو یا کسی منتشر فکر اور وسوسوں کا علاج مقصود ہو وغیرہ تو اس کے بغیر بلاوجہ زیادہ زور زور سے ذکر اور تکبیر کر کے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا صحیح نہیں ہے۔ خصوصاً جب یہ جہر دوسروں کو ایذاء اور ان کی نماز وغیرہ میں تشویش کا سبب بنے۔

حدیث "اربعوا" اور محققین علماء:

اب یہاں "اربعوا" اور اسی حدیث کے متعلق محققین علماء کی رائے بھی پڑھ لیجئے۔ حضرت امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں؛

> "اربعوا" کے معنی "ارفقوا" نرمی اور آسانی کرو آخر میں فرماتے ہیں کہ؛ ففیه الندب الی خفض الصوت بالذکر اذالم تدع حاجة الی رفعه فانه اذا خفضه کان ابلغ فی توقیره وتعظیمه فان دعت حاجة الی الرفع رفع کما جاء ت به احادیث: پس اس حدیث میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ جب بلند آواز کی کوئی ضرورت نہ ہو تو ذکر میں آواز پست کرنا مستحسن (یعنی اچھا) ہے۔ کیونکہ آہستہ آواز میں اس کی توقیر و تعظیم زیادہ ہے البتہ اگر بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت ہو تو پھر بلند آواز سے ذکر کرنا چاہئے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے (شرح النووی علی صحیح مسلم، جلد۲، ص ۳۴۶)۔

اس حدیث میں "اربعوا" کا جو امر ہے اس کو حضرت امام نوویؒ نے بھی استحباب پر محمول کیا ہے یہ امر استحبابی ہے نہ کہ وجوب کیلئے بلکہ فرماتے ہیں کہ پست آواز مندوب ہے کہ اس میں تعظیم و توقیر زیادہ ہے یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں "رفع الصوت "بلند آواز کے مقابلہ میں خفض الصوت "پست آواز" آجاتی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ جہر نہ کرے بلکہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ آواز کو نیچے کیا جائے کیونکہ صوت کے معنی آواز کے ہیں اور جو آواز جہر شدید سے پست اور کم ہو تو یہ آواز جہر معتدل اور جہر متوسط کہلاتی ہے۔ اور پھر "اذالم تدع حاجة الی

الرفع'' الفاظ سے یہ بھی بتلا دیا کہ جب بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت یا کوئی اور ضرورت پیش آئے مثلاً دین کے اظہار کیلئے ہو اپنی نیند اور دل بیدار کرنے کیلئے اور یکسوئی پیدا کرنے کی حاجت ہو، یہاں "حاجة" نکرہ ہے جس کے معنی کوئی بھی حاجت، کوئی ضرورت ہو تو پھر بلند آواز مندوب ہے۔ یہ صرف حضرت امام نوویؒ کی تحریر میں نہیں بلکہ علماء احناف اور تقریباً تمام مسالک اور مذاہب کے علماء کی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔

میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کسی عالم نے "خفض الصوت" پست آواز سے مراد "چپکے چپکے" ذکر کرنا نہیں لیا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خفض الصوت کا مطلب اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہے کہ کوئی عالم کبھی اس کو ''چپکے'' کے معنی میں لے لیتا ہے تو یہ اس کی خاص اصطلاح ہوگی ورنہ رفع الصوت کے مقابلہ میں خفض الصوت کے معنی یہی ہے کہ آواز ہو مگر زیادہ اونچی نہ ہو بلکہ معتدل یا پست ہو۔ کیا آپ جب کسی کے ساتھ پست آواز میں باتیں کرتے ہیں تو چپکے چپکے کرتے ہیں یا جب کوئی بہت اونچا بولتا ہو اور تم اس کو کہتے ہو کہ آواز پست کرو تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ چپکے چپکے کہو بلکہ یہی ہوتا ہے کہ زیادہ زور زور سے مت بولو۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث کے "اربعوا" والے حکم کو صرف امام نوویؒ نے نہیں بلکہ بہت سے فقہاء اور محدثین نے ندب یا شفقت پر محمول کیا ہے اور یہ اس لئے کہ حدیث کا واقعہ اور الفاظ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ یہ حکم شفقت یا ندب کیلئے ہے نہ کہ وجوب اور ذکر جہر کے عدم جواز کیلئے۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

> اے مردمان نرمی و آسانی کنید بر نفسہائے خود زیرا کہ شمائے نمے خوانید کرد غائب راضون۔ "اربعوا" دلالت دارکہ منع از جہت شفقت است نہ از جہت جواز: اے لوگوں اپنے نفس پر نرمی اور آسانی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے، اس مضمون میں لفظ" اربعوا "اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا نہ کہ اس وجہ سے کہ جہر جائز نہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ قادریہ کے اشغال کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> فاول ما یلقی له الجهر بذکر الله تعالیٰ والمراد بهذا الجهر هو غیر المفرط فلامنافاة بینه و بین مانهی رسول الله صلی الله علیه وسلم حیث قال اربعوا علی انفسکم: مشائخ قادریہ سب سے پہلے ذکر بالجہر کی تلقین کرتے ہیں

اوراس جہر سے مراد ہے کہ جہر میں افراط نہ ہو اس وجہ سے یہ ذکر بالجہر اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا ہے کہ اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو (القول الجمیل)۔

حضرت علامہ عبدالحی لکھنویؒ اس حدیث کے متعدد جوابات دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

احدھا ان الامر اربعوا لیس لوجوب حتّٰی یکرہ الجھر او یحرم کیف ومعنی الربع ینبیٔ عن ان الامر انما ھو للتیسیر علیھم: ان دونوں میں ایک جواب یہ ہے کہ یہاں امر وجوب کیلئے نہیں حتیٰ کہ جہر کو مکروہ یا حرام قرار دیا جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حالانکہ اربعوا کے معنی خود اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یہاں حکم صرف ان پر آسانی کیلئے کیا گیا ہے (سباحۃ الفکر، ص ۱۴)۔

اس کے بعد حضرت علامہ لکھنویؒ نے اپنی اس بات کی تائید میں متعدد حوالے نقل کرکے اس حدیث کا دوسرا جواب یوں دیا ہے کہ:

وثانیھا بان جھرھم کان مفرطاً کما یدل علیہ سیاق بعض الروایات دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے جہر میں افراط تھا[1] جیسا کہ اس پر بعض روایات دلالت کرتی ہیں۔ حضرت لکھنویؒ پھر اس کے بعد کچھ روایتیں اس پر بیان کرکے آخر میں ایک تیسری وجہ بھی بتلاتے ہیں کہ: **ووجہ ثالث ھو انہ لو لم یمنعھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بل قررھم علیہ لتوھموا ان رفع الصوت بالذکر فی السفر وعند الصعود مسنون فان السنیتہ کما ثبت بالفعل والقول تثبت بالتقریر ولیس کذالک فلذالک نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عنہ سداً للذرائع وتیسیراً علی الامۃ لادلالۃ علی منع الجھر مطلقا.**

تیسرا جواب یہ ہے کہ:

اگر رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو منع نہ فرماتے بلکہ اس جہر اور بلند آوازوں پر رہنے دیتے تو صحابہ کرامؓ اور بعد میں آنے والی امت یہ وہم کرتے کہ سفر میں اور ٹیلے پر چڑھتے وقت بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا مسنون ہے کیونکہ سنت جس طرح نبی کریم ﷺ کے فعل اور قول سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح تقریر (یعنی آپ ﷺ کے سامنے کوئی کام ہو رہا ہو اور

[1] یعنی بہت زیادہ بلند آواز اور حد سے متجاوز انداز یعنی شدید جہر کررہے تھے۔

آپ ﷺ اس کو اسی طرح کرنے دیں) سے بھی ثابت ہوتی ہے، حالانکہ یہ سنت تو نہیں لہٰذا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اسے سداً للذرائع کیلئے اور امت پر آسانی کیلئے (تاکہ امت بلند آواز کے ذکر کو سنت نہ قرار پائے) منع کیا اور اس میں مطلقاً ذکر جہر روکنے کی کوئی دلالت نہیں ہے (سباحۃ الفکر، ص۱۴ تا ۱۵)۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملھم میں لکھتے ہیں کہ:

اما حدیث انکم لاتدعون اصم ولاغائباً محمول عندی علی الافراط ای حدیث انکم لاتدعون اصم ولاغائباً : وہ میرے نزدیک بلند آواز میں افراط (یعنی حد سے متجاوز یعنی جہر شدید اور جہر مفرط پر محمول ہے) (فتح الملھم، جلد۲، ص۱۷۲)۔

علامہ خیر الدین رملیؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

فان قلت صرح فی الخانیۃ بان رفع الصوت بالذکر حرام لقولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لِمن رفع صوتہ بالذکر انک لاتدعوا اصم ولاغائباً و قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیرالذکر الخفی لانہ ابعد من الریاء واقرب للخضوع محمول علی الجھر المضر: پس اگر تم یہ کہو کہ فتاویٰ خانیہ[1] (یعنی فتاویٰ قاضی خان) نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے ذکر حرام ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو فرمایا جو بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے نیز آپ ﷺ نے (ایک دوسری حدیث میں) فرمایا کہ بہترین ذکر خفی ہے کیونکہ یہ ریاء کاری سے زیادہ دور ہے اور عاجزی کے زیادہ قریب ہے تو میں (جواب میں) کہتا ہوں کہ یہ (قاضی خان کا) کلام اس جہر پر محمول ہے جو فاحش اور مضر ہو (فتاویٰ خیریہ علی حامش تنقیح الحامدیہ، جلد۲، ص۲۸۲ تا ۲۸۳)۔

علامہ کردریؒ وغیرہ اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے بھی اس حدیث کے متعلق یہی لکھا ہے کہ: یہ حدیث مطلقاً ذکر جہر کی ممانعت کی دلیل نہیں ہوسکتی جیسا کہ ان فقہاء کے مفصل حوالے پہلے گذر چکے ہیں۔

حضرت سید علامہ آلوسیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

محمول علی ان النھی المستفاد التزاماً من امر اربعوا الذی بمعنی ارفقوا

---

[1] فتاویٰ قاضی خان کا اپنا فتویٰ پہلے گذر چکا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اس کو دیکھئے۔

ولاتجهدوا انفسكم مراد به النهي عن المبالغة في رفع الصوت: یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ "امر اربعوا " جو کہ نرمی اور اپنی جانوں کو مشقت میں نہ ڈالو کے معنی میں ہے اس سے التزاماً جو نہی مستفاد ہوتی ہے وہ یہ کہ اس سے بلند آواز میں مبالغہ مراد ہے (روح المعانی، جلد ۱۶، ص ۱۶۳)۔

یعنی اس سے اپنی جانوں پر نرمی اور اپنی جانوں کو مشقت میں نہ ڈالو سے جو نہی مستفاد ہوتی ہے یہ نہی مطلقاً ذکر جہر سے نہیں بلکہ شدید جہر اور زیادہ بلند آواز سے روکا گیا ہے بلاشبہ یہی بات اس حدیث سے معلوم ہوئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کو بلاضرورت چیخنے اور چلانے سے روکا گیا ہے نہ کہ جہر سے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

ليس فيه النهي من الجهر بل فيه كونه لغواً لان الذي تدعونه اقرب اليكم من حبل الوريد فلاتلقوا انفسكم في العناء ففيه اجزاء السر لاالنهي عن الجهر: اس حدیث میں جہر سے نہیں روکا گیا ہے بلکہ اس میں بتلایا کہ جہر لغو ہے کیونکہ جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے تو اپنے آپ کو بلاوجہ مشقت میں نہ ڈالو۔ لہذا اس حدیث میں یہ تعلیم نہیں کہ جہر ناجائز ہے بلکہ یہ اس کی تعلیم ہے کہ ذکر سراً (چپکے چپکے) بھی جائز ہے (فیض الباری، جلد ۴، ص ۱۴۴)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قال علیہ السلام "اربعوا علی انفسکم " اور یہ بھی ذکر جہری ہے "رفق" کو فرمایا ہے گلا پھاڑنے سے منع فرمایا (فتاوی رشیدیہ، ص ۵۹۶)۔

یہ بات بالکل درست و صحیح ہے کیونکہ نفس کو مشقت اور تکلیف میں اس وقت ڈالا جاتا ہے جبکہ اذان کی طرح اونچی آواز سے چیخ چیخ کر تکبیر و تہلیل کی جائے۔ جہر معتدل میں نفس کو تکلیف ہرگز نہیں ہوتی بلکہ بشاشت ہوتی ہے۔

حدیث اربعوا کا خلاصہ:

مذکورہ بالا حوالوں سے "حدیث اربعوا" اور تاویلات کا خلاصہ یہ ہوا:

(الف) حدیث کے مضمون اور تمام روایتوں پر نظر ڈالی جائے تو ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی آوازیں حد اعتدال سے بڑھ گئیں تھیں اور اپنی جانوں کو زور زور کی آواز سے مشقت میں ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے "اربعوا" کے جملے ارشاد

فرمائے تو یہاں منع یا روکنا بے اعتدالی سے ہے نہ کہ نفسِ جہر اور جہر معتدل سے اور منع بھی شفقتاً ہے نہ کہ فرض یا واجب۔ جیسے کہ خود "اربعوا: نرمی کرو" کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے۔

(ب) آواز اس قدر اونچی نہ ہو جیسے کوئی بہرے یا گم شدہ اور غائب شخص کو چلا چلا کر پکار رہا ہو۔ تو یہاں جہر مفرط سے منع کیا جا رہا ہے۔

(ج) اس قدر جہر سے اسلئے منع کیا کہ جنگ اور لڑائی کا موقع تھا اور یہی جہر کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے، جیسا کہ لڑائی کے ایسے موقعوں میں جرس اور گھنٹی منع ہے۔ لیکن اس تیسرے جواب پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض روایتوں میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ غزوہ خیبر سے واپس آرہے تھے اور مدینہ منورہ کے قریب ہو چکے تھے اس لئے دشمن کا خطرہ باقی نہیں تھا، لیکن پھر بھی یہ تیسرا جواب اتنا کمزور نہیں کیونکہ حدیث میں اس بات کی رہنمائی ضرور ملتی ہے کہ ایسے موقعوں پر خواہ لڑائی کے لئے جاتے وقت ہو یا واپس آتے وقت۔ راستوں میں زور زور کی آواز سے ذکر وغیرہ نہ کریں تاکہ دشمن وغیرہ کو ٹھکانوں کی اطلاع نہ ہو جائے۔ نیز دشمن موقع پا کر تعاقب بھی کر سکتا ہے، بار ہا ایسا ہوا کہ شکست کے بعد دشمن تعاقب کرتا ہے اور وہ اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(د) چوتھی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جہر سے اس لئے روکا تاکہ وہ سفر میں گھاٹیوں ٹیلوں پر چڑھتے اور اترتے وقت جہری ذکر و تکبیر کو مسنون نہ سمجھیں، اس لئے فرمایا کہ اپنی نفسوں پر نرمی کرو یعنی اختیار دیا کہ جہر بھی جائز ہے سر بھی جائز ہے۔

(ر) پانچویں وجہ یہ بیان کی گئی کہ اس میں جہر کی ممانعت نہیں بلکہ سر کی بھی اجازت دے دی گئی۔

بہر حال حدیث کا مضمون آپ کے سامنے ہے اور واقعہ بھی آپ کے سامنے ہے، حدیث قطعاً نفسِ جہر کے منع پر دلالت نہیں کرتی بلکہ شفقت پر دلالت کرتی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ طویل مسافتوں اور تھکاوٹ کی حالت میں اونچی بات سے بھی تکلیف ہوا کرتی ہے، اور سانس رک جاتا ہے اور ایسی صورت میں ہمارے محاورہ میں بھی یہ ہوتا ہے کہ آرام سے بات کرو کہ میں کوئی گونگا بہرا تو نہیں۔

یہاں بھی مطلب اور حدیث سے مستفاد یہی ہے کہ اپنی جانوں پر رحم کرو، اور اتنا اونچا ذکر نہ کرو جو تمہیں نقصان پہنچائے، تو یہ حکم شفقت پر محمول ہوا واللہ اعلم۔ اور حدیث کے الفاظ سے بالکل یہی ظاہر ہے البتہ اس میں

یہ احتمال بھی ہے کہ جہر مفرط سے منع کیا جارہا ہے کہ جہاں جہر شدید کی کوئی ضرورت نہ ہو وہاں جہر شدید یہ فضول اور لغو ہے اور بلا وجہ اپنے آپ کو ایذاء اور تکلیف میں مبتلا کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

ذکرِ جہر کے خلاف قرآن مجید سے استدلال اور اس پر بحث

مذکورہ بالا چند حوالوں سے اختلاف کی نوعیت معلوم ہو چکی ہے اب اس کے متعلق قرآن مجید کی آیتوں کو پڑھ لیجیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ : تم اپنے پروردگار سے دُعائیں مانگو، گڑگڑاتے ہوئے اور پوشیدگی میں بھی بلاشبہ (اللہ تعالیٰ) ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو حد سے گذر جانے والے ہیں (اعراف، ۵۵)۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ کا مطلب کیا ہے؟

اس کے متعلق مفسرین میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، بعض علماءِ تفسیر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف دُعا ہے لیکن "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ" سے مراد عبادت بھی لیا جائے تو پھر بھی دُعا اس میں شامل ہی ہے کیونکہ دُعا عبادت ہے بلکہ عبادت کا مغز ہے۔

تَضَرُّعًا کے معنی:

''ضراعۃ'' کے معنی عاجزی، خوشامد، تملق کے ہیں اس کے ضمن میں فرمانبرداری کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور تضرع باب تفعُّل سے ہے جو تکلف، مبالغہ اور اظہار کیلئے مستعمل ہوتا ہے، لہذا تضرع کے معنی صرف عاجزی کے نہیں بلکہ تضرع عاجزی کے اظہار کو کہا جاتا ہے، اور یہ اظہار حرکات اور ارادوں، زبان اور الفاظ سے بھی ہوتا ہے۔ اور بہت سے مفسرین نے بھی تضرع کے معنی تذلل، عاجزی کے اظہار اور اعلان سے کیا ہے، چنانچہ سورۃ اعراف کی اسی آیت کے تحت مفسرین نے تَضَرُّعًا کے معنی اظہار تذلل اور اظہار ذل النفس تذللًا ظاہرا وغیرہ جیسے الفاظ سے کرتے ہیں، اور اردو تر جموں میں اس کیلئے گڑگڑاتے ہوئے، آہ وزاری کرتے ہوئے، تذلل ظاہر کرتے ہوئے، عاجزی کرتے ہوئے وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ گڑگڑانے اور آہ وزاری میں بھی جہر ہوتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تضرع کے اندر خود جہر اور اظہار پایا جاتا ہے، اور اظہار تذلل اور تذلل ظاہر کرتے ہوئے وغیرہ میں تو لفظا اظہار جہر کی دلیل ہے۔ تو گویا دُعا اور عبادت میں عاجزی اور اپنی ذلت درماندگی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

تَضَرُّعًا کے معنی میں جہر:

اور تضرع میں عاجزی کے ساتھ جہر یا اعلان کا شامل ہونا صرف لغوی طور پر نہیں بلکہ سورۃ اعراف سے قبل سورۃ انعام میں اسی لفظ تضرع کا معنی مفسرین نے اعلان یا جہر بیان کیا ہے، چنانچہ کفار و مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ج لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ: کہہ دو تمہیں جنگل اور سمندر کے اندھیروں سے کون بچاتا ہے جب تم اسے گڑگڑاتے ہوئے بھی اور پوشیدہ بھی پکارتے ہو کہ اگر ہم کو اس آفت سے بچالے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے (انعام،۶۳)۔

سورۃ انعام کی اس آیت مبارکہ میں بعض علماء اور مفسرین نے تضرعا کا ترجمہ اعلانیۃ سے بھی کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ بھی اور پوشیدہ طور پر بھی پکارتے ہو[۱] اور بعض نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ: معلنین اور مسرین یعنی اللہ تعالیٰ کو علانیہ اور چھپا کر پکارنے والے ہوں[۲] اور بعض مفسرین اس کے معنی اعلانًا و اسرارًا سے کیے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو اعلانًا اور اسرارًا بھی پکارتے ہو[۳] اور بعض مفسرین نے اس کے معنی جھراً و سرّاً، کیا ہے "اللہ تعالیٰ کو جہراً اور سراً پکارتے ہو"[۴] اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: "(کبھی) تذلل ظاہر کرتے (اور کبھی) چپکے چپکے"[۵] اسی طرح اور بھی بہت سے مفسرین نے تضرعا کے معنی اعلان یا جہر وغیرہ سے کیا ہے، بلکہ بعض مفسرین نے سورۃ اعراف کے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ میں بھی تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً کے متعلق سرّاً وعلانیه کے الفاظ استعمال کیے ہیں[۶] اور در منثور میں حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں "التضرّعُ علانية والخفيةُ سر: تَضَرُّعًا کے معنی علانیہ کے اور خفیہ کے معنی چپکے چپکے کے ہیں"[۷] اس طرح کے الفاظ سورۃ اعراف میں بھی ہیں جس میں مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ تم تضرعا

۱؎ دیکھئے تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ ص۱۴۶ اور تفسیر جلالین ص۱۱۷۔

۲؎ دیکھئے تفسیر بیضاوی ص۲۵۷، جواہر القرآن للشیخ طنطاویؒ، جلد۲، ص۳۹، تنویر الاذھان من تفسیر روح البیان، جلد۱، ص۴۸۱، تفسیر مدارک، جلد۱، ص۲۵)۔

۳؎ دیکھئے بیضاوی ص۱۲۵۷ور روح المعانی، جلد۷، ص۱۷۹، جامع البیان ص۱۹۶۔

۴؎ دیکھئے تفسیر ابن کثیر، جلد۲، ص۱۳۹۔ ۵؎ دیکھئے بیان القرآن ص۲۸۴۔

۶؎ دیکھئے تنویر المقباس ص۱۹۹، نظم الدرر وغیرہ۔ ۷؎ دیکھئے در منثور، جلد۳، ص۹۲۔

اور خفیہ دونوں طور پر اللہ تعالیٰ کو پکارو۔تو اس آیت کریمہ میں اس بات کی اجازت ہے کہ خواہ جہراً گڑگڑانے کی صورت میں ہو یا چپکے چپکے ہو دونوں میں اصلاً کوئی قباحت نہیں اور دونوں صورتیں اس آیت کریمہ سے ثابت ہیں۔اسی آیت سے اگر جہری دُعا کی نفی ہوتی تو علماء کرام یہ نہ کہتے کہ دُعا خفیہ ہی افضل ہے اور بعض علماء جہری اور سری دُعا کی افضیلت میں وقت اور شخص کے لحاظ سے مختلف نہ ہوتے۔اور پھر علماء کی ان تصریحات کا مطلب کیا ہوا کہ دُعا میں چلانا اور نعرے لگانا مکروہ ہے پھر تو اگر کوئی بغیر چلائے اور نعرے لگاتے ہوئے معتدل جہر بلکہ ادنیٰ جہر کے ساتھ بھی دُعا کرے تو وہ بھی جائز نہ رہے گی۔حالانکہ قنوت نازلہ اور صلوٰۃ استسقاء وغیرہ جیسے مواقع میں جہراً دُعائیں مانگی جاتی ہیں اور بالاجماع یہ جائز ہیں۔نیز اگر " اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً " کا حاصل معنی یہی ہوتے کہ ذکر، دُعا صرف سری اور چھپی ہی ہوسکتی ہے تو پھر صحابہ کرامؓ ٹیلوں اور گھاٹیوں پر چڑھتے وقت اور اس پر پہونچتے وقت جیسے اوقات میں کیوں تکبیر اور تہلیل کے نعرے لگاتے حالانکہ یہ آیت کریمہ تو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے جب قرآن مجید کا حکم پہلے سے موجود تھا پھر " اربعوا " کے الفاظ کی کیا ضرورت تھی کہ "اپنے اوپر نرمی کرو" پھر تو یوں فرماتے جب قرآن مجید کے رو سے دُعا اور ذکر میں جہر ممنوع یا حرام ہو چکا ہے پھر تم قرآن مجید کی مخالفت کیوں کر رہے ہو۔یہ بات تو ظاہر ہے کہ دُعا کا یہی فطری طریقہ ہے کہ انسان گڑگڑاتا بھی ہے اور چپکے چپکے بھی مانگتا ہے، لہٰذا حق اور سچ یہی ہے کہ صرف "تضرعا اور خفیہ " سے یہ قطعاً معلوم نہیں ہوسکتا کہ جہراً گڑگڑانا ممنوع یا ناجائز ہے۔البتہ علماء کرام بلند آواز یعنی بہت تیز آواز نکالنے کے متعلق جو یہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت بلاضرورت اور بلا کسی حاجت کے مکروہ یا ناجائز ہے تو " تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً " کی وجہ سے نہیں کہتے بلکہ دوسری وجوہ اور نصوص کی بناء پر فرماتے ہیں وہ وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

...... اس آیت کریمہ کے آخر میں "اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ : بے شک وہ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا" حد سے گذر جانے والے لوگ کون ہیں؟ تو اس میں بعض علماء نے دوسرے امور کے ساتھ یہ بھی شامل کیا ہے کہ چونکہ چلا چلا کر دُعا مانگنے سے وقار اور اللہ تعالیٰ کی توقیر اور تعظیم میں کمی معلوم ہوتی ہے یا اس کی رعایت باقی نہیں رہتی اس لئے یہ بھی اس میں شامل ہے۔چنانچہ ابن جریجؒ کہتے ہیں: "یکرہ رفع الصوت والنداء والصیاح فی الدُعا : دُعا میں آواز بلند کرنا اور نعرے لگانا اور چلانا مکروہ ہے"[1] اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ "والاعتداء فی الدُعاء علی وجوہ منہا الجہر الکثیر

---

[1] دیکھئے ابن کثیر، جلد ۲، ص ۲۲۱ تفسیر مظہری، جلد ۳، ص ۳۶۳۔

والصباح ....الخ : دُعائیں حد سے تجاوز کے چند وجوہ ہیں ان میں زیادہ جہر اور چلانا (بھی) ہے" [1] اسی طرح بہت سے علماء کرام دُعا کے متعلق یہی فرماتے ہیں کہ اس میں چلانا نعرے لگانا یعنی جہر شدید مکروہ ہے اوران میں سے بعض علماء کرام ایسے ہیں کہ چلانے اور جہر مفرط کی کراہت کو صرف دُعا کے ساتھ خاص کرتے ہیں جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان بھی آئے گا۔

...... دُعا وذکر میں زیادہ زوردار آواز کی کراہت کے جو علماء قائل ہیں اس کی دوسری وجہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے **وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ**: اور یاد کر اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتا ہوا اور ڈرتا ہوا، اور یاد کرتا رہ صبح، شام بلند آواز کی نسبت ہلکی آواز سے اور غافلوں سے نہ ہو (اعراف، ۲۰۵)۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ میں ذکر کا جو حکم ہے اس سے مراد کون سا ذکر ہے؟ بعض علماءِ تفسیر اس ذکر سے مراد صرف تلاوتِ قرآن لیتے ہیں پھر ان میں سے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد مقتدی کی قراءت ہے کہ اس کو چاہئے کہ وہ بھی امام کے ساتھ چپکے چپکے پڑھے لیکن یہ توجیہ بہت کمزور ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں امام کو تلاوت کے آداب بتلائے جاتے ہیں۔

...... اور جمہور علماء اس حکم میں تمام اذکار کو شامل کرتے ہیں، تلاوت تسبیح، تہلیل، تکبیر، استغفار وغیرہ تمام اذکار اس حکم میں شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ ابوالبرکات، عبداللہ ابن احمد نسفی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ "**هو عام فی الاذکار من قراۃ القرآن والدُعاء والتسبیح والتهليل وغير ذالک**: یہ حکم تمام اذکار کے متعلق ہے قراءت قرآن، دعا، تسبیح وتہلیل وغیرہ سب شامل ہیں" [2] اسی طرح تفسیرات احمدی، تفسیر بیضاوی، تفسیر صاوی، تفسیر ابوسعود وغیرہ تمام مفسرین نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں ذکر کا جو حکم ہے وہ تمام اذکار، تلاوتِ قرآن، تہلیل، تسبیح دُعا وغیرہ سب کو شامل ہے، آیت کریمہ کے معنی ومفہوم پر انشاء اللہ تعالیٰ پوری بحث آجائیگی۔

...... جہر شدید کے عدم جواز یا کراہت کیلئے تیسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

---

[1] دیکھئے تفسیر قرطبی، جلد ۷، ص ۲۲۶۔　[2] دیکھئے تفسیر مدارک، جلد ۲، ص ۹۴۔

مبارک ہے: وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَاتُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا: اپنی نماز (یا دُعا) نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت زیادہ پست بلکہ ان کے درمیان کی راہ اختیار کرو (بنی اسرائیل، ۱۱۰)۔ صلوۃ سے مراد بعض علماء دُعا لیتے ہیں اور اسی آیت کا پہلا حصہ اس پر قرینہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں ہے کہ " کہہ دو (اے پیغمبر) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو اس کیلئے سب اچھے نام ہیں" اور اس کے بعد مذکورہ بالا آیت شروع ہوتی ہے۔ نیز صحیح حدیث سے اس کی تفسیر یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد دُعا ہے اور بعض مفسرین اس سے مراد نماز میں تلاوت لیتے ہیں اور ان کیلئے بھی صحیح حدیث موجود ہے اس لئے تقریباً اس پر علماء کا بالآ خر اتفاق ہو رہا ہے۔ کہ یہ آیت دُعا و ذکر اور تلاوت سب کو عام ہے لہٰذا جو علماء شدید جہر کے بلا ضرورت کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں دون الجهر ہے اور وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ اور تُخَافِتْ بِهَا میں بھی درمیانی جہر اور معتدل جہر کا حکم ہے حدیث "اربعوا علی انفسکم : اپنے نفسوں پر نرمی (اور مہربانی) کرو" میں بھی شدید جہر اور بلند آواز سے روکا گیا ہے۔ اس لئے بلاوجہ جہر شدید مکروہ ہے یا غیر مستحب ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ: "هكذا يستحب ان نداءً وجهراً بليغا" مستحب یہ ہے کہ نعرہ (کے انداز میں) اور بلیغ (یعنی شدید) جہر کے ساتھ نہ ہو[1] (تفسیر ابن کثیر، جلد۲، ص ۲۷۹) یعنی حضرت حافظ ابن کثیرؒ بلیغ یعنی چلا کر ذکر کرنے کو غیر مستحب اور ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

اور حضرت حافظ ابن حجرؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

لَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ای لاتعلن بقرائة القرآن اعلاناً شديدًا فيسمعك المشركون فيؤذونك وَلَاتُخَافِتْ بِهَا ای لاتخفض صوتك حتی لاتسمع اذنيك وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ای طريقا وسطاً : تلاوت قرآن شدید اعلان کے ساتھ نہ کیا کرو کہ مشرکین سنیں تو تمہیں ایذاء پہونچائیں۔ نہ آواز کو اس قدر پست کرو کہ اپنے کانوں کو بھی نہ سنائی دے اور ان (دونوں یعنی اعلان اور جہر شدید اور

---

[1] یہ عبارت ابن کثیر دار المعرفۃ بیروت والے نسخے کی ہے شاید اصل عبارت یوں ہو" هكذا يستحب ان يكون الذكر خفياً لايكون نداءً وجهراً بليغا" یعنی مستحب یہ ہے کہ ذکر چھپا کر ہو نعرے (کے انداز) میں شدید جہر کے ساتھ نہ ہو۔

اخفاء) کے درمیانی راہ کو اختیار کرو (فتح الباری، جلد ۸، ص ۲۵۷ بحوالہ طبری)۔

اورحضرت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ؛

واختار بعض المحققين ان المراد دون الجهر البالغ او قدر الحاجة فيكون الجهر المعتدل والجهر بقدر الحاجة داخلا في المامور به: اور بعض محقق علماء کرام نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ (قرآن مجید میں جس جہر سے منع کیا گیا ہے) اس سے جہر بالغ (یعنی جہر میں مبالغہ اور شدید جہر) مراد ہے یا ضرورت سے زیادہ جہر مراد ہے لہٰذا جہر معتدل اور بقدر ضرورت جہر ہو تو خود مامور بہ میں داخل ہے (یعنی اس کا تو خود قرآن مجید میں حکم ہے) (روح المعانی، جلد ۱۶، ص ۱۶۳)۔

اسی طرح بہت سے علماء ومفسرین نے بقدر حاجت جہر اور معتدل جہر کو تو عین شرعی حکم قرار دیا ہے۔ اسی طرح اذان، تکبیراتِ تشریق اور تلبیہ اور خطبہ یا مجمع بڑا ہے اور قاری آواز پہونچانے کیلئے پوری آواز سے قرآن مجید پڑھے۔ تاکہ مقتدی سن لیں ایسی حالت میں جہر شدید کو بھی جائز قرار دیتے ہیں البتہ وہ بلاضرورت جہر شدید کو مکروہ مانتے ہیں اور اسکے برعکس بعض علماء ایسے بھی ہیں جو جہر شدید ان تمام حالات میں جائز سمجھتے ہیں۔ جن حالات میں خود ذکر کرنے والے کو یا اس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ مثلاً نمازیوں کی نماز اور آرام کرنے والوں کے آرام میں خلل نہ آئے۔

اوران تمام آیات جن سے جہر معتدل ثابت ہے ان کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ اس کا بیان صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اس وقت حالات ایسے تھے کہ اس وقت زیادہ جہر اور جہر شدید مفید نہیں تھا۔ لیکن جب اسلام کو شوکت اور غلبہ نصیب ہوا اور نقصان کا اندیشہ جاتا رہا تو پھر جہر شدید بلاضرورت فی نفسہا جائز اور مکروہ نہیں رہا۔

چنانچہ حضرت علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطیؒ ذکر جہر کے تائید میں پچیس (۲۵) حدیثیں پیش کرکے اس کے بعد مذکورہ بالا آیتوں اور حدیث کا جواب دیا ہے۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا .... الخ کے تین جواب دیئے ہیں۔

الاول: انها مكية كاية الاسراء وَلَاتَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَاتُخَافِتْ بِهَا و قد نزلت حين كان النبي صلى الله عليه وسلم يجهر بالقران فيسمعه المشركون فيسبون القران ومن انزله فامر بترك الجهر سدًا للذريعة كما نهى عن

سب الاصنام لذلک. فی قولہ تعالیٰ "وَلَاتَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ" و قدزال ھذا المعنی واشار الیٰ ذالک ابن کثیر فی تفسیرہ.

الثانی: ان جماعة من المفسرین منھم عبدالرحمن بن زید بن اسلم شیخ مالک و ابن جریر حملوا الایة علی الذاکر حال قرأة القرآن وانہ امر لہ بالذکر علی ھذہ الصفة تعظیماً للقرآن ان ترفع عندہ الاصوات ویقویہ اتصالہ بقولہ "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا"

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت بھی سورۃ اسراء کی اس آیت "وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَاتُخَافِتْ" کی طرح مکی آیت ہے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نماز میں[1] جہراً قراءت کیا کرتے تھے اور مشرکین[2] قرآن مجید کو سن کر قرآن مجید اور قرآن مجید کے نازل کرنے والے کو گالیاں دیتے تو اللہ تعالیٰ نے سدّ اللباب جہر ترک کرنے کا حکم[3] دیدیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک "لَاتَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ" میں بتوں کو بھی سب وشتم کرنے سے منع فرمایا تاکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو گالیاں نہ دیں اور اب چونکہ یہ سبب (یعنی اب کفار ومشرکین سے یہ خطرہ نہ رہا اس لئے اب کامل جہر بھی جائز ہے) اس بات کی طرف علامہ ابن کثیرؒ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ اور دوسرا جواب اس آیت کا یہ ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت جس میں امام مالکؒ کے استاد عبدالرحمٰن بن زید اور ابن جریر بھی شامل ہیں انہوں نے اس آیت کو ذاکر (یعنی ذکر کرنے والے) کے اس حال اور موقع پر محمول کیا ہے جبکہ قرآن مجید کی قراءت ہو رہی ہو اور ذکر کرنے والے کو اسی[4] صفت کے ساتھ ذکر کا حکم دیدیا گیا ہے تاکہ قرآن مجید کی تعظیم ہو اور قراءت ہوتے وقت آوازیں بلند نہ ہوں اور اس قول کو تقویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ آیت یعنی (واذکر ربک فی نفسک) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ متصل ہے، "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا: اور جب قرآن مجید کی قرآت کی جائے (یا خطبہ وغیرہ پڑھا جائے) تو اس کو سنو اور چپ رہو" اور علامہ سیوطیؒ نے تیسرا جواب یہ دیا

---

[1] یعنی شدید جہر کے ساتھ جیسا کہ بعد والے الفاظ خود اس پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔

[2] مشرکین تو قرب وجوار میں نہ تھے بلکہ آپ ﷺ کی آواز دور تک جاتی تھی۔

[3] یعنی جہر شدید سے منع فرما کر "وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَاتُخَافِتْ" کے ساتھ جہر معتدل کا حکم فرمایا۔

[4] یعنی جب قراءت قرآن ہو رہی ہو یا خطبہ پڑھا جا رہا ہو تو ایسی صورت میں اسی صفت کے ساتھ ذکر کریں یعنی دل ہی دل میں ذکر کریں۔

ہے کہ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو امر ہے وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے[1]۔ اس کے بعد حضرت علامہ سیوطیؒ نے " لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ " کے دو جواب دیئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

احدھما ان الراجح فی تفسیرہ انہ تجاوز المامور بہ او اختراع دعوۃ لااصل لھا فی الشرع ویؤیدہ ما اخرجہ ابن ماجہ والحاکم فی مستدرکہ و صححہ عن ابی نعامۃ رضی اللّٰہ عنہ ان عبد اللّٰہ بن مغفل سمع ابنہ یقول اللھم انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنۃ فقال انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول سیکون فی ھذہ الامۃ قوم یعتدون فی الدُعاء فھذا تفسیر صحابی وھو اعلم بالمراد. (الثانی) علی تقدیر التسلیم فالایۃ فی الدُعاء لافی الذکر والدُعاء بخصوص الافضل فیہ الاسرار لانہ اقرب الی الاجابۃ ولذاقال تعالیٰ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ومن ثم استحب الاسرار بالاستعاذۃ فی الصلاۃ اتفاقاً لانّھا دُعاء.

یعنی ایک جواب یہ ہے کہ اس کی راجح تفسیر یہ ہے کہ اعتداء سے ایسی دُعا مانگنا مراد ہے کہ وہ مامور بہ سے متجاوز ہو اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جیسے ابن ماجہ نے اور حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مغفلؓ نے اپنے بیٹے کو دُعا کرتے سنا کہ کہتے ہیں اے اللہ! میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب کا سفید محل مانگتا ہوں (یہ سن کر) عبداللہ بن مغفل نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو دُعا میں اعتداء اور تجاوز کریں گے چونکہ یہ تفسیر صحابیؓ نے کی ہے اور وہ اس کی تفسیر کو زیادہ جانتے ہیں (اس لئے یہی تفسیر راجح ہے کہ اعتداء سے ایسی دُعا مراد ہے جس کی اصل شریعت میں ثابت نہ ہو)۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے (کہ اس سے مراد شدید جہر کی ممانعت مراد ہے) تو یہ آیت دُعا کے بارے میں نازل ہوئی نہ کہ ذکر کے بارے میں اور دُعا میں اصل یہی ہے کہ آہستہ مانگی جائے کیونکہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا: جب اس نے اپنے پروردگار سے چپکے سے نداء کی" اور اسی وجہ سے نماز میں 'اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بالاتفاق آہستہ پڑھا جاتا ہے کیونکہ استعاذہ دُعا ہے (الحاوی للفتاوی، جلد ۱، ص ۳۹۴)۔

یہ پورا مضمون علامہ سیوطیؒ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے، اور سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ سادات

[1] یہ جواب نہایت کمزور ہے۔

صوفیہ کا معمول یہ ہے کہ مسجدوں میں ذکر کے حلقے منعقد کرتے ہیں اور ان حلقوں اور ان مجالس میں رفع الصوت یعنی بلند آواز کے ساتھ تہلیل لاالہ الا اللہ پڑھتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا مکروہ؟ تو جواب میں علامہؒ نے فرمایا "انہ لا کراھتہ فی شئ من ذالک: ان میں سے کسی چیز میں بھی کوئی کراہت نہیں" اس کے بعد علماء کے اقوال، اور جہر کے فوائد جو کہ علماء نے بھی بیان فرمائے ہیں کو بیان کرکے اس پر پورا مدلل مضمون لکھ دیا ہے (الحاوی للفتاوی نتیجہ الفکر، جلد۱، ص۳۸۹ تا ۳۹۴)۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں کہ :

وخلاصة المرام فی هذا المقام انه لاریب فی کون السرّ افضل من الجهر للتضرع والخیفة وکذا لاریب فی کون الجهر المفرط ممنوعاً لحدیث اربعوا علی انفسکم والأثارمتظاهرة متوافقة علی جوازه ولم نجد دلیلاً یدل صراحة علی حرمةٍ او کراهةٍ وقد نص المحدثون والفقهاء الشافعیة وبعض اصحابنا علی جوازه ایضاً ویدل علیه قول صاحب النهایه فی کتاب الحج المستحب عند نافی الاذکار الخفیة الا فی ماتعلق باعلانه مقصود کالاذان والتلبیة والخطبة کذا فی المبسوط انتهی والظاهر ان مراد من قال الجهر حرام هوا لجهر المفرط بدلیل انهم یستدلون علیه بقوله علیه الصلوٰة والسلام "اربعوا علی انفسکم" الحدیث وقد عرفت فی شان وروده ان ورود انما کان فی الجهرا لمفرط لافی الجهر مطلقًا مع انه کیف تثبت الحرمة الحقیقة بخبرالاحاد الذی هو من الادلة الظنیة و من قال انه بدعة ارادبه ان ایقاعه علی وجه مخصوص والتزام ملتزم لم یعهد فی الشرع بدلیل انهم انما اطلق البدعة علیه فی بحث التکبیر فی طریق صلوة عیدالفطر قالوا الجهر به فی الطریق علی الوجه المخصوص انما ورد فی عیدالاضحیٰ واما فی عیدالفطر فهو بدعة: خلاصہ یہ ہوا کہ خوف و زاری کی وجہ سے جہر سے سر یقیناً افضل ہے اسی طرح بلا شک وشبہ "حدیث اربعوا علی انفسکم" کی وجہ سے جہر مفرط کی ممانعت میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے اور رہا جہر غیر مفرط (یعنی جو انتہائی اور شدید درجہ کے جہر سے کم ہو) تو وہ بکثرت احادیث اور آثار صحابہؓ سے

ثابت ہے اور اس کی حرمت یا کراہت پر صراحت کے ساتھ کوئی دلیل موجود نہیں۔ محدثین اور فقہاء شافعیہ اور بعض فقہاء نے بھی اس کی جواز کی تصریح کی ہے[1] اور صاحب نہایہ نے کتاب الحج میں مبسوط کے حوالے سے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اذکار میں سر مستحب ہے[2] سوائے ان اذکار کے جن میں اعلان (اور اظہار) مقصود ہو جیسے اذان، تلبیہ اور خطبہ وغیرہ۔ اور جس جہر کو حرام قرار دیا ہے اس سے مراد جہر مفرط ہے کیونکہ وہ حدیث "اربعوا علی انفسکم" سے استدلال کرتے ہیں اور اس حدیث کی شان ورود کو آپ جان گئے ہیں کہ یہ حدیث جہر مفرط کے بارے میں وارد ہو چکی ہے نہ کہ جہر مطلق کے بارے میں علاوہ ازیں یہ کہ جہر کی حرمت پر ان اخبار آحاد سے کیسے حرمت حقیقی کو ثابت کیا جا سکتا ہے جبکہ یہ ظنی ہیں اور جن علماء نے جہر کو بدعت کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ جہر میں کسی خصوصیت (اور تخصیص) کو داخل کیا جائے، اور ایسی چیز کا التزام کیا جائے جس کو شریعت نے لازم نہیں قرار دیا ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے عید الفطر کے دن راستے میں جاتے وقت بلند آواز سے تکبیر پڑھنے پر بدعت کا اطلاق کیا ہے اور کہا ہے کہ اس مخصوص وجہ کے ساتھ صرف عید الاضحیٰ کے ساتھ تکبیر کہنا ثابت ہیں اور عید الفطر کے دن بدعت ہے (سباحۃ الفکر، ص۳۳)۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ اور اسکے متعلقہ اقوال کا موازنہ:

مفسرین اور فقہاء وغیرہ نے مذکورہ آیتوں کو سامنے رکھ کر ذکر جہر اور جہری دعا کے متعلق اپنی رائے لکھ دی ہے بعض علماء نے جہر شدید کو انہی آیتوں کی بنا پر مکروہ قرار دیا ہے اور بعض نے ان آیتوں کو ایک خاص وقت اور خاص حالات تک محدود کیا اور ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ؛

...... "لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ" کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد دعا میں چلانا مراد ہے۔

...... اس کا تعلق آواز کے ساتھ نہیں۔ بلکہ ان امور سے ہے جنکی اصل شریعت میں ثابت نہ ہو یا

---

[1] اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جہر متوسط کو بعض فقہاء احناف ناجائز یا مکروہ کہتے ہیں بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ بعض فقہاء نے تو جہر متوسط کے جواز کے متعلق صاف صاف کہہ دیا ہے کہ یہ جائز ہے اور بعض علماء احناف کی عبارت مبہم ہیں جن میں جہر مفرط اور جہر متوسط کی تفصیل نہیں۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ سر اور جہر کے افضل ہونے میں اختلاف ہے۔

جن میں شرعی حدود سے تجاوز ہو۔ مثلاً جنت کی کسی ایسی چیز کو مانگنا جن کا بیان شریعت نے نہیں کیا مثلاً یا اللہ مجھے سرخ جنت دے یا نویں جنت دے وغیرہ یا کوئی یہ دعا کرے کہ یا اللہ مجھے نبی کا درجہ دیدے یا دعا میں غیر اللہ سے سوال کرے اور راجح یہی ہے کیونکہ دعا عبادت ہے اور عبادت میں حدود سے تجاوز یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مانگا جائے۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ'' اللہ تعالیٰ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور حد سے گذر جانے والے لوگ متکبر ہیں ظالم ہیں اور مشرک ہیں۔ ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُشْرِکِیْنَ'' بلاشبہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو پسند نہیں کرتے لہذا بلا کسی مضبوط دلیل کے دعا میں آواز اونچی کرنے والوں کو مشرکین، ظالم اور متکبر لوگوں کی صف میں شامل کرنا از خود بھی بہت بڑا ظلم ہے اس لئے آیت کریمہ کا واضح مطلب یہی ہے کہ دُعا اور عبادت میں کسی ایسی چیز کو داخل نہ کر دیا جائے کہ جس کی اصل شریعت مطہرہ میں موجود نہ ہو مثلاً شرکیہ الفاظ وغیرہ۔

اگر چہ جہر مفرط کو بعض علماء نے اعتداء میں شامل کیا ہے لیکن جہر معتدل کے ساتھ دُعا مانگنے کو مکروہ سمجھ کر اعتداء میں شامل کرنا تو بالکل ہی غلط ہے کیونکہ جہر معتدل تواتر عملی کے ساتھ ثابت ہے نیز سورت اسراء کی اس آیت "وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا " کے متعلق صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ یہ دُعا اور نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے (صحیح بخاری اور صحیح مسلم)۔

پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ دُعا میں مطلقاً جہر اعتداء میں شامل ہے اور ایسا حکم لگانا تو خود اعتداء اور شرعی حدود سے تجاوز ہے اور دور جدید کے کچھ لوگوں کے سوا کسی بھی فقیہ یا عالم نے اس بات کی تصریح نہیں کی ہے کہ دُعا میں معتدل جہر بھی ناجائز یا مکروہ یا اعتداء میں داخل ہے جنہوں نے لکھا بھی ہے تو انہوں نے چلانے اور نعرے لگانے کو لکھا ہے۔

خاص حالات میں جہرِ مفرط کے ساتھ دُعا مانگنا بھی اعتداء میں شامل نہیں:

نیز تمام حالات میں لایحب المعتدین کی یہ تفسیر کہ اعتداء سے مراد دُعا میں چیخنا چلانا ہے یہ بالکل انسانی فطرت کے متصادم ہے ہر وہ شخص جو مجبور ہو جائے، بیقرار ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ پر اعتماد، یقین بھی ہو اور اس

کے ساتھ محبت بھی ہو اس کو اپنا خیر خواہ، خالق، مالک اور قدرت والا اور نہایت مہربان بھی جانتا ہو تو بیقراری اور مجبوری کی صورت میں انسان کی بے اختیار چیخیں نکلتی ہیں چلاتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ جب کسی پر سخت مصیبت آپڑتی ہے تو وہ شخص جب ایسے شخص سے مل جاتا ہے جو اس کا خیر خواہ اور ہمدرد ہو تو وہ اس کے سامنے رو پڑتا ہے اور اپنے دکھ اور درد کے مطابق روتا ہے۔ بچہ ماں کو دیکھ کر کس طرح بیقرار ہو کر روتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی عام انسان سخت مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے گردو پیش کے اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے تو سخت بیقراری کی حالت میں جب وہ اللہ تعالیٰ کیطرف رجوع کرتا ہے تو اس کی چیخیں نکلتی ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر مضبوط یقین ہو اور وہ کسی حاجت میں کسی غیر کی طرف ہاتھ نہیں پھیلاتے جب وہ مجبور ہو جائیں تو وہ بھی بے اختیار اللہ تعالیٰ کے سامنے رو پڑتے ہیں بلکہ چلانے اور چیخنے تک نوبت پہنچ جاتی ہے اس کی یہ حالت اور ایسی فریاد تو اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس کے رحم و کرم اور اس کی قدرت پر اعتماد کی وجہ سے ہے۔ ایسی حالت وصورت میں وہ اپنی دعائیں اپنی آہ و پکار اللہ تعالیٰ کو نہیں سناتا بلکہ یہ اس کے خود اپنے اندرونی جذبات اور کیفیت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے وقت بے اختیار ابھر کر اس کی زبان اور آنکھوں سے بہہ نکلتی ہے یہ حالت اس کی نہایت خدا پرستی اور اللہ تعالیٰ پر مضبوط یقین واعتماد کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ اوروں کی بجائے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا ہے، روتا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر اس کی چیخ بھی نکلتی ہے یا چلا کر رو پڑتا ہے تو اس کو حکم اعتداء میں داخل کرنا یقیناً محل نظر اور انسانی فطرت کے ساتھ جنگ ہے۔

حالانکہ اسلام دینِ فطرت ہے اور پھر اس کی یہ تفسیر نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت نہیں بلکہ بعض مفسرین کی اپنی ذاتی رائے ہے، جس کے ساتھ اتفاق مشکل ہے کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے اور بے اختیار ہو کر چلا کر روئے پھر اللہ تعالیٰ اس کو ظالموں کی صف میں کھڑا کردے اسلئے بعض علماء اور فقہاء اس تفسیر کو مردود کہتے ہیں۔ البتہ اگر وہ یہ سب کچھ ریاء کاری اور لوگوں کو دکھاوے کیلئے کرتا ہے تو پھر تو وہ اعتداء میں شامل ہے۔ (فتاویٰ خیریہ علی حاشیہ تنقیح الحامدیہ، جلد ۲ ص ۲۸۱)۔

(اُدْعُوْا رَبَّكُمْ) آیت کا سیاق وسباق:

آپ ذرا قرآن کھول کر اس آیت کے سیاق وسباق پر نظر ڈالیں اوپر کی آیتوں میں پہلے شرک کی بے حقیقتی اور بدانجامی کو بیان کیا گیا پھر اس کے بعد توحید کے مضمون کی وضاحت کی گئی ہے کہ آسمان اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اس کائنات کو پیدا کر کے اس سے بے تعلق نہیں ہو بیٹھا بلکہ اپنے عرش حکومت پر متمکن ہے اور تمام کائنات کی باگیں اور اختیارات صرف اس نے اپنے دست قدرت میں رکھی ہیں اور صرف وہی تمام کائنات پر

فرمانروائی کر رہا ہے۔ دن رات، سورج، چاند، ستارے اور سیارے ہوائیں سب کے سب اس کے احکام کی تعمیل میں شب و روز گردش کر تے ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اور دن رات اس کے احکام کی تعمیل میں جوش و خروش کے ساتھ اپنے اپنے کام میں سرگرم ہیں۔ اور اسی کا امر و حکم کائنات کے گوشے گوشے میں جاری ہے تو خالق کائنات کے سوا کوئی دوسرا اس بات کا حقدار کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں اس کا حکم چلے۔

پھر یہ کائنات اپنے وجود سے شاہد ہے کہ اس کو پیدا کرنے والی ہستی بڑی بافیض اور نہایت ہی بابرکت و رحمت والی ہستی ہے تو حق اور صحیح یہی ہے کہ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً ط اِنَّہٗ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ o وَلَاتُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ: اپنے پروردگار کو پکارا کرو گڑگڑاتے ہوئے، اور چپکے چپکے یقیناً وہ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور زمین میں فساد نہ کرو اس کی اصلاح کے بعد، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں سے قریب ہے (اعراف، ۵۵)۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نفع و نقصان عزت و ذلت کائنات کی ہر چیز کا مالک و خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہی بافیض اور نہایت بابرکت و رحمت ہستی بھی ہے تو تم صرف اپنے رب کو سرًا اور علانیۃً پکارا کرو اور امید و بیم پر اچھی بری ہر حالت میں اسی سے لو لگائے رکھو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ خوف و طمع امید و بیم کا رشتہ جوڑنا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز ہے اور اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا لہٰذا تم شرک سے سخت پرہیز کرو اور اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کسی کو شریک کرنا اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور اس کی سرزمین میں فساد برپا کرنا ہے، لہٰذا تم شرک کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد نہ مچاؤ اور اپنے خوف و رجاء اور امید و بیم کا رشتہ صرف اللہ تعالیٰ سے جوڑ کر اپنی تمام تر حاجات اور مشکلات میں صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارو۔ اور جو لوگ خوف و رجاء اور اپنی امید و بیم کا مرکز و مرجع صرف اپنے پروردگار کو بناتے ہیں در حقیقت یہی لوگ محسنین بن سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت یقیناً نیکوکاروں کے قریب ہے۔

ان آیات کے بعد پھر توحید اور آخرت کے دلائل کا بیان ہے۔ بہرحال " لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ " کی درست اور دل کو لگنے والی تفسیر یہی ہے کہ اعتداء سے مراد شرک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بجائے کسی اور کی بندگی کی جائے یا کسی اور کو پکارا جائے۔ دُعا میں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ریاء کاری کی جائے تو یہ بھی شرک خفی ہے اور اسی پر آیت کریمہ کا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے۔ جس کے بعد آپ خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس سے مراد بے ریاء بندگی اور خالص اللہ تعالیٰ سے مانگنا مراد ہے اور یہی تفسیر بعض جید علماء فقہاء اور مفسرین سے بھی منقول ہے۔ چنانچہ

امام کروریؒ "اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً" کے متعلق فرماتے ہیں کہ؛

ای اعبدوہ وارفعوا حوائجکم والضراعۃ الذلۃ والخفیۃ ان لایدخلہ الرّیاء انہ لایحب المعتدین ای المشرکین الذین یدعون غیراللّٰہ تعالی: اُدْعُوْا رَبَّکُمْ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرواوراسی کے سامنے اپنے حوائج پیش کرواور تَضَرُّعًا کے معنی عاجزی اورخُفْیَۃً کا مطلب ہے ایسی بندگی جس میں ریاء کا دخل نہ ہواور لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ سے مراد مشرکین ہیں۔جواللہ تعالیٰ کے سواکسی اورکی بندگی اورکسی اور کو پکارتے ہیں(فتاویٰ بزازیہ علی حامش الھندیہ،جلد۶،ص۳۷۸)۔

نیزحضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کی مرتب اورمدون کردہ تفسیر جواہرالقرآن میں ہے کہ؛

چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا خالق اورمالک ہےاوروہی متصرف ومختار ہے لہٰذا غائبانہ حاجات میں اسی کو پکارو،"الْمُعْتَدِیْن"غیراللہ کو پکارنے والے(جواھرالقرآن،جلد۱، ص۳۶۷)۔

اسی طرح دوسرے محقق مفسرین نے بھی"الْمُعْتَدِیْنَ"سے غیراللہ کو پکارنے والے "مشرکین" شرک کرنے والے مراد لئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام نوویؒ ایک صحیح حدیث(جس میں نبی کریم ﷺ نے اونچی آواز سے دُعامانگی ہے جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آجائے گا)کے تحت لکھتے ہیں؛

انہ لاباس برفع الصوت فی الدعا:(یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے) کہ دُعامیں آوازبلندکرنے میں کوئی حرج نہیں(شرح مسلم،جلد۲، ص۹۳)۔

جب نبی کریم ﷺ سے خودبلندآواز کے ساتھ دُعاثابت ہے جیسا کہ اس کا بیان آگےآجائیگا)تو پھراس کے بعد اس تفسیر کے مرجوح ہونے میں کیا شک باقی رہتا ہے البتہ بلاوجہ اور بلاضرورت بہت بلندآواز کے ساتھ دُعامانگنا دیگروجوہ کی بنیادپرتو نامناسب یامکروہ ہوسکتا ہےلیکن اس آیت کی رو سے نہیں۔

(وَاذْکُرْرَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ)کے متعلق چندمعتمداقوال کا خلاصہ:

دوسری آیت وَاذْکُرْرَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ کے متعلق چندمعتمداقوال کاخلاصہ یہ ہے:

...... بعض مفسرین اورعلماء کرام نے اس آیت کریمہ کو نماز کیساتھ خاص کردیا ہےاورفرمایا ہے

"وَاذْکُرْ رَّبَّکَ "اور اپنے پروردگار کے ذکر سے مراد نماز میں قرأت ہے۔تو اس تفسیر کی رو سے تسبیح وتہلیل وغیرہ اذکار سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا اور اس آیت سے ذکرِ جہر کے خلاف استدلال ہی نہیں ہو سکتا۔

...... جو لوگ اس آیت کو نماز کے ساتھ خاص کرتے ہیں ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ اس میں امام اور قاری کیلئے قرأت کے آداب بیان کئے گئے ہیں کہ قراءت کرتے وقت معنیٰ کا لحاظ کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے گڑگڑاتے ہوئے معتدل جہر سے قرأت کریں یا یہ کہ سری یعنی ظہر اور عصر میں خفیہ قرأت کرو اور جہری نمازوں میں معتدل جہر سے قرأت کرو۔

...... اکثر مفسرین اور علماء کرام اس آیت "وَاذْکُرْ رَّبَّکَ "میں ذکر سے مراد خطبہ وعظ ونصیحت، تلاوت قرآن، تسبیح وتہلیل اور استغفار ودعا تمام اذکار مراد لیتے ہیں اور وہ ان تمام کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا ادب یہ ہے کہ ان میں جہر شدید سے پرہیز کیا جائے البتہ جہاں جہر شدید کی ضرورت پڑ جائے مثلاً اذان، تنبیہ وغیرہ جیسی چیزیں جن میں اعلان اور اظہارِ دین مقصود ہوتا ہے تو وہاں رفع الصوت بلند آواز شدید ہی افضل اور بہتر ہے اور بلاضرورت شدید جہر مکروہ یا کم از کم غیر اولیٰ ہے۔

...... بعض علماء اور مفسرین فرماتے ہیں کہ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ "میں جس جہر معتدل کا حکم ہے یہ حکم ارشادی ہے نہ کہ واجب کہ جہر شدید کو اس آیت کریمہ کی وجہ سے حرام یا مکروہ قرار دیا جائے البتہ جہرِ مفرط اور بالفاظ دیگر جہر مضر نقصان دہ جہر بالاتفاق مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ اس میں اپنے کو ایذاء دینا ہے یا اس کیوجہ سے دوسرے نمازیوں کی نماز وغیرہ میں خلل پڑتا ہے۔

...... اس پر تمام مفسرین اور علماء کا اتفاق ہے کہ "وَاذْکُرْ رَّبَّکَ " مکی آیت ہے اسی طرح " ادْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً " نیز " وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِکَ سَبِيْلاً " بھی بالاتفاق مکی آیت ہے۔نیز یہ بھی ثابت ہے کہ اس سے مراد دعا بھی ہے اور قرأت بھی لہذا یہ حکم نفس جہر شدید کی ممانعت کیلئے نہیں بلکہ کفار ومشرکین کی ایذاءرسانیوں سے بچنے کی غرض سے تھا۔نیز یہ حکم اس لئے بھی تھا تاکہ وہ جہالت کی بناء پر قرآن مجید اور اس کے نازل کرنے والے کو گالیاں نہ دیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس قدر

جہر یعنی جہر معتدل کا حکم فرمایا کہ صحابہ کرامؓ اور نماز میں مقتدی قراٗت کو سن سکیں، لیکن قرآن مجید وغیرہ کی آواز دور دور تک نہ جائے چونکہ اب وہ حالت نہ رہی اس لئے ذکرِ شدید، تلاوت بلند آواز کے ساتھ کی ممانعت باقی نہ رہی، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ: **فلما ھا جر الی المدنیۃ سقط ذلک یفعل ای ذلک شاء:** پھر جب مدینہ منورہ کو آپ ﷺ نے ہجرت کی تو یہ حکم ساقط ہو گیا اور (یہ اجازت دی گئی کہ) جس طرح چاہے (تلاوت) کرو (تفسیر ابن کثیر، جلد۳، ص۶۹)۔

..... اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کا تعلق قاری اور ذکر کرنے یا خطبہ دینے والے کیلئے نہیں بلکہ اس کا تعلق سننے والوں کے بارے میں ہے کہ جب خطبہ دیا جا رہا ہو یا قراٗت قرآن ہو رہی ہو تو اس وقت خاموشی کے ساتھ دل دل میں اور چپکے چپکے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں تا کہ وہ ذکر الٰہی سے غافل نہ ہو اور اس کے بارے میں وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آیت "واذاقرئ القرآن .... الخ" قراءت کے متعلق ہے تو وہاں سننے والوں کیلئے چپ رہنے کا حکم تھا تو پھر چپ رہنے والوں کو یہ حکم دیدیا کہ بالکل ہی ذکر کو نہ چھوڑیں بلکہ دل دل میں اور چپکے چپکے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اس پر دلیل "**ولا تکن من الغافلین** " ہے کہ تو غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ لیکن اس قول کی کمزوری واضح ہے کہ خطبہ کے وقت یا نماز میں قراٗت کے وقت میں خاموش رہنا اور پوری توجہ کے ساتھ کان لگا کر سننا اور آیتوں میں غور کرنا ہی اس وقت کا ذکر ہے ورنہ اگر وہ خود بھی ذکر میں مشغول ہو اگرچہ چپکے چپکے کیوں نہ ہو تو پھر بھی توجہ خطبہ کی طرف نہیں رہے گی اور خطبہ سننا اور تلاوت قرآن سننا اور اس میں غور و فکر کرنا خود ہی اعلیٰ ذکر ہے۔ پھر اس وقت چپکے چپکے ذکر کرنے کے حکم کا کیا مطلب؟ واللہ اعلم بالصواب۔

ان تمام اقوال سے حاصل تو یہی ہوا کہ ان آیتوں سے ذکرِ جہر معتدل کی نفی تو ہرگز مراد نہیں بلکہ ان میں جہر متوسط کا حکم ہے اور یہ خود بھی ذکر کی ایک مشروع اور جائز صورت ہے البتہ ان آیتوں کی جو تفسیر راجح معلوم ہوتی ہے اس کو نقل کر دیتا ہوں۔

..... سورۃ اعراف کی پہلی آیت یہ ہے "**اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً** :اور اپنے پروردگار کو

گڑگڑاتے ہوئے بھی اور چھپ کر بھی پکارا کرو اور اللہ تعالیٰ یقیناً حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (اعراف، ۵۵)۔ اس آیت کریمہ سے دُعا میں نفس جہر کی ممانعت مراد نہیں لی جاسکتی۔ اس کا مفصل بیان گذر چکا ہے۔

..... اعراف کی دوسری آیت اور تیسری آیت یہ ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ: اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور تو اپنے پروردگار کو یاد کر دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور یاد کرتا رہ صبح، شام دون الجہر یعنی بلند آواز کی نسبت کم ہلکی آواز کے ساتھ اور غافلوں میں سے نہ ہو (اعراف، ۲۰۴ تا ۲۰۵)۔ پہلی آیت میں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا کی تعلیم سننے والوں اور مقتدیوں کیلئے ہے کہ جب قرآن (اور خطبہ) پڑھا جائے تو کان لگا کر سنیں، اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ کان لگا کر سننا تو اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ قرآن کو اور خطبہ کو آواز ہی سے پڑھا جائے تو ان آیات سے خود جہری قرأت و تلاوت اور ذکر ثابت ہوا کہ لوگ تو اسی وقت ذکر و قرأت کو سنیں گے جبکہ جہر ہو۔ لیکن قرآن مجید کو کس قدر جہر سے پڑھا جائے اور ذکر پر کس قدر آواز بلند کرنا چاہیئے تو "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ" کی تعلیم امام و قاری کو سنانے اور خود ذکر کرنے والے کیلئے ہے اور اس دوسری آیت (وَاذْكُرْ رَّبَّكَ) میں ذاکر اور قاری کو ذکر و تلاوت کا طریقہ بتلایا گیا ہے اس آیت کریمہ میں پہلے جہر اور دون الجہر کے معنی کو معلوم کرنا چاہیئے اس کے بعد ترجمہ خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔

"جہر" اور "دون الجہر" کے معنی:

جہر کے معنی پکارنے، اعلان کرنے کے ہیں اور امام راغب کہتے ہیں کہ کسی چیز کو افراط (یعنی حد سے زیادہ زور) کے ساتھ نمایاں کرنے کو جہر کہتے ہیں خواہ اس کا تعلق سننے سے ہو یا دیکھنے سے (مفردات، ص ۱۰۱)۔ جہر کے معنی جو امام راغب نے کیے ہیں۔ قرآن مجید نے اسی معنی میں جہر کے لفظ کو جگہ جگہ استعمال فرمایا ہے کبھی اس کا تعلق زیادہ زور کی آواز سے ہوتا ہے اور کہیں اس کا تعلق کھلم کھلا دیکھنے سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو قوم نے کہا کہ: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً: ہرگز تجھے نہیں مانیں گے جب تک روبرو (یعنی کھل

کر) اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں (بقرۃ ۵۵)۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے؛ فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا: تو وہ اسی (اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و رزق) سے پوشیدہ اور کھلم کھلا بھی خرچ کر دیتا ہے (نحل ۷۵)۔ بہر حال جہر کے لغوی معنی کسی چیز کو افراط اور پوری قوت سے نمایاں اور ظاہر کرنے کو کہتے ہیں اور جب اس کا تعلق سننے اور قول کے ساتھ ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اعلان کرنا، نعرہ لگانا، چیخنا چلانا، رفع الصوت یعنی آواز بلند کرنا ہوتا ہے یعنی نام جو بھی رکھیں خواہ چلانا رکھیں یا آواز بلند کرنا مطلب سب کا ایک ہی ہے انسان اپنی پوری اور انتہائی قوت کے ساتھ آواز کو نکالے، اسی کو جہری آواز کہتے ہیں اور جب بالکل کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کوئی کام کرے اس کو جہری یا علانیہ عمل کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ " وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ " میں جو "دون الجهر " کا لفظ آتا ہے، جہر کے متعلق لکھتے ہیں کہ؛

فان الجهر هو الاظهار الشديد: بلاشبہ جہر اظہار شدید ہی ہے (علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر کبیر، جلد۴، ص۳۲۰)۔

"دون" کے معنی:

"دون" فوق کی ضد ہے لیکن عربی میں "دون" کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، دون کم، نیچے، اوپر، آگے یا پیچھے، قریب اور علاوہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ "هو دونه" وہ اس سے کم درجے میں ہے یا اس سے نیچے درجے میں ہے، "مشیٰ دونه" وہ اس سے آگے چلا، "من دون الله" اللہ تعالیٰ کے سوا یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ جب اس کا صلہ " مِنْ " آ جاتا ہے، یعنی دون کے ساتھ جب "من" مل جاتا ہے تو پھر زیادہ تر اس کے معنی علاوہ اور سوا کے ہوتے ہیں۔

اور یہاں دون الجهر کے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ دون سے کم درجہ مراد لیا جائے تو ایسی صورت میں اس کے معنی یہ ہونگے کہ نعرے اور چلانے یا بلند آواز (یعنی شدید جہر) کے بہ نسبت کم آواز کے ساتھ۔ اگر اس سے معنی علاوہ اور غیر کے معنی لیا جائے تو معنی یہ ہوگا بغیر چلائے کے آواز میں یا چلانے کے علاوہ آواز کے ساتھ تو دونوں صورتوں میں مطلب یہی ہے کہ معتدل جہر کے ساتھ ہونا چاہئے کیونکہ نعرے سے کم آواز میں ذکر ہو یا چلائے بغیر جہر ہو۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ جہر شدید اور بہت زیادہ بلند آواز نہ ہو۔ بلکہ بعض علماء کے نزدیک یہ حکم بھی ارشادی ہے یعنی اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی زیادہ جہر کرے تو وہ حرام یا مکروہ کا مرتکب ہوگا البتہ بلاضرورت ایسا کرنا ادب کے خلاف ہوگا البتہ اگر دوسروں کے ضرر کا سبب بنے تو پھر ایذا رسانی کی وجہ سے

ممنوع ہوگا۔ اور اس آیت کا حکم ہو بہو ایسا ہے جیسا کہ اسراء کی آیت کا حکم وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً: نہ چلا کر نماز یا دُعا پڑھیں اور نہ بالکل آہستہ بلکہ ان دونوں کے درمیان راہ کو اختیار کریں (اسراء ۱۱۰)۔

اور اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بہت زیادہ زور کے ساتھ قرآن مجید نماز میں پڑھا کرتے تھے تو کفار و مشرکین آپ ﷺ کی آواز سن کر قرآن مجید کے نازل کرنے والے (یعنی اللہ تعالیٰ کو) اور جو قرآن مجید لائے (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کو گالیاں دیتے تو نبی کریم ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ نہ تو جہر کریں یعنی بہت زیادہ زور کی آواز سے تلاوت کریں کہ کفار و مشرکین آپ ﷺ کو ایذاء پہنچائیں اور نہ اس قدر پست آواز کے ساتھ تلاوت کریں کہ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والے صحابہ کرامؓ بھی نہ سن سکیں بلکہ معتدل آواز کے ساتھ پڑھیں (بخاری کتاب التفسیر)۔

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت دُعا کے بارے میں نازل ہوئی (بخاری کتاب التفسیر) اور یہ تفسیر بھی بالکل درست ہے اور قرآن مجید کی پوری آیت کو سامنے رکھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور پوری آیت یوں ہے قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ج وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً: کہہ دو (اے پیغمبر ﷺ) "اللہ" کہہ کر پکارو یا "رحمٰن" کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو، بس اچھے نام صرف اسی ہی کیلئے ہیں اور اپنی دُعا (یا نماز) بلند آواز سے نہ کرو اور نہ زیادہ پست آواز کے ساتھ بلکہ ان کے درمیان کی راہ اختیار کرو (اسراء ۱۱۰) دیکھئے آیت کا شروع دُعا سے ہے کہ یا اللہ کہہ کر دعائیں مانگو یا رحمٰن کہہ کر دعائیں مانگیں...... الخ اور اسی ایک ہی آیت میں "وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ" کا حکم فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اصلاً دُعا کے متعلق ہے اور یہ بات تو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں "صلّی، صلّوا" کا لفظ دُعا کیلئے بھی مستعمل ہے۔ چونکہ نماز کے اندر بھی دعائیں تلاوت اور اذکار ہیں جن میں سے بعض اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہیں، مثلاً سورۃ فاتحہ، تلاوت قرآن، تکبیرات انتقال وغیرہ اس لئے اس کے متعلق یہ بھی صحیح ہے کہ یہ نماز کے متعلق نازل ہوئی ہو واللہ اعلم۔

دون الجہر کے معنی ادنیٰ جہر نہیں اور فقہاء کی عبارتوں سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ:

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ دون الجہر کے معنی ادنیٰ جہر نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چلائے

بغیر اور نعرہ لگائے بغیر یا چلانے اور بلند آواز کی بہ نسبت کم۔ دونوں کا مطلب ایک ہے یہاں ایک سوال یہ ہے کہ جہر شدید اور چلانے، نعرے یا بلند آواز سے کم ہو تو اس کی مقدار کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مقدار ادنیٰ جہر سے شروع ہوتی ہے اور جب تک چلانے نعرہ لگانے اور شدید کامل جہر تک نہ پہنچے سب **دون الجهر** میں شامل ہے اور اس کو درمیانی جہر کہا جاتا ہے خواہ وہ جہر اس قدر ہو کہ صرف خود کو سنا سکے یا اس قدر ہو کہ لوگ بھی سنیں جب تک چلانے اور نعرے کی حد تک نہ پہونچے تو یہ سار اور میانی جہر میں شمار ہے۔

اور جہر اور ادنیٰ جہر کے متعلق ایک اختلاف فقہی ہے جو مشہور و معروف ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے اور اس میں بعض حضرات کا یہ قول بھی موجود ہے کہ ادنیٰ جہر یا وہ جہر جس سے جہری نماز صحیح ہوتی ہے وہ اس قدر ہے کہ خود کو سنا سکے۔ نیز جن مفسرین نے دون الجہر سے درمیانی مراد لیا ہے تو وہ بعض اوقات اس کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ تسمع نفسک کہ اپنے آپ کو سنا سکے یا یسمعہ نفسہ کہ خود سنے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ درمیانی جہر کا اعلیٰ حد یہ ہے بلکہ وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر اتنی آواز نکالے کہ خود کو سنا سکے تو یہ بھی جہر متوسط میں شامل ہے یعنی سر اور خفیہ کے درجہ سے اوپر ہے لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اتنی آواز کے ساتھ کہ خود سنے اگر چہ اس پر ادنیٰ جہر کا اطلاق لغوی طور پر تو ہو سکے گا لیکن جہری نماز میں اس قدر جہر سے کام نہیں چلے گا۔

بعض مفسرین کی عبارتوں سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ:

بعض مفسرین نے "دون الجهر" کے تحت جو یہ لکھا ہے کہ جب ذکر کی آواز ذاکر کے کانوں تک پہونچتی ہے تو اس سے خیال متاثر ہوتا ہے اور خیال متاثر ہو جانے سے ذکر قلبی یعنی یادداشت اور روحانی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو ان مفسرین کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ذکر اس قدر کریں کہ صرف اپنے کان سنیں اور کوئی نہ سنے بلکہ مطلب صرف اتنا ہے کہ جب ایک ذاکر اپنے ذکر کو سنتا ہے خواہ اور لوگ سنیں یا نہ سنیں تو اس سے یہ مذکورہ فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ علماء و فقہاء کا مطلب ذکرِ جہر کا اندازہ مقرر کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ذاکر جب اپنے ذکر کی آواز کو سنے اس کا فائدہ بتلاتے ہیں اور اندازہ مقرر کرنے کیلئے اس قدر کہتے ہیں کہ بغیر کسی مصلحت اور ضرورت کے چلا کر ذکر نہ ہو۔ مثلاً علامہ فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ:

دون الجهر من القول المعنىٰ ان يذكر ربه على وجه يسمع نفسه فان المراد حصول الذكر اللساني والذكر اللساني اذكان بحيث يسمع نفسه فانه يتاثر الخيال من ذلك الذكر وتاثر الخيال يوجب قوة في الذكر

القلبی الروحانی : دون الجهر من القول کا معنی یہ ہے کہ اپنے پروردگار کو اس طرح یاد کرے کہ اپنے کو سنا سکے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ ذکر زبانی حاصل ہو جائے اور زبانی ذکر جب اس طرح ہو کہ اپنے نفس کو سنا سکے تو ایسے ذکر سے خیال متاثر ہو جاتا ہے اور خیال کے متاثر ہو جانے کی وجہ سے قلبی اور روحانی قوت حاصل ہوتی ہے(تفسیر کبیر، جلد ۱۵، ص ۱۰۸)۔

اس عبارت سے علامہ رازیؒ کا مقصد یہی تو ہے کہ ذکر لسانی کی آواز جب ذاکر کے کانوں میں پہنچ جاتی ہے تو اس سے روحانی اور قلبی ذکر میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہاں اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ذکر ایسا کریں کہ کوئی اور نہ سنے بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ ذاکر جب اپنے ذکر کی آواز کو سنے تو اس کا یہ فائدہ ہے۔ نیز اسی طرح کی ایک عبارت علامہ شیخ عبدالحق حقانیؒ کی تفسیر میں ہمیں ملتی ہے چنانچہ دون الجهر کی تحت لکھتے ہیں۔

"دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ "مراد یہ کہ مخافت اور جہر کے درمیانی طور پر ذکر ہو جیسا کہ آیا ہے" وَلاتَجْهَرْ بِصَلاتِکَ وَلاتُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِکَ سَبِيْلاً " (تفسیر حقانی، جلد۴، ص ۱۷۶)۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

یعنی اس قدر بلند آواز ہو کہ جس کو آپ سن سکے کیونکہ اس ذکر سے خیال متاثر ہوتا ہے اور خیال کے متاثر ہونے سے ذکرِ قلبی و روحانی میں قوت حاصل ہوتی ہے۔

"وَلاتَجْهَرْ بِصَلاتِکَ" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

اور اپنی نماز نہ تو چلا کر پڑھا کرو اور نہ چپکے سے طریقہ اختیار کرو۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ نماز پکار کر نہ ہو نہ آہستہ مگر درمیانی آواز سے ہو۔

پھر اسی آیت کے حاصل کو بیان کر کے لکھتے ہیں کہ:

الحاصل نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے یا اور ادعیہ وغیرہ اس کو متوسط درجہ کی آواز سے پڑھنا چاہیے(تفسیر حقانی، جلد ۵، ص ۹۲)۔

عرض یہ ہے کہ اس طرح کی عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ جب ذکر کی آواز کان میں پہنچے تو اس سے ذاکر کو خود فائدہ ہوتا ہے۔ کہ اس سے خیال متاثر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ذکرِ قلبی اور روحانی میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے ان حضرات کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ ذکرِ جہر کی یہ حد ہے کہ صرف اپنے کان سنیں دوسرے نہ

سنیں اگر ان کا یہ مطلب ہوتا تو وہ اس کی تفسیر میں "وَلاَتَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَتُخَافِتْ" کی آیت کو پیش نہ کرتے۔ کیونکہ یہ بات کہ اگر آواز اس قدر تیز ہوگئی کہ دوسرے لوگ بھی سن لیں تو وہ درمیانی ذکر نہ رہا یہ تو عقلاً اورنقلاً مشاہدے کے بالکل خلاف اورمردود ہے۔ عقلاً تو ظاہر ہے کہ اگرکسی ذکر کرنے والے کے ذکر وتلاوت کو کچھ لوگ سنیں تو اس کو کوئی بھی نعرہ اور چلانا نہیں کہتا۔ تجربہ اورتاریخ شاہد ہے کہ اول سے آج تک پوری دنیا کی تمام مسجدوں میں امام کس قدر جہر کرتا ہے اور یہ نبی کریم ﷺ سے آج تک چلا آرہا ہے۔

خلاصہ بحث آیت "دون الجھر":

...... "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً " / "وَاذْكُرْرَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً "اور "وَلاَتَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَتُخَافِتْ بِهَا " یہ آیتیں مکی ہیں یعنی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔

...... "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا: اور جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو کان لگا کر سنو اور چپ رہو" سے ہی واضح طور پر ثابت ہے اور اس بات کو تو ایک بچہ بھی سمجھتا ہے کہ خطبے اور تلاوت کو بڑے اجتماعات میں اسی وقت سنا جا سکتا ہے جبکہ قاری اور خطیب زور زور سے تلاوت کرے یا خطبہ پڑھے۔

...... "وَاذْكُرْرَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ" آیت نے قاری اور ذاکر کو ذکر کا ادب بتایا کہ معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے عاجزی اور ڈرتے ہوئے بغیر چلائے یعنی بغیر جہر مفرط کے تلاوت وذکر کرے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ یہ آیتیں مکی ہیں اور ذکر وتلاوت میں جو یہ حکم ہوا تھا یہ بھی اس لئے کہ مشرکین عین نماز اور دعا کے اندر ایذاء نہ پہنچائیں اور سب وشتم نہ کریں اس لئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب اسلام کو شوکت وغلبہ حاصل ہوا تو یہ حکم بھی نہ رہا البتہ جہاں ایسی حالت ہو کہ کفار ومشرکین سے ایذاء رسانیوں کا خطرہ ہو اس کے متعلق اب بھی یہی حکم ہے۔

...... چونکہ ان آیتوں میں قاری اور ذاکر کے لئے گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے ذکر وتلاوت کا حکم ہے اگرچہ گڑگڑانا شدید جہر کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے کتنے لوگ ایسے ہیں کہ وہ زارزار چلا کر روتے ہیں لیکن پھر بھی جو عاجزی معتدل گڑگڑانے میں ہوتی ہے وہ چیخنے چلانے میں نہیں ہوتی اس لئے بلا کسی ضرورت اور بلا کسی کیفیت وحالت خاصہ کے تلاوت،

ذکر اور دُعا شدید جہر یعنی بلند آواز کے ساتھ نہیں کرنی چاہیے۔

جہرِ شدید کیلئے ضرورت کی مثالیں:

مثلاً دین کا اظہار کرنا مقصود ہے یا اعلان کرنا جیسے اذان اور کفار پر رعب جمانا مقصود ہو یا کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو جوش دلانا ہو مجمع زیادہ ہو اور مقتدیوں کو آواز پہنچانا مقصود ہو، وساوس کا ہموم اور ہجوم ہے وساوس کو دور کرنے اور یکسوئی کی خاطر یعنی دھیان کو جمانے کی خاطر کیا جائے یا شروع تو جہر معتدل سے ہو لیکن بعد میں بلا قصد و اختیار رقت، گریہ اور آہ و بکاء کی اور فریاد کی وجہ سے آواز بلند ہو جائے تو اس طرح کی تمام صورتوں میں شدید جہر حرام یا مکروہ نہیں بلکہ جائز ہے بشرطیکہ اس کے اندر کوئی ایسی خارجی چیز مثلاً تخصیص اور التزام یا ایذاء وغیرہ شامل نہ ہو جائے۔

جہرِ معتدل تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے:

رہا معتدل جہر یہ تو خود قرآن مجید کی آیتوں اور " اربعو " والی حدیث ہی سے ثابت ہے اس میں تو اختلاف کی بھی گنجائش نہیں الا یہ کہ جہاں شریعت نے خود فرمایا ہو کہ اس وقت جہر نہیں ہونا چاہیے مثلاً سری نماز میں جہر کرنا منع کر دیا گیا اب اس کی تفصیل کیلئے چند مفسرین کے تحریرات کو پیش کرتا ہوں جو دون الجھر کی تفسیر معتدل جہر سے کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

> والمراد بالجھر رفع الصوت المفرط و بمادونه نوع آخر من الجھر: اور جہر سے مراد افراط سے (یعنی حد سے زیادہ) آواز بلند کرنا ہے اور جو اس (جہر مفرط) سے کم ہو وہ جہر کی ایک اور قسم ہے (روح المعانی ج ۹: ۱۶۲)۔

یہ حوالہ قدر مفصل پہلے لکھ چکا ہوں اور اس پر تحقیق بھی کی جا چکی ہے اس لئے یہاں اختصار سے کام لیا ایک دوسری جگہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ:

> واختار بعض المحققين ان المراد دون الجھر البالغ اوالزائد على قدر الحاجة فيكون الجھر المعتدل والجھر بقدر الحاجة داخلا فى المامور به: بعض محققین نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ "دون الجھر" سے جہر مفرط یا ضرورت سے زائد جہر مراد ہے لہذا جہر معتدل اور بقدر حاجت تو خود مامور بہ میں داخل ہے (روح المعانی ج ۱۶ ص ۱۶۳)۔

مطلب یہ کہ جہر معتدل اور بقدر ضرورت جہر کا تو شریعت مطہرہ نے خود حکم دیدیا ہے اور تقریباً اسی طرح کا معنی اور مفسرین نے بھی کیا ہے۔ وہ "دون الجھر" کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اس میں سر اور جہر شدید کے درمیانی ذکر یعنی جہر معتدل اور متوسط کا حکم دیا گیا ہے [1]۔ آخر میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند اردو تفاسیر سے بھی "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ" کا ترجمہ نقل کیا جائے تاکہ ایک عام لکھا پڑھا آدمی خود دیکھ کر اس سے استفادہ کر سکے۔

حضرت علامہ عبدالحق حقانیؒ اپنی تفسیر "تفسیر حقانی" میں اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:

> اور صبح، شام اپنے رب کو دل میں گڑ گڑا کر اور ڈر ڈر کر نہ کہ چلا کر یاد کیا کرو اور وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ کے تحت لکھتے ہیں اور اپنی نماز نہ تو چلا کر پڑھا کرو اور نہ چپکے سے بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کرو (سورۃ اعراف اور سورت اسراء)۔

رئیس المحدثین والمفسرین حضرت شیخ الھند محمود الحسنؒ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

> اور یاد کرتا رہ اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو۔ اس کے حاشیہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں اس لئے زیادہ چلانے کی ممانعت آئی ہے دھیمی آواز سے سراً یا جہراً خدا کا ذکر کرے (تفسیر عثمانی: ۲۲۴ مطبوعہ مدینہ منورہ)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کے تحت لکھتے ہیں کہ:

> "زور کے نسبت کم آواز کے ساتھ"۔ پھر لکھتے ہیں کہ: حاصل ادب یہ ہے کہ دل اور ہیئت میں تذلل اور خوف ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر مفرط نہ ہو یا تو بالکل آہستہ ہو یعنی مع حرکت لسانی کے اور یا جہر معتدل ہو جہر فی نفسہ ممنوع نہیں ہے۔ جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے مراد اس سے مفرط ہے۔ البتہ اگر کسی عارض کی وجہ سے مثل رفع خطرات یا رفع قساوت و تحصیل رقت وغیرہ ان شرائط کے ساتھ ہو کہ کسی شیخ محقق نے تجویز کیا ہو۔ اور کسی نائم یا مصلی کو تشویش نہ ہو اس جہر کو قربت نہ جانتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت

---

[1] دیکھیے تفصیل کیلئے تفسیر جلالین تفسیر المراغی، جلد ۳ ص ۱۵۴، تفسیر جمل تفسیر خازن، امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور حافظ ابن تیمیہؒ کی تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر۔ اس طرح ان فقہاء کی کتابوں میں اس کی تفصیلی بحث مل سکتی ہے جنہوں نے ذکر جہر پر ہر طرح تفصیل سے کلام کیا ہے۔

ہے کیونکہ جو مفاسد نہی کے تھے وہ اس میں نہیں (واللہ اعلم) (بیان القرآن ص ۳۶۴)۔

حضرت تھانویؒ جہر مفرط کو شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف صرف اس جہر مفرط میں ہے جہاں جہر مفرط بلا ضرورت ہو۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ:

> دون الجهر من القول: زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ یعنی ذکر اللہ میں مشغول ہونے والے کو یہ بھی اختیار ہے آواز سے ذکر کرے مگر ادب یہ ہے کہ بہت زور سے چیخ کر نہ کرے متوسط آواز کے ساتھ کرے جس میں ادب و احترام ملحوظ رہے (معارف القرآن، ج۴، ص۱۶۶)۔

یہ چند حوالے آپ کے سامنے ہیں اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اختلاف جہر معتدل میں نہیں بلکہ بلا ضرورت جہر مفرط میں اور بوقت ضرورت اور مصلحت مثلاً اذان یا دشمن کو مرعوب کرنے کیلئے یا مسلمانوں کو جوش دلانے کے لئے اور اظہار دین کی وجہ سے جہر شدید بھی بلا کراہت جائز ہے۔ جس نے بھی ذکر جہر کے مسئلہ پر تفصیلی نظر ڈالی اور اس میں خوب تحقیق کی وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ جہر متعدل قرآن و حدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے اور اس کے جواز پر صحابہ کرام اور اسلاف و اخلاف کا اجماع ہے۔

چنانچہ علامہ شیخ اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں کہ:

> وبالجملة ان المختار عند الا خيار ان المبالغة والا ستقصاء في رفع الصوت بالتكبير في الصلاة و نحوه مكروه، والحالة الوسطى بين الجهر والاخفاء مع التضرع والتذلل والاستكانة الخالية عن الرياء جائز غير مكروه باتفاق العلماء كذافي انوار المشارق وقد سبق من شارح الكشاف ان الشيخ المرشد قد يا مر المبتدى بر فع الصوت لتقلع من قلبه الخواطر الراسخة فيه: بالجملہ اخیار علماء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ آواز میں مبالغہ اور انتہائی زور کے ساتھ نماز میں تکبیر وغیرہ مکروہ ہے۔ اور تضرع و تذلل اور عاجزی کے ساتھ جہر اور اخفاء کے درمیانی حالت (جہر معتدل) جو ریاء سے خالی ہو باتفاق علماء بلا کسی کراہت کے جائز ہے جیسا کہ مشارق الانوار میں ہے۔ اور پہلے شارح کشاف کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ شیخ مرشد کبھی مبتدی کو رفع الصوت (جہر شدید) کا حکم دیتا ہے تا کہ اس کے دل

کے اندر جو وساوس راسخ ہو چکے ہیں وہ نکل جائیں۔(تنویر الاذھان من تفسیر روح البیان ج اص ۵۹۶)۔

اس عبارت میں علامہؒ نے تین باتیں بتلائیں۔

(الف) کہ علماء اخیار کے نزدیک بلند آواز میں مبالغہ اور انتہائی زور لگانا (یعنی جہر مفرط) مکروہ ہے۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض کے نزدیک جہر مفرط جب تک خود ذاکر کے لئے یا کسی اور کے لئے ضرر کا سبب نہ بنے تو بلاضرورت بھی جائز ہے جیسا کہ علامہ حقیؒ نے ایک دوسری جگہ اس پر مظہر کا حوالہ نقل کیا ہے اور بتایا کہ جہر (یعنی جہر شدید) کی وجہ سے قیامت میں گواہ زیادہ مل جاتے ہیں۔دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے اور آس پاس کے گھروں، دکانوں میں جو لوگ رہتے ہیں ان کو ذکر کی برکت پہنچتی ہے وغیرہ جیسے فوائد بیان کئے پھر اس کے بعد ذکر جہر افضل ہے یا خفی اس پر بحث کی ہے۔اور اس میں تقریباً اسی طرح کی تفصیل کی ہے جو کہ علامہ خیر الدین رملیؒ اور نوویؒ وغیرہ کی ہے، اور اس پر علامہ صابونی جو کہ جامعہ مکہ مکرمہ کے استاد ہیں انکی تائید بھی حاشیہ میں موجود ہے (تنویر الاذھان، ج ا ص ۳۰۵ تا ۳۰۶) البتہ بہت سے علماء اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ بلاضرورت جہر مفرط مکروہ ہے اگرچہ اس کے اس جہر شدید سے کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔

(ب) دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوگئی کہ جہر معتدل کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔اور علامہ شعرانیؒ نے جہر کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ اسکے جواز پر تمام علماء کا اجماع ہے اس سے بھی ان کی مراد یہی جہر معتدل ہے: اجمع العلماء سلفاو خلفا علی استحباب ذکر اللّٰہ تعالیٰ جماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم بالذکر علی نائم اومصلی اوقاری :بغیر کسی انکار (اور اختلاف) کے تمام متقدمین اور متاخرین کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحب ہے الا یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے کی نیند میں یا نماز پڑھنے والے کی نماز میں یا قرات کرنے والے کی قرات میں خلل آئے (شامی، جلدا ص ۴۴۴)۔

(ج) تیسری بات علامہ حقیؒ کی عبارت سے یہ معلوم ہوئی کہ کسی ضرورت کے تحت جس میں علاج اور وساوس وغیرہ کو دور کرنا بھی شامل ہے ان علماء کے نزدیک بھی جہر شدید جائز ہے جو بلا

وجہ جہر شدید کے قائل نہیں۔

عصر حاضر کے جیّد علماء ومفتیان کی تحقیق:

عصر حاضر حاضر کے جید مفتی حضرات جیسے مفتی عبدالستار صاحب زید مجدھم وغیرہ کی تحریرات سے تقریباً یہی کچھ معلوم ہوتا ہے ان کے چند اقتباسات یہاں نقل کردیتا ہوں۔

سوال: رفع الصوت کے ساتھ ذکر کرنے کو بعض فقہاء نے منع کیا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ معتدل جہر اور "رفع الصوت" میں فرق ہے رفع الصوت جہر مفرط کی قبیل سے ہے جو ممنوع ہے اور جہر معتدل منع نہیں۔

سوال: مذاہب اربعہ کے علماء نے نماز کے بعد ذکر بالجھر کو منع کیا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ علماء کا یہ فیصلہ نماز کے بعد متصل ذکر بالجھر کے مسنون نہ ہونے کے بارے میں ہے۔ علی الاطلاق ذکر بالجہر کی ممانعت کے متعلق نہیں چنانچہ علامہ نووی شافعی علامہ جلال الدین سیوطیؒ شافعی امام شعرانیؒ شافعی، علامہ شامی حنفیؒ وغیرہ حضرات نے احادیث ذکر میں تطبیق دیتے ہوئے ذکر بالجہر کو جائز لکھا ہے۔ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:"الحاصل ذکر کی چار اقسام ہیں، قلبی، ذکر لسانی خفی مسموع النفسہ، جہر معتدل، اور مفرط، ان میں سے صرف "جھر مفرط " "لایحب المعتدین" کے تحت داخل ہے جہر معتدل اعتداء میں داخل نہیں ورنہ حضرات انبیاء علیہم صلوۃ والسلام اور خود آنحضرت ﷺ سے مرضی خداوندی کے خلاف کرنا کیسے متصور ہوسکتا ہے نیز لکھتے ہیں کہ:واضح رہے کہ جو بعض روایات سے ذکر جہر کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ روایات جہر مفرط یا جہر موذی پر محمول ہیں بلکہ قساوت قلبی کے علاج کی غرض سے اگر شیخ جہر مفرط تجویز کردے تو علاجاً اس کی بھی اجازت ہے لیکن ایسی جگہ کیا جائے جہاں کسی کی نماز، تلاوت یا نیند وغیرہ میں خلل نہ آئے (خیرالفتاوی ج ۲ ص ۷۰۳ تا ۷۱۵)۔

خیر المدارس کے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب سے جہر کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب یوں دیا:۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بلا اختلاف جائز ہے بلکہ مستحب ہے البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہوجائیگا مثلاً نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو یا ریاء

کاری کا خوف ہو تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہیے؛ (اس جواب پر حضرت مفتی عبدالستار دامت برکاتہم نے بھی لکھا ہے کہ الجواب صحیح اور یہ فتوی بندہ کے پاس موجود ہے)

صوبہ سرحد کی عظیم علمی شخصیت حضرت علامہ محمد آمین صاحب اورکزئی شاہو وام دامت برکاتہم سے ذکر جہر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے مفصل جواب بھیجا اس میں انہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ؛

جہاں کوئی کیفیت منصوص نہ ہو تو وہاں دونوں جائز ہیں بشرطیکہ موانع نہ ہوں مثلاً بطور ریاء سمعہ کے نہ ہو کسی نائم مصلی ذاکر و غیر ہم کو اذیت نہ پہنچائے کیفیت کو قربت مقصودہ نہ بنائے تارک پر نکیر نہ کرے جہر میں افراط نہ ہو مظنہ فتنہ عوام نہ ہو ایسی صورت میں جواز سر و جہر پر اجماع و اتفاق کے بعد افضلیت میں اختلاف ہے بعض اہل علم نے جہر کو افضل کہا اور بعض نے سر کو اور یہ اختلاف دراصل اذواق اور ملاحظہ کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔ (یہ فتوی بندہ کے پاس موجود ہے اور یہی فتوی تھا جس کو پڑھ کر بندہ نے از خود تحقیق شروع کی اور بالآخر میں بھی اسی نتیجہ پر پہنچا جو انہوں نے لکھا تھا)۔

قرآن مجید کی آیتیں اور ذکر جہری:

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں کثرت ذکر کا حکم دیا گیا ہے اور ان آیتوں میں جہر اور سر کا کوئی تعین نہیں فرمایا بلکہ مطلق حکم دیدیا گیا ہے کہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ تو کثرت اس وقت متحقق ہو گی جبکہ ذکر الٰہی ہر صورت میں کیا جائے خواہ جہراً ہو یا سراً ہو کھڑے ہونے کی حالت میں ہو یا بیٹھے یا لیٹنے کی حالت میں ہو خواہ قلباً ہو یا قولاً ہو یا عملاً ہو۔ اگر کسی ایک حالت یا کسی ایک صورت کے ساتھ ذکر کو مخصوص اور مقید کیا جائے تو یہ خود کثرت ذکر سے روکنے کے مترادف ہے کیونکہ انسان کی طبیعت یہ ہے کہ وہ ایک قسم کے عمل سے تنگ ہو جاتا ہے اس لئے جس صورت سے اکتا جاتا ہے دوسری صورت کو اختیار کر لیتا ہے وہ کبھی ذکر جہر کرتا ہے اور کبھی سر کرتا ہے۔

ذکر کے متعلق قرآن مجید کی مطلق آیتیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح، شام اس کی تسبیح کرتے رہو (احزاب آیت ۴۱-۴۲)۔

جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پوچھا گیا کہ جہر افضل ہے یا خفی؟ تو انہوں نے اس آیت سے استدلال

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: دونوں میں فضیلت ہے من وجہ کسی وجہ سے جہر افضل ہے اور بعض وجہ سے خفی افضل ہے اور دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مطلق ذکر کا حکم فرمایا ہے "اُذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا" مطلق کے فرد میں جو بھی ہو وہ مامور ہے۔ اور فضائل خارجی مختلف ہوتے ہیں باعتبار ذکر اور وقت، کیفیت اور ثمرات کے۔ فقط واللہ اعلم (فتاوی رشیدیہ میں ۵۹۷)۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ: پھر جب تم نماز (خوف) پوری کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو (سورۃ النساء آیت ۱۰۳)۔

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد صرف نماز کی حالت پر موقوف نہیں بلکہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیے۔ اس آیت کے متعلق در منثور میں حضرت عبداللہؓ سے ایک روایت موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ بات پہنچی کہ ایک قوم کھڑے ہو کر ذکر کرتی ہے تو ان کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا کہ یہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ:

انما هذه اذا لم يستطع الرجل ان يصلي قائماً صلى قاعداً: اس آیت کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ جب کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو بیٹھ کر پڑھے (در منثور، ج ۲ ص ۲۱۵ بحوالہ ابن ابی شیبہ)۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر بالکل افتراء ہے کیونکہ آیت کریمہ میں صاف طور پر یہ موجود ہے کہ جب نماز پوری کر چکو تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ کھڑے ہو یا بیٹھ کر ہو لیٹ کر ہو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو تو اتنے صاف صاف بیان کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے ذکر کا جو حکم ہے وہ نماز کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر صاف بہتان ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تو ایسے صحابی نہیں کہ وہ قرآن مجید کے اس قدر صاف صاف بیان کو بھی نہ سمجھ سکیں۔

البتہ ایک دوسری آیت ایسی ہے کہ جس کے متعلق بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس میں صحت مند اور معذور کی نماز کے احکام ہیں وہ آیت کریمہ یہ ہے "اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: وہ جو کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے کھڑے ہوں، بیٹھے

ہوں، لیٹے ہوں اور جو آسمان و زمین کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں" (آل عمران آیت ۱۹۱)۔ اسی آیت میں چونکہ نماز سے فراغت اور نماز پورا کر چکنے کا کوئی بیان نہیں اس لئے اس سے بعض مفسرین یہ مسئلہ معلوم کرتے ہیں کہ جب کھڑے ہو کر نماز کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھا کرو اور بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹے لیٹے پڑھ لیا کرو۔ اگر چہ اس آیت کے حکم میں معذور کی نماز بھی شامل ہے اور اس لئے بعض مفسرین نے اسی آیت سے معذور کی نماز کا استنباط کیا ہے لیکن اس آیت کو صرف نماز کے ساتھ خاص کرنا بھی بہت بعید نظر آتا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی شاید اس آیت سے معذور کی نماز کا استنباط کیا ہوگا اور انہوں نے اسی آل عمران کے تحت اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے؛

انما هذه في الصلوة اذا لم يستطع قائماً فقاعداً وان لم يستطع قاعداً فعلىٰ جنبه : یہ حکم نماز کے بارے میں نازل ہوا ہے جب کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور اگر بیٹھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھے (درمنثور ج ۲ ص ۱۱۰)۔

غرض یہ کہ اس تفسیر کا تعلق سورت نساء والی ایت فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ "پھر جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ" کے ساتھ جوڑنا بہت مشکل ہے اور ایک جلیل القدر صحابی سے اسی طرح کی تفسیر منسوب کرنا صریح بہتان یا غلط فہمی ہو سکتی ہے شاید کسی نے کھڑے ذکر جہر کیا ہو جو کسی اور نے سنا ہو تو اس نے سورت آل عمران کی تفسیر کو یہاں چسپاں کیا ہو جس سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا دامن پاک ہے۔ سورت نساء کی اسی آیت "اِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ" کے تحت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت کیا گیا ہے؛

بالليل والنهار في البر والبحر وفي السفر والحضر والغنى والفقر والسقم والصحة والسر والعلانية وعلى كل حال: رات اور دن میں خشکی اور سمندر میں سفر میں حضر میں غنی اور فقر میں بیماری اور صحت میں سرا ہو یا علانیہ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو) (درمنثور، ج ۲، ص ۲۱۴ تا ۲۱۵)۔

قرآن مجید میں بعض آیتیں ایسی ہیں جن سے ذکر جہری صراحتاً یا کنایتاً یا اشارۃً ثابت ہوتا ہے:

قرآن مجید میں بعض آیات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے دعا اور ذکر جہری صراحتاً یا کنایتاً یا اشارۃً ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَاتُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا: اور اپنی نماز (اور دُعا) نہ بہت زیادہ بلند آواز کیساتھ پڑھو اور نہ زیادہ پست آواز کے ساتھ ان دونوں کے درمیان کی راہ اختیار کرلو (اسراء آیت ۱۱۰)۔

اس آیت کریمہ میں صراحتاً جہر متوسط اور درمیانی انداز میں جہر کا حکم ہے۔

فَاِذَاقَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآئَكُمْ اَوْاَشَدَّذِكْرًا ط فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِمِنْ خَلَاقٍ ٥ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ: پھر جب تم حج کے ارکان پورے کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو اسی طرح یاد کرو جیسا کہ تم اپنے اباؤ اجداد کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی شدت کے ساتھ ذکر کرو ط پس کچھ تو ایسے ہیں (جو صرف دنیا ہی کے پجاری ہیں اور اللہ تعالیٰ سے صرف یہ سوال کرتے ہیں) اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا ہی میں (سب کچھ) دیدیں پس آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں (سورت بقرہ آیت ۲۰۰ تا ۲۰۱)۔

اس آیت کریمہ کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں کفار و مشرکین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حج ہو جانے کے بعد اپنے باپ دادا کی بڑائیاں بیان کرتے تھے اور ان کے کارناموں کو فخریہ انداز میں پیش کیا کرتے تھے تو اس آیت کی تعلیم یہ ہے کہ باپ دادا کی بڑائی بیان کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت اور اس کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ اور بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور باپ کو جس رغبت اور محبت کے ساتھ یاد کرتے تھے جیسا کہ بچہ نیا نیا بولتا ہے تو ابا ابا ہی بار بار شوق اور محبت کے انداز میں کہتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد بھی اسی طرح کے محبت اور شوق کے انداز میں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبت اور شوق کے انداز میں کیا کرو۔ ان دونوں تفسیروں کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل ذکر جہر سے ہو سکتی ہے اور اس آیت کریمہ کے تحت علامہ قاضی پانی پتیؒ نے جو یہ لکھا ہے کہ: "لیس فیه التشبیه فی الجهر بل فی اکثار الذکر: اس میں تشبیہ جہر میں نہیں بلکہ کثرت سے ذکر کرنے میں ہے" (تفسیر مظہری، ج

۳،ص ۳۶۱) یہ ان کی اپنی رائے ہے جس پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی آخر وہ کون سی وجہ ہے جس کی وجہ سے صرف کثرت ذکر تو مراد لیا جائے اور جہر پر اس سے کوئی استدلال روا نہ رکھا جائے بلکہ اسی آیت کی دونوں تفسیروں میں جو منقول ہے دونوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کثرت کے ساتھ جہر بھی مراد لیا جا سکتا ہے اس کی چند وجوہ یہ ہیں۔

آباؤ اجداد کی بڑائیاں اور کارناموں کا فخر یہ بیان اس لئے ہوتا ہے کہ دوسروں کو سنائیں تو آیت کریمہ میں آباؤ اجداد کے ذکر کے ساتھ تشبیہ دینے سے صرف کثرت لے لینا اور جہر کو نظر انداز کرنے کی دلیل کیا ہے ؟ جبکہ دوسری طرف واضح دلیل اور خود نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عمل بھی موجود ہے۔

دوسری تفسیر جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے جیسے بچے والدین کو یاد کرتے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں اور اس تفسیر پر آیت کا بعد والا حصہ بھی دلیل ہے جیسا کہ اس کے فوراً بعد " فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ : پھر بعض لوگ ایسے ہیں کہ کہتے ہیں" رَبَّنَآ : اے ہمارے پروردگار"۔تو اس تفسیر کے رو سے بھی تبعاً جہر ثابت ہوتا ہے کیونکہ جس ذوق وشوق سے ابو، ابو یا ابا، ابا کہتے ہیں وہ جہراً کہتے ہیں نہ کہ چپکے چپکے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں "اکثر" کے بجائے "اشد" کا لفظ آیا ہے اور اشد کے اصل معنی قوت، مضبوط، سخت زور دینے وغیرہ کے ہیں اور قرآن مجید میں یہ لفظ انہی معنوں کے لئے مستعمل ہے اس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

(الف)　اشد ماتجدون ...... بہت سخت سردی جو تم پاتے ہو۔

(ب)　اشد العذاب ...... بہت سخت عذاب۔

(ج)　یبلغ اشدہ ...... اپنے زور تک پہنچے (یعنی جب اپنے زور اور قوت کے زمانے کو پہنچے)۔

(د)　والذین معه اَشِدَّآءُ علی الکفار ...... اور جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں کفار کے مقابلے میں مضبوط ہیں۔

بہر حال یہاں "اَشَد" کا لفظ آیا جس کے معنی بہت زیادہ قوت اور بہت زیادہ مضبوطی کے ہیں اس میں اگرچہ کثرت اور زیادتی کے معنی موجود ہیں اس لئے مفسرین نے اَشَد کے معنی اکثر سے کئے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کثرت میں جہر کی نفی ہے اور آیت کا جو صحیح مطلب سامنے آرہا ہے وہ دونوں تفسیروں کے رو سے یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اس کی عظمت تو اس سے بھی زیادہ قوت ومحبت کے ساتھ بیان کرو۔

حق یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مناسک حج سے فراغت کے بعد لوگوں پر تفریحات اور دلچسپیوں کا نشہ

طاری ہوتا تھا جس طرح اس زمانے میں لوگ عیدوں کے موقع پر چراغاں کرتے ہیں پکنک کے پروگرام بناتے ہیں ۔شعری و شاعری کی مجلس منعقد کرتے ہیں اس طرح جاہلیت میں لوگ مناسک حج سے فراغت کے بعد شعری و شاعری کی مجلس منعقد کرتے تھے خاص قیام منیٰ کے دن تو انہی چیزوں کیلئے خاص ہو کر رہ گئے تھے۔شعراء، خطباء اور مقررین اپنے اپنے قبیلوں اور اپنے آباؤ اجداد کی مفاخرانہ نظم و نثر بیان کرتے تھے اور اشعار و بیانات میں ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔قرآن مجید نے اس لغویت کی بھی اصلاح فرمائی اور اس کی جگہ اس سے زیادہ اہتمام اور اس سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کی ہدایت فرمائی اس لئے یہاں کثرت ذکر کے بجائے شدت ذکر لایا اور ذکر میں شدت اور جوش و خروش اس وقت منظر عام پر آسکتا ہے کہ ذکر جہر کو اختیار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے نام اور تہلیل و تکبیر کا برسر عام اعلان کیا جائے اور اس کی عملی تفسیر خود نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ نے علانیہ تکبیرات اور تحمید و تہلیل کی گونج سے دنیا کے سامنے پیش کی۔

بہر حال" اشـد ذکـراً " کے ضمن میں جہر بھی آجاتا ہے اور اس آیت کریمہ سے ذکر جہری ضمناً اور تبعاً ثابت ہوتا ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ذکر جہر کے ثبوت میں دوسرے دلائل کے ساتھ اس آیت کریمہ کو بھی پیش کیا ہے (اشعة اللّمعات، ج ۲، ص ۲۷۸)۔

> وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَاللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَااسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَاط اُولٰٓئِكَ مَاكَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ط لَهُمْ فِی الدُّنْیَاخِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ: اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر سے روک لے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے ایسے لوگوں کو مناسب نہیں تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوں مگر ڈرتے ڈرتے ان کیلئے دنیا میں (بھی) بڑی ذلت ہے اور ان کیلئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے (بقرہ ۱۱۴)۔

یہ آیت کریمہ اگرچہ کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی کہ وہ مسجدوں میں ذکر و عبادت اور نماز وغیرہ سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن ضمناً اس تنبیہ میں وہ لوگ آسکتے ہیں جو لوگوں کو مسجدوں میں ذکر الٰہی نماز و تلاوت وغیرہ کے روکنے کا سبب بن جاتے ہوں۔ مثلاً کوئی بہت زور زور سے تلاوت کرتا ہے کہ پاس رہنے والا نماز نہ پڑھ سکے تو گویا یہ اپنے عمل سے نماز سے روک رہا ہے یا کوئی ذکر کر رہا ہے تلاوت کر رہا ہے تو کوئی وہاں زور زور سے باتیں کرنے لگے نیز اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی بلا وجہ کسی کو جہری ذکر یا تلاوت سے روک دے اور اس پر لعن طعن کرے اور یہاں اللہ تعالیٰ کے نام لئے جانے سے روکنے کی تنبیہ آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر "اللـه

اللہ" بھی ہے اس کا ذکر لا الہ الا اللہ بھی ہے۔ تسبیح و تہلیل بھی، اس کا نام نمازوں میں بھی لیا جاتا ہے اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت بھی داخل ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام لینے سے منع اس وقت کیا جائیگا جبکہ کسی کو معلوم ہو مثلاً کوئی جہراً ذکر کرتا ہو یا تلاوت کرتا ہو یا عمل سے مثلاً کوئی نماز پڑھ رہا ہو۔ ورنہ اگر نہ آواز سننے میں آئے اور نہ عمل دیکھنے میں تو پھر منع کرنا کیسا ہوگا۔ اس لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مجوزین کے دلائل میں اسی آیت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: ظاہر ہے کہ منع ذکر بدون اطلاع ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۱۵۲)۔

انبیاء علیہم السلام کی بہت سی دُعائیں لفظ نداء یعنی" ربنا "رب کے ساتھ قرآن مجید میں نقل کی گئی ہیں اور لغوی لحاظ سے اگر لفظ نداء کو بلا کسی قید کے ذکر کئے جائیں تو اس سے مراد جہر ہی لیا جا سکتا ہے اور نداء کا ادنیٰ مصداق جہر معتدل ہے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام دُعا کرتے ہیں:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا سكتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ: ان دونوں نے دعا کی: اے ہمارے پروردگار: ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کرے تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے (اعراف ۲۳)۔

یہاں دونوں نے ایک ساتھ دُعا کی جیسا کہ "قَالَا" کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ایک دُعا بطور مثال پیش کی گئی ورنہ کئی جگہ اسی لفظ نداء کے ساتھ آپ کو انبیاء علیہم السلام کی دُعائیں ملیں گی۔ اور جہاں کسی نے خفیہ چھپ کر نداء کی تو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نداء کے ساتھ "خَفِيًّا" کی قید بھی بڑھادی جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگا ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ○ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا: جب زکریا نے خفیہ طور پر اپنے پروردگار کو پکارا، اس نے عرض کی اے میرے رب میری حالت یہ ہے کہ میری ہڈیاں کمزور، بوسیدہ ہوگئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی وجہ سے بالکل سفید ہوگیا ہے اے پروردگار اب تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اور میں محروم رہا ہوں (سورۃ مریم کی ابتدائی آیتیں)۔

ان آیتوں میں جب " اے میرے پروردگار " کہہ کر دُعا کی اور یہاں چونکہ پکار خفیہ تھی اس لئے نداء کے ساتھ "خَفِيًّا " کا لفظ بڑھادیا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے خفیہ طور پر اللہ پاک کو کیوں پکارا؟ مفسرین اس

کی چند وجوہات بیان فرماتے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

(الف) خفیہ دُعا میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے اور زیادتی اخلاص کی وجہ سے قبولیت کی زیادہ امید کی جا سکتی ہے، یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جس قدر اخلاص اور حسن ظن زیادہ ہو جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے الفاظ دُعا سے واضح ہے لیکن چپکے آواز میں دُعا مانگنا اخلاص کیلئے لازم نہیں کیونکہ لوگوں کے سامنے ہاتھ اٹھانا خود بھی علانیہ دُعا میں شامل ہے اگرچہ زبان سے کچھ بھی نہ کہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا۔

(ب) دُعا اس لئے خفیہ کی کہ نماز میں تھے اور نماز کے اندر انہوں نے دل کی گہرائیوں سے آواز نکالی لیکن زبان پر الفاظ نہ لائے اور اس کی وجہ وہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ دُعا کی قبولیت کی نداء ان کو محراب میں آ گئی، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ محراب اور جائے عبادت ہی میں بیٹھے یا کھڑے ہوں اور نماز کی حالت میں ہی دُعا مانگی ہو بلکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ دُعا انہوں نے اس وقت مانگی تھی جب کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیھا السلام کے ہاں رزق وطعام دیکھا اور آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آئے تو حضرت مریم علیھا السلام نے جواب میں عرض کیا کہ: قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ج قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ج اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ : حضرت مریم کہتی ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ اسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دُعا مانگی، اے میرے رب! تو اپنے خاص فضل سے مجھے پاک اولاد عطا فرما بلاشبہ تو ہی دُعائیں سننے والا (اور دُعائیں قبول کرنے والا ہے) (آل عمران ۳۷تا۳۹)۔

اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کو فرشتے نے نداء دی اور صالح بیٹے کی بشارت دی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وہاں دعا مانگی جہاں آپ نے حضرت مریم علیھا السلام پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم دیکھ لیا اور ان کو دُعا کی قبولیت کی اطلاع بھی وہاں آئی واللہ اعلم۔

(ج) دُعا اس لئے چھپ کر مانگی کہ بیوی بھی بوڑھی بانجھ تھی اور آپ بھی سخت بوڑھے تھے، خیال آیا کہ ایسے وقت میں بیٹے کا سوال لوگوں کو عجیب معلوم ہوگا اور ان کے لئے مسخرہ اور مذاق

اڑانے کا سبب بن سکتا تھا۔لہذا اس لئے لوگوں سے چھپ کر اللہ تعالیٰ کو پکارا خفیہ دُعا کی یعنی لوگوں سے الگ ہو کر تنہائی میں دُعا کی تو ایسی صورت میں نداء بھی صحیح ہوئی کہ جہراً دُعا کی اور لفظ خفیہ بھی صحیح ہوا کہ لوگوں سے چھپ کر اللہ تعالیٰ کو پکارا۔

(د) چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی کہ دُعا تو پورے زور اور قوت سے کی لیکن بڑھاپے کی وجہ سے ان کی آواز اس قدر پست ہو چکی تھی کہ اس پر خفی دُعا کا اطلاق ہو سکتا تھا۔لہذا ایسی صورت میں بھی لفظ نداء بھی صحیح ہوا کہ نداء تو کی لیکن ضعف اور کمزوری کی وجہ سے ان کی آواز بہت ہی پست ہو چکی تھی جیسا کہ ان کے اپنے الفاظ اس پر دلیل ہیں کہ میری ہڈیاں بوسیدہ اور گھل گئی ہیں اور میرے سر کے بال بڑھاپے کیوجہ سے بالکل سفید ہو گئے شاید اس لئے حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اخفاء کبھی آواز کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ قریب کے لوگ سن لیتے ہیں تو یہ بھی اخفاء ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جہری دُعا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا مانگی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی اور وہ یہ دُعا ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا" ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب وزینت کی چیزیں اور مال ودولت کی شوکتیں بخشی ہیں، اے ہمارے پروردگار کیا یہ اس لئے کہ تیری راہ سے یہ لوگوں کو بھٹکائیں، اے ہمارے پروردگار ان کی دولت غارت کردے اور ان کے دلوں پر مہر لگادیں کہ یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں"۔اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کے جواب میں فرمایا؛" قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا : اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دُعا قبول کی گئی پس (راہ حق پر) تم دونوں ثابت قدم رہو" (یونس، ۸۸تا۸۹)۔ اس دُعا کے متعلق اللہ تعالیٰ پہلے فرماتے ہیں کہ "قَالَ مُوسٰی :موسیٰ نے دُعا مانگی" پھر دُعا کے جواب میں فرمایا کہ " تم دونوں کی دُعا قبول کی گئی" جس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہراً دُعا کی حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔

قرآن مجید میں جہری دعا کی تعلیم:

رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: (اے پیغمبر ﷺ) آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کرانہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کیلئے دعائے خیر کریں، بے شک تمہاری دعا ان کے لئے تسکین کا باعث ہے (سورۃ توبہ،۱۰۳)۔

یہاں فرمایا کہ تم ان کیلئے دعا کرو اور تمہاری دعا ان کیلئے دلوں کی راحت وسکون کا سبب بنتی ہے تو یہاں دعا جہراً ہی ہوگی، ورنہ جب تک دعا کو نہ سنا جائے تو وہ راحت وسکون اور خوشی کا سبب کیسے بنے گی؟۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر جہر:

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ط كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ: بے شک ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر رکھا تھا کہ وہ ان کے ساتھ (شریک ہوکر) اشراق اور شام کے وقت تسبیح کیا کریں اور (اسی طرح) پرندوں کو (مسخر کر رکھا تھا) وہ بھی (تسبیح کرنے کیلئے ان کے پاس آکر) جمع ہو جاتے تھے اور یہ سب (پہاڑ اور پرندے وغیرہ) اس کے (یعنی اللہ تعالیٰ کے) فرمانبردار تھے (سورۃ ص،۱۸اور۱۹)۔

ان آیتوں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ " اِنَّهٗ اَوَّابٌ: بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا" اور ان آیتوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی اوابیت اور رجوع الی اللہ کی وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی قوت اور سلطنت دی تھی مگر ان کا حال یہ تھا کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے اور صبح وشام پہاڑ کے دامن میں بیٹھ کر اتنے ذوق وشوق اور وجد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح کرتے اور اپنے خاص لحن میں زبور کے منظوم الفاظ کو پڑھتے کہ پورا ماحول ان کا ہم آواز ہو جاتا تھا درخت اور پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح وذکر میں شامل ہو جاتے تھے اور پرندے بھی جھنڈ کے جھنڈ جمع ہوکر ان کے سُر میں اپنا سُر ملاتے اللہ تعالیٰ نے ان کی پرسوز آواز اور ان کی دردمندی میں ایسی تاثیر وتسخیر رکھی تھی کہ دشت وجبل چرند وپرند سب ذکر ومناجات کیلئے ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے اور ان کے اردگرد پوری فضا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے گونج

اٹھتی تھی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے لیکن ہمارے نہ سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی بھی ان کو نہیں سمجھتا۔حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح پہاڑوں کو موم کرنے والا اور پرندوں کو جذب کر لینے والا سوز ولحن بخشا تھا اسی طرح ان کو وہ شنوائی بھی عطا فرمائی تھی، کہ وہ ان چیزوں کی تسبیح و مناجات کو سمجھ سکیں۔ بہرحال ان آیتوں سے بھی یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ حضرت داؤد علیہ السلام ذکر، حمد وتسبیح اور مناجات جہراً بھی کرتے تھے اور پہاڑ، چرند پرند وغیرہ مل کر ان کے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے اور اس سے اجتماعی ذکر کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بعد اب نبی کریم ﷺ کی ان احادیث کو پڑھ لیجئے جن سے جہری ذکرودعا ثابت ہوتی ہے۔

دُعا وتلاوت اور ذکر جہر کے حق میں نبی کریم ﷺ کے عمل اور ارشادات:

نبی کریم ﷺ کے عمل اور ارشادات میں جہری دعا اور ذکر کے متعلق اس قدر عظیم ذخیرہ موجود ہے کہ اگر اس کو لکھا جائے تو صرف نبی کریم ﷺ کی دعاؤں اور ارشادات سے ایک ضخیم کتاب بن جاتی ہے اور نبی کریم ﷺ سے جس قدر دعائیں اذکار منقول ہیں وہ آپ ﷺ نے جہراً ہی کیے تھے اسلئے تو اوروں نے نقل کیے ہیں اور ان تمام کے متعلق یہ بات کہنا کہ یہ صرف تعلیم کیلئے تھیں[1]۔ تاکہ لوگ سیکھ جائیں یہ صحیح نہیں بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدود کے اندر اندر جہراً ذکر او دعائیں بھی جائز ہیں۔اس لئے یہاں صرف تلاوت قرآن اور اس قسم کی دعاؤں اور اذکار کو نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو دعائیں اور اذکار نبی کریم ﷺ بار بار جہراً پڑھ چکے ہیں یا سن چکے ہیں اور آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا یا خود سنانے کا مطالبہ کیا ہو۔

جہری تلاوت:

حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لِشیءٍ ما اذن للنبی حسن الصوت بالقرآن یجھر بہ: اللہ تعالیٰ جس طرح (پسندیدگی کے ساتھ) نبی کریم ﷺ کی آواز کو سنتا ہے جبکہ خوش آوازی کیساتھ اور بلند

[1] اس بات پر انشاء اللہ تعالیٰ بندہ خود بھی ایک تبصرہ پیش کرے گا۔

آواز میں قرآن مجید پڑھیں (اس طرح کسی دوسری آواز کو قبول نہیں کرتا) (مشکوٰۃ، کتاب فضائل قرآن بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آواز تو ویسے بھی بہت شیریں ہے مگر جب اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ خوش آوازی کے ساتھ بلند آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یہ آواز جس قدر پسند ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اس آواز کو قبول فرماتا ہے تو اسی طرح کی پسندیدگی اور مقبولیت کسی بھی ایسی چیز کو حاصل نہیں ہوتی جس میں آواز ہوتی ہے اور جو سنی جاتی ہے۔ اس سے جس طرح جہری تلاوت کا واضح ثبوت ملتا ہے اسی طرح دوسرے اذکار کا بھی۔ کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ ورنہ عبارت یوں ہونی چاہیئے کہ قرآن مجید کے سوا کوئی دوسرا ذکر جہر کے ساتھ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور یہاں جو انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس پر غور کریں تو خود معلوم ہو جائے گا کہ ذکر جہری اور جہری دعا جائز ہے۔

نبی کریم ﷺ کا تلاوت کو سننا اور رونا:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس وقت یوں فرمایا جبکہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے:

"اقرأ عليّ: میرے سامنے قرآن شریف کی تلاوت کرو" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کے سامنے قرآن کریم پڑھوں حالانکہ قرآن مجید آپ پر اتارا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِنِّی اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَيْرِی : میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی دوسرے سے قرآن مجید کو سنوں"۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا "فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا : پھر اس (قیامت کے) دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ طلب کریں گے اور ہم تجھے بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کیلئے طلب کریں گے" (النساء، ۴۱) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حسبك الآن: اب آپ رک جاؤ" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ "عيناه تذرفان: آپ ﷺ کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں" (مشکوٰۃ فضائل القرآن بحوالہ بخاری و مسلم)۔

صحابہ کرامؓ کا قرأت کرنا اور سننا:

ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مہاجرین کی جماعت کے پاس گئے جو قرآن مجید پڑھنے میں مشغول تھے آپ ﷺ کو دیکھ کر قاری چپ ہوگیا۔ آپ ﷺ نے سلام کے بعد فرمایا کہ:

تم کیا کر رہے تھے، تو انہوں نے جواب میں عرض کیا: **کنا نسمع الی کتاب اللہ تعالیٰ**: ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) سن رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحمد للہ الذی جعل من امتی من امرت ان اصبر نفسی معھم: تمام ستائشیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے میری امت میں وہ لوگ بھی پیدا فرمائے جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے پاس بیٹھوں (مشکوٰۃ فضائل القرآن بحوالہ ابوداؤد)۔

خوش آوازی اور جہری تلاوت کی ترغیب:

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

زینوا القرآن باصواتکم: قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ذریعہ مزین کرو (مشکوٰۃ بحوالہ احمد ابوداؤد وابن ماجہ و دارمی)۔

اس ارشاد مبارک میں آپ ﷺ نے تجوید، ترتیل اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور خوش آوازی اور تجوید وغیرہ جہر میں ہی ہوتی ہیں۔

تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کی تلاوت:

حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ:

کانت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل یرفع طوراً ویخفض طوراً: رات کی نماز میں نبی کریم ﷺ کی قرأت مختلف ہوتی تھی کبھی تو بلند آواز سے فرماتے تھے اور کبھی پست آواز سے (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل بحوالہ ابوداؤد)۔

یہ بات یاد رہے کہ پست آواز ادنیٰ جہر کو بھی شامل ہے جیسا کہ آئندہ آنے والی حدیثوں سے خود بخود آپ معلوم کر سکتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قرأت اور تلاوتِ قرآن:

حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ رات کے وقت باہر نکلے اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس سے گذرے جو نماز میں پست آواز کے ساتھ تلاوت کررہے تھے اور حضرت عمرؓ کے پاس سے گذرے وہ بھی نماز میں مشغول تھے اور بلند آواز کے ساتھ تلاوت کررہے تھے، جب صبح ہوگئی تو دونوں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکرؓ (آج رات) میں تمہارے پاس سے گذرا تو تم پست[1] آواز کے ساتھ قرآن کریم پڑھ رہے تھے حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں جس سے مناجات کررہا تھا اسے ہی سنارہا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس سے گذرا تھا تم نماز میں بلند آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگارہا تھا اور شیطان کو بھگارہا تھا[2] آپ ﷺ نے دونوں کی باتیں سن کر حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کچھ بلند کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو پہلی آواز کی بہ نسبت ذرا پست کرو (مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد وترمذی)۔

آپ ﷺ نے ان دونوں پر کوئی تنبیہ نہیں فرمائی ان کو یہ نہیں فرمایا کہ تم ناجائز کام کررہے تھے بلکہ رات کی نماز تھی حد اعتدال کی ترغیب دیدی تاکہ جہر کا فائدہ بھی حاصل ہو اور کسی کو تکلیف بھی نہ ہو۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ جس سے ایک سلیم طبع شخص بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ جہر افضل ہے یا سر نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو سنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آواز صرف اس قدر ہو کہ خود سن سکے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جہر سے قاری کو فائدہ ہوگا۔ بعض علماء نے جو یہ فرمایا کہ تلاوتِ قرآن مجید میں جہر اس لئے افضل ہے یا جائز ہے کہ اس میں لوگوں کو تبلیغ مقصود ہوتی ہے تو یہ بات کمزور ہے کیونکہ تہجد میں ایک آدمی تلاوت کرتا ہے تو اس وقت وہ راتوں میں کس کو بیان یا تبلیغ کرتا ہے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا معاملہ اور خود نبی کریم ﷺ کا عمل آپ کے سامنے آچکا ہے کہ راتوں میں کبھی بلند آواز کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور کبھی پست آواز کے ساتھ ایسی صورت

---

1. غور کریں یوں نہیں فرمایا کہ تم تو بالکل چپ ہو کر کھڑے تھے اور کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی بلکہ فرمایا کہ تم نماز پڑھ رہے تھے، تمہاری آواز پست تھی یعنی آواز تو آرہی تھی لیکن پست تھی۔

2. غور کریں حضرت عمرؓ بہت بلند آواز سے قرأت کرتے ہوں گے ورنہ سوتے ہوئے کو جگانا کیسے ہوا۔

میں یہ کہنا کہ تلاوت قرآن سے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں اس لئے اس پر جہر جائز ہے یا افضل ہے یہ کمزور بات ہے بلکہ ذکر ہو یا نفل میں تلاوت وہ انسان اپنے فائدے کیلئے کرتا ہے تاکہ جہر کو خود سن کر چوکنا رہے اس سے اس کا خیال متاثر ہو جایا کرے اور قرأت یا ذکر کی طرف اور اس کے معنی کی طرف دھیان لگ جائے۔

خفیہ اور علانیہ ذکر کی ترغیب اور بندہ کے گمان کے مطابق معاملہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں:

انا عند ظنّ عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسی ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاءٍ ذکرته فی ملاءٍ خیرٍ منهم : میں اپنے بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں بالکل اس کے ساتھ ہوتا ہوں لہذا اگر وہ مجھے اپنی ذات میں (یعنی اکیلا خفیہ طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بندہ اپنے پروردگار کے ساتھ جس قدر حسن ظن رکھتا ہے اس پر جس قدر یقین کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ اس کے یقین اور گمان کے مطابق معاملہ فرماتے ہیں۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اکیلا یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عنائت اور مہربانی بھی اس پر اسی طرح مخفی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات میں یاد کرنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ بازار میں جا رہا ہے کسی کے ساتھ بات کرتا ہے کھڑا یا بیٹھا ہے لیکن دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ اٹکا ہوا ہے۔ اور دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بندہ انفرادی طور پر ذکر کرتا ہے یعنی ایسا ذکر کرتا ہو جس میں دوسروں کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہ پڑتی ہو خواہ ذکر جہری کرتا ہو یا سراً لوگوں کے سامنے کرتا ہو یا خلوت میں لیکن اس کا ذکر فی نفسہٖ یعنی اس کی اپنی ذات کی حد تک محدود ہو، اور اس میں لوگوں کو دکھلاوا مقصود نہ ہو بندہ کے خیال میں یہ دونوں مطلب فی نفسہٖ کے مفہوم میں داخل ہیں یعنی اپنی ذات میں (یعنی اپنی ذات تک محدود ہو کر) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنی ذات کی حد تک یاد کرتا ہے اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں "فی نفسه" کے بجائے "خالیاً" کا لفظ آیا ہے یعنی جب وہ مجھے تنہا اور اکیلا یاد کرتا ہے" (الحاوی للفتاوی، جلد ا، ص ۳۹۱ بحوالہ مسند البزار و البیہقی)۔

نیز علامہ جلال الدین سیوطیؒ کسی حد تک اس خیال سے متفق نظر آتے ہیں جیسا کہ وہ تفسیر حاشیہ

سلیمان الجمل میں "في نفسه" کا مطلب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "ای خالیاً عن الخلق ولو جهراً: (فی نفسہ کا مطلب یہ ہے کہ) مخلوق سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اگر چہ جہراً کیوں نہ ہو" (تفسیر حاشیہ سلیمان الجمل) اور جماعت میں ذکر کرنے کا مطلب دوسروں کے سامنے ذکر کرنا ہے جس میں دعوت وارشاد اور وعظ نصیحت، خطبہ جیسی تمام اجتماعات جس میں دوسروں کی طرف دھیان لگ جانا ضروری ہوتا ہے۔ وہ سب اس میں شامل ہیں، بشرطیکہ اخلاص وللہیت کے ساتھ ہو نیز اس میں اکیلا شخص بھی داخل ہے جو عام غافل لوگوں میں اکیلا اللہ تعالیٰ کا ذکر جہراً کرتا ہے یا لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے تاکہ اور لوگ بھی ذکر اور نماز کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ بھی گویا اپنے عمل سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے کی کوشش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس قدر یاد کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اكثر واذكر الله حتىٰ يقولوا مجنون: اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں (فضائل ذکر ص ۳۷ بحوالہ احمد، ابو یعلیٰ، ابن حبان، حاکم)۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کا ایسا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمہیں ریاء کار کہنے لگیں (فضائل ذکر، ص ۳۷، بحوالہ طبرانی وبیہقی وغیرہ)۔

ان حدیثوں کے فائدہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ لکھتے ہیں کہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں اور بیوقوفوں کے ریاءکار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت کو چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمہارا پیچھا چھوڑ دیں، اور مجنون جب ہی کہا جائے گا، جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے، آہستہ میں یہ بات نہیں ہوسکتی (فضائل ذکر، ص ۳۷ یا ۳۸)۔

مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانیؒ کا ذکر جہری:

حضرت ابن جابرؓ کا بیان ہے کہ:

كان ابومسلم الخولانى يكثر يرفع صوته بالتكبير حتىٰ مع الصبيان وكان يقول اذكر الله حتىٰ يرى الجاهل انك مجنون: حضرت ابو مسلم خولانی[1]

---

[1] ابو مسلم خولانیؒ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں۔

بکثرت بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے یہاں تک کہ بچوں کے ساتھ بھی (مل کر وہ یہ ذکر جہری) کرتے تھے اور وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، یہاں تک کہ جاہل لوگ تم کو دیوانہ سمجھیں (کتاب الزھد للامام احمد بن حنبل، ص ۴۵۸)۔

مسجد میں جہر معتدل بلکہ ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا اور نبی کریم ﷺ کا معمول:

نبی کریم ﷺ کا ذکر و دعا میں کوئی خاص معمول نہیں تھا جہراً سراً دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ یہاں اس کے متعلق چند حدیثوں کو پڑھ لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ؛

> کنت اعرف انقضاء صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير: میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا اختتام تکبیر کی آواز سن کر معلوم کر لیتا تھا (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛

> ان رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فریضہ نماز سے فراغت کے وقت ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنے کا معمول تھا (صحیح بخاری، صحیح مسلم)۔

ان روایتوں سے دو باتیں ثابت ہوگئیں۔ ایک جہراً ذکر کا جواز دوسری بات یہ کہ یہ جہر مسجد کے اندر تھا۔ بعض اسلاف رحمھم اللہ تعالیٰ جن میں سے ایک علامہ ابن حزم ظاہریؒ بھی ہیں ان حدیثوں کی رو سے اس بات کے قائل ہیں کہ فرض نماز کے بعد تکبیر اور ذکر کی گونج ہونی چاہیے اور یہ ان کے نزدیک مستحب اور مسنون ہے۔ نیز عصر حاضر کے جید اور فقیہ عالم اور جامعہ مکہ مکرمہ کے استاذ علامہ شیخ محمد الصابونیؒ، حضرت نوویؒ کی کتاب المنتقی المختار کے حاشیہ میں لکھتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت سے یہ بات واضح ہے کہ نماز کے اختتام پر ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا مسنون ہے۔

> هذه الرواية في الصحيحين توضح ان السنة رفع الصوت بالذكر بعد الانتهاء من الصلوٰة' (المنتقی المختار من کتاب الاذکار، ص ۶۰)۔

اور اس کے برعکس حضرت امام شافعیؒ ان روایتوں کو تعلیم پر محمول کرتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ تعلیم میں جہر بھی ہے ورنہ نبی کریم ﷺ جہر کی نفی کرتے اور یہ بھی یاد رہے کہ علماء کرام جو یہ فرماتے ہیں کہ اس وقت ذکر مسنون اور مستحب نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر جہر ناجائز یا بدعت ہے العیاذ باللہ۔ نبی کریم ﷺ کے خود اپنے عمل بلکہ معمول کو بدعت کہنا یہ کسی بھی عالم کو بلکہ عام مسلمان کے بھی شایان شان نہیں البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وقت کے ذکر اور تکبیر جہراً کہنا مسنون اور مستحب نہیں۔ یعنی نہ کرنے کو تارک مستحب اور تارک السنۃ نہیں کہا جاسکتا۔ اور جس نے بدعت کہا ہے وہ اسی معنی میں ہے کہ اس کو سنت سمجھ کر تارک اور نہ کرنے والے پر طعن کیا جائے اور اس کو جواز کی حد سے بڑھانا صورت جہر کو مستحب و مسنون سمجھنا بدعت ہے اور اس کے برعکس بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس وقت صفتِ جہری سری کے مقابلہ میں مستحب یا مسنون ہے واللہ اعلم۔

فرض نمازوں کے بعد جہر مستحب اور مسنون نہیں:

لیکن صفت جہر کو مسنون یا مستحب کہنا محل نظر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فریضہ نماز کے اختتام پر جہری ذکر کا معمول نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھا جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ روایت کرتے تھے اس وقت یہ معمول باقی نہ رہا تھا، ورنہ اگر اس وقت بھی یہی معمول ہوتا تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ معمول نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھا اب سوال یہ ہے کہ آخر یہ معمول کیوں چھوڑ دیا گیا۔ اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ یہ معمول کچھ عرصہ تک تعلیم کیلئے تھا اس جواب پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ تکبیر یا لا الٰہ الا اللہ مشکل الفاظ تو نہیں جو کسی کو یاد نہیں ہو سکتے روزانہ پانچ نمازوں میں تکبیریں کلمہ شہادت بار بار پڑھا جاتا ہے اگر یہ مطلب لیا جائے کہ نماز کے بعد خفیہ طور پر اللہ اکبر یا لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی تعلیم و ترغیب مقصود تھی لیکن حدیث کے الفاظ پر غور کریں تو یہ بھی اس سے قطعاً معلوم نہیں ہوسکتا بلکہ اگر اس کو تعلیم پر محمول کیا جائے تو صفت جہر کی تردید کے بغیر جہراً تکبیر کہنے میں یہ تعلیم بھی ہے کہ تکبیروں کو جہراً پڑھیں۔ البتہ اس کا درست جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر تکبیریں اور تہلیل وغیرہ آپ ﷺ کے مبارک زمانے میں پڑھی جاتی تھیں اور معمول بھی تھا لیکن یہ معمول دائمی نہ تھا ورنہ اگر دائمی معمول ہوتا پھر تو نماز کے بعد ذکر جہری مسنون قرار پاتا جیسا کہ ظہر وغیرہ نمازوں کے بعد سنت نمازیں۔ شاید اس لئے بعد میں بعض صحابہ کرامؓ نے اس عمل کو ترک کردیا ہوگا کہ کوئی اس عمل کو نماز کا حصہ نہ قرار دے۔ کہ اس کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی اور اس وجہ سے بعض فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے تاکہ یہ جہری ذکر نماز کا حصہ نہ قرار پائے۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ نماز کے اختتام پر تکبیر کہنا جائز ہے لیکن صفت جہر مسنون نہیں اور جہاں

یہ خطرہ ہو کہ لوگ اس کو نماز کا حصہ قرار دیں گے وہاں کبھی کبھی ترک کرنا چاہیے اور اس کی وضاحت بھی کرنی چاہیے لیکن اگر کوئی اس کو نا جائز اور بدعت کہتا ہے تو وہاں نماز کے بعد تکبیر بھی کہنا چاہیئے تا کہ ایک جائز بلکہ نبی کریم ﷺ کے عمل کو بلا وجہ کوئی نا جائز قرار نہ دے[1]

نبی کریم ﷺ کے دائمی معمول کی وجہ سے کوئی چیز مسنون یا واجب ہو جاتی ہے لیکن............

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ نبی کریم ﷺ کے دائمی معمول کی وجہ سے کوئی عمل مسنون، مستحب یا کبھی واجب قرار پاتا ہے لیکن اگر کوئی عمل نبی کریم ﷺ سے ایک بار بھی ثابت ہے اور بعد میں اس کے خلاف اور اس کی تردید آپ ﷺ سے ثابت نہیں تو ایسے عمل کو اگر بعد والے دائمی طور پر بھی اختیار کر لیتے ہیں تو ان پر ملامت نہیں کی جائیگی، کیونکہ دوام اور التزام اور کسی چیز کو جائز سمجھ کر دائمی طور پر کرنا اور کسی عمل کو شریعت میں لازم اور سنت مؤکد سمجھ کر کرنا دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اچھے اور نیک کام جو جائز ہیں ان پر دوام کرنا مثلاً کوئی اشراق کے نوافل ہمیشہ پڑھے یا کوئی سو بار (۱۰۰) استغفار پڑھے یا لاالٰہ الا اللہ پڑھے یا روزانہ ایک پارہ تلاوت کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں البتہ ملامت اس وقت کی جائیگی کہ وہ اس عمل کو سنت مؤکدہ یا شرعاً لازم سمجھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جو نہ کرے اس پر ملامت کرے یا اس کو تارک سنت سمجھے البتہ اگر ایک جائز نیک عمل کو کوئی اپنے اوپر لازم کر دے مثلاً یوں نذر کرے کہ میں ہر پیر کو روزہ رکھونگا تو اس پر یہ لازم ہو جائیگا۔

نذر اور سنت مؤکدہ اور شرعاً لازم عمل میں فرق:

شرعاً لازم واجب یا سنت مؤکدہ عمل اور نذر میں فرق یہ ہے۔ شرعاً لازم یا سنت مؤکدہ وغیرہ وہ عمل ہے جس کا مطالبہ ہر صاحب استطاعت اور کر سکنے والے مسلمان سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً فرض نمازیں، سنت نمازیں، واجب نمازیں، زکوٰۃ اور فرض حج وغیرہ۔ اور نذر وہ ہوتا ہے جسے مسلمان خود اپنے اوپر لازم کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں وہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ یہ عمل دوسروں پر فرض یا واجب وغیرہ نہیں بلکہ میں نے خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔

---

[1] وفهم اصحابه ان ذالك ليس بلازم خشية ان يظن انه ممالاتقم الصلاة الا به فلذالك كرهه من كرهه من الفقهاء۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری لبدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی الحنفی، جلد ۳ ص ۱۹۴)۔

نبی کریم ﷺ سے جہراً دُعا و ذکر کا ثبوت:

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار پڑھتے اور یہ دُعا پڑھتے؛ اللّٰھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام: اے اللہ تو ہی سلامتی والا ہے اور تیری ہی (بندوں کی آفات سے) سلامتی ہے تو بڑا بابرکت ہے، اے بزرگی اور عزت کے بخشنے والے (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ بحوالہ مسلم)۔

حدیث کے الفاظ سے ایک بات یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ دائمی طور پر یا اکثر نماز کے بعد یہ مذکورہ دُعا و ذکر کرتے تھے اس لئے حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں " اذا انصرف عن صلاته " کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی نماز سے فارغ ہو لیتے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ یہ پڑھنا جہراً تھا اور مسجد میں بھی تھا اور صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی آواز کو سن لیتے تھے، اسی طرح نبی کریم ﷺ سے نماز کے بعد بہت سی ایسی دُعائیں اور اذکار منقول ہیں جو نبی کریم ﷺ نے جہراً مانگی ہیں اور صحابہ کرامؓ نے ان کو نقل کیا اور ان میں صیغہ بھی ماضی استمراری استعمال کیا کہ نبی کریم ﷺ یہ پڑھتے تھے یا یوں الفاظ آئے ہیں کہ جب فلاں کام کرتے تھے تو فلاں دُعا پڑھا کرتے تھے وغیرہ۔ تو یہ صیغہ استمراری دوام پر دلالت کرتا ہے البتہ یہ صیغہ تکرار کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے یعنی جب کوئی شخص کوئی کام زیادہ بار بار کرے تو وہاں بھی ماضی استمراری کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتا تھا تو اس سے مراد یہ بھی لیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا کرتا تھا ورنہ کم از کم اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلمات اس نے کئی بار پڑھے ہیں۔ نیز فرض نماز کے بعد جو دُعائیں اور اذکار آپ ﷺ سے منقول ہیں یہاں ان میں سے صرف دو کو نقل کرتا ہوں جس سے جہر اور زیادہ بلند آواز کے ساتھ ذکر اور دُعا ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں؛

ماصلیت خلف نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم الا سمعته یقول حین ینصرف اللّٰھمّ اغفر خطایای و ذنوبی کلھا اللھم وأنعشنی واجبرنی واھدنی بصالح الاعمال والاخلاق لایھدی لصالحھا ولایصرف سیئھا الاانت: میں نے جب بھی نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے آپ ﷺ کو سنا کہ وہ فارغ ہونے کے بعد یہ کہتے تھے اے اللہ میرے تمام گناہوں اور خطاؤں کو معاف فرما، اے اللہ مجھ کو

بلندی دے اور میرے نقصان کی تلافی کر اور مجھ کو نیک عمل اور اچھے اخلاق کی ہدایت دے اور صالح اعمال اور اخلاق کی طرف ہدایت اور برے اعمال سے پھیرنا تیرے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا (رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط واسنادہ جید کذا فی مجمع الزوائد، جلد ۱۰، ص ۱۱۱)۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے مذکورہ بالا دُعا آپ ﷺ سے بار بار سنی ہے اور یہ بار بار سننا اس لئے تو تھا کہ دُعا جہراً تھی نہ کہ سراً کیونکہ اگر یہ دُعا نبی کریم ﷺ چپکے پڑھتے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ اس کو نہ سنتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ:

كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم اذا سلّم من صلاته يقول بصوته الاعلى لااله الّا اللّٰه وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئٍ قدير، لاحول ولاقوّة الاّ باللّٰه لااله الاّ اللّٰه ولانعبد الاّ اياه له النعمة وله الفضل وله الثنآء الحسن لااله الاّ اللّٰه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون: جب رسول اللہ ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تھے تو (سلام کے بعد) بلند آواز کے ساتھ یہ کلمات پڑھا کرتے تھے، لااله الّا اللّٰه............الخ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور (پوری کائنات پر) صرف اسی کی حکمرانی اور بادشاہی ہے، اس کیلئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (گناہوں وغیرہ سے) باز رہنے اور (عبادت وغیرہ کے) کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور بندگی کے لائق نہیں ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نعمت ہے اور اسی ہی کیلئے فضل ہے اور اسی ہی کیلئے ہر اچھی تعریف ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہم تو خالص اسی کے دین اور صرف اسی کے قانون کو ماننے والے ہیں، اگرچہ کافر اس کو برا سمجھیں (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)۔

اس حدیث کو کم وبیش الفاظ کے ساتھ بخاری، ابوداؤد، نسائی وغیرہ اور دوسرے ائمہ حدیث نے بھی نقل کیا ہے لیکن ان میں "بصوته الاعلى: بلند آواز کے ساتھ" کا لفظ موجود نہیں ہے نیز ہمارے پاس مسلم کا نسخہ ہے اس میں بھی یہ الفاظ موجود نہیں ہیں اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ شاید صاحب مشکوٰۃ نے مسلم شریف کے کسی ایسے نسخے سے یہ حدیث نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہوں یا شاید "بصوته اعلى" الفاظ امام مسلم کی طرف منسوب کرنے میں وہ سہو ہو گیا ہے کیونکہ "بصوته اعلى" کے الفاظ امام شافعیؒ کی "کتاب الام" میں موجود

ہیں(بلوغ الامانی، جلد۴، ص۷۱) لیکن اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن محمد ہیں حضرت امام شافعیؒ کے استادوں میں سے ایک استاد بھی ہیں اور امام شافعیؒ ان کو بہت سچا قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ شاگرد ہی اپنے استاد کو خوب جانتا ہے لیکن بہت سے ائمہ محدثین ابراہیم بن محمد کو بہت ہی کمزور اور کھوٹا سمجھتے ہیں(واللہ اعلم)۔ (تہذیب التہذیب، جلد۱، ص۱۵۸تا۱۶۱)۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قول کا مفہوم بیان کیا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کلمات پر آواز بلند کرتے تھے۔ چنانچہ اسی مسلم میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

ثم یقول ابن الزبیر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھلل بھن دبر کل صلوۃ: پھر عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات کے ساتھ آواز کو بلند کرتے تھے(صحیح مسلم، جلد۱، ص۲۱۸، باب الذکر بعد الصلوٰۃ)۔

اھلال کے لغوی معنی اور یُھلل بھن کا مطلب:

مسلم کے اس روایت میں "یُھلّل بھن" کے الفاظ آئے ہیں۔ "اھلال" کے اصل معنی "آواز بلند کرنے" کے ہیں پہلے یہ لفظ نئے چاند دیکھنے کے وقت اونچی آواز نکالنے کیلئے بولا جاتا تھا اس کے بعد ہر آواز نکالنے کیلئے بولا جانے لگا۔ (دیکھئے راغب)۔ پہلی یا دوسری تاریخ کے نئے چاند کو بھی ھلال اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ جب اس کو دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دے کر بتلاتے ہیں۔ نیز کہا جاتا ہے "استھل الصبی" یعنی بچہ نے پیدا ہوتے ہی رونے کی آواز بلند کی" نیز کہا جاتا ہے کہ "اھلّ الناس اذا رأو الھلال: جب لوگوں نے (ذی الحجہ کا) چاند دیکھا تو (لبیک پر) آواز بلند کی (یعنی احرام باندھ لیا)"۔ ھلّ کا لفظ زور کی بارش کیلئے بھی مستعمل ہے اس میں بھی یہی معنی زور کی آواز ملحوظ ہے۔ اور تھلیل لاالہ الااللہ کہنے کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے خواہ سراً ہو یا جہراً ہو لیکن اس کے بنیادی معنی میں بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کا مفہوم پوشیدہ ہے مثلاً۔ جب کہا جاتا ہے کہ ھللوا، لاالہ الااللہ پڑھو تو اس سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ آواز کے ساتھ لاالہ الااللہ پڑھو۔ قرآن مجید اس جانور کے گوشت کو بھی حرام قرار دیتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا نام بلند کیا جائے۔ اور اس کیلئے بھی یہی لفظ اھل استعمال کیا گیا ہے "وما اُھلّ بہ لِغیرِ اللہِ: اور وہ جانور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اس کا گوشت بھی حرام ہے" (مائدہ) اسی طرح حدیثوں میں بھی پکارنے اور آواز بلند کرنے کیلئے اھلال کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یُھِلُّ مُلَبِّداً یَقُوْلُ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ: میں نے رسول اللہ ﷺ (کے تلبیہ کو) ایسے حال میں سنا کہ آپ ﷺ تلبید کئے (یعنی گوند وغیرہ سے سر کے بالوں کو چپکائے) ہوئے لبیک پکار رہے تھے۔ آپ ﷺ کہہ رہے تھے: لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔

یہاں لبیک پر آواز بلند کرنے اور پکارنے کیلئے "یُھِلُّ" اور "اھلال" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بہر حال اھلال کا لفظ اگر چہ مختلف معنوں کیلئے مستعمل ہے لیکن اس کے اصل معنی آواز بلند کرنا ہی ہیں اور یہی بات "ابن فارس" نے بھی لکھی ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی آواز بلند کرنا ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب حدیث کے کلمات اور الفاظ کو دیکھ لیجئے وہ یہ ہیں۔

لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کلّ شيءٍ قدیر، لاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ لاالہٰ الاّ اللّٰہ ولانعبد الاّ ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثنآء الحسن لاالہٰ الاّ اللّٰہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون: ان کلمات کے متعلق حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے پھر فرماتے ہیں: "کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یھلّل بھن دبر کل صلوۃ: رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پکار کر (یعنی بلند آواز کے ساتھ) پڑھا کرتے تھے" (صحیح مسلم)۔

اس حدیث سے بھی اور اس سے پہلے حدیثوں سے بھی اور بعد میں آنے والی حدیثوں سے یہ دو باتیں پوری طرح ثابت ہوجاتی ہیں ایک یہ کہ ذکر جہری جائز بلکہ نبی کریم ﷺ کا اپنا عمل ہے، دوسری بات یہ کہ یہ اذکار جہراً مسجد ہی میں ہوا کرتے تھے۔

حضرت سعید بن عبدالرحمن بن ابزی اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ:

انہ کان یوتر بِ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی" و "قُلْ یٰاَیُّھَاالْکَافِرُوْن" و "قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ" ویقول بعد مایسلّم. سبحان الملک القدوس ثلث مرّات یرفع بھا صوتہ: نبی کریم ﷺ سبح اسم ربک الاعلی، قل یاایھاالکافرون

اور قل ھو اللہ الاحد (ان تین سورتوں) کے ساتھ وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے (جب نماز وتر سے فارغ ہوکر) سلام پھیرتے تو تین بار یہ (ذکر) کہتے **سبحان الملک القدوس** (ہمارا بادشاہ پاک ہے نہایت پاک) اور ان کلمات کو بلند آواز کے ساتھ پڑھتے تھے" (نسائی، جلد۱، ص۲۵۲)۔

اس مضمون کی متعدد روایات نسائی نے نقل کی ہیں اور ان میں بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ ویمد صوتہ فی الثالثۃ ویرفع یعنی نبی کریم ﷺ تیسری بار آواز کو دراز اور بلند کیا کرتے تھے (سنن نسائی، جلد۱، ص۲۵۲ تا ۲۵۳)۔ یعنی پہلی دو مرتبہ میں بھی جہر تو تھا لیکن آواز بلند نہ تھی اور تیسری بار ان کلمات کو بلند آواز اور دراز آواز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث کے تحت حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے کہ؛

قال الشیخ المحدث الدھلوی فی الحدیث دلیل علی شرعیۃ الجھر وھو ثابت فی الشرع بلاشبھۃ لکن الخفی منہ افضل فی غیر ماثبت فی الماثور:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے مشروع ہونے کی دلیل ہے اور ذکر بالجہر بلا شبہ شریعت میں ثابت ہے البتہ جہاں جہر منقول نہیں وہاں آہستہ ذکر افضل ہے (مشکوٰۃ، جلد۱، ص۱۱۲، حاشیہ نمبر۷)۔

عبارت کا مطلب واضح ہے کہ حضرت دہلویؒ کے نزدیک جہاں جہر ثابت ہے وہاں جہر ہونا چاہیے لیکن جہاں جہر ثابت نہیں وہاں بھی اگرچہ جہر بلا شبہ جائز ہے لیکن ایسی صورت میں جہر سے آہستہ ذکر افضل ہے۔ اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء کا اختلاف افضلیت میں ہے نہ کہ فی نفسہ جہر میں۔

کیا اسی طرح کی ساری حدیثیں تعلیم کیلئے تھیں کہ ان سے جہر ثابت نہ ہو؟

حدیثیں اور ان میں استعمال شدہ صیغے اور ان کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں ان سب کو تعلیم پر محمول کرنا اور پھر یہی نہیں بلکہ جہر کو مکروہ یا بدعت قرار دے دینا بلاشبہ صرف سینہ زوری، تعصب اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کی تعلیم کیلئے بھی لوگوں کے سامنے اعمال کیے ہیں اور رکوع و سجود میں بھی کبھی کبھی جہر ثابت ہے۔ نیز نمازوں میں بھی کبھی کبھی کوئی آیت جہراً پڑھتے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جہاں بھی جہراً دیکھا تو فوراً اس پر تعلیم کا ٹھپہ لگا دیا حالانکہ جن چیزوں کی تعلیم ضروری تھی نبی کریم ﷺ نے اپنی

زبان مبارک سے اس کی تعلیم دیدی اور دُعائیں بھی سکھائیں جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں یہ ملے گا کہ آپ ﷺ نے امت کو ترغیب دی ہے کہ فلاں وقت میں فلاں دُعائیں پڑھو، فلاں ذکر کرو، وغیرہ وغیرہ۔ اور تعلیم کا یہ آسان طریقہ بھی ہے کہ لوگوں کو کہا جائے کہ اس وقت یہ دُعا پڑھو اور یاد کرنے میں بھی سہولت رہتی ہے اور نبی کریم ﷺ سے جو دُعائیں اور اذکار عملاً ثابت ہیں اور جہراً پڑھے ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بالکل آسان ہیں۔ جیسا کہ اس کا کچھ بیان پہلے بھی گذر چکا ہے۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ آئے گا۔

آخر نبی کریم ﷺ خود بھی تو اللہ تعالیٰ سے مانگنے والے تھے۔ اگر آپ ﷺ نے جہراً دُعا پڑھی ہے تو اس میں جس طرح اس بات کی تعلیم ہے کہ یہ دُعا پڑھنی چاہئے تو اس میں اس بات کی بھی تعلیم ہے کہ جہراً بھی جائز ہے باقی رہا رکوع و سجود اور سری نمازوں میں کبھی کبھی جہر کرنا اس میں بھی امت کو یہ تعلیم ہے کہ اگر کسی نے فرطِ محبت یا خوف سے کوئی آیت جہراً پڑھی یا تسبیح و تحمید پر آواز بلند کی تو اس کی بھی اجازت ہے اور یہ ضروری نہیں کہ رکوع وغیرہ میں جو کچھ ثابت ہے وہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم کیلئے پڑھا ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی سری نماز بھی اس قدر واضح ہوتی تھی کہ بالکل قریب والے لوگ اس کو سن لیتے تھے۔

نیز نبی کریم ﷺ سے بہی دُعائیں اور اذکار، نوافل کے رکوع و سجود میں جہراً ثابت ہیں اور وہ مواقع بھی ایسے ہیں کہ ان میں لوگوں کو سنانے کا ارادہ بھی کوئی نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان آگے آجائے گا۔

اس بات میں کوئی شک و شبہ بھی نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ہر عمل اور ہر ادا میں امت کیلئے تعلیم موجود ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ جہاں جہر کو دیکھ لیا صرف جہر ہی کو اس تعلیم سے متشنیٰ کردیا جائے۔ اگر مقصد یہ تھا کہ دُعائیں اور ذکر چپکے چپکے ہی جائز ہیں اور جہر نا جائز ہے تو نبی کریم ﷺ کیلئے ضروری تھا کہ وہ اس بات کی وضاحت بھی فرماتے اور صحابہ کرامؓ کو یہ تعلیم دیتے کہ میرے جہر سے دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ میرا یہ جہر تعلیم کیلئے ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ سے ایسی کوئی وضاحت ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے خود صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ جہراً دُعائیں مانگتے، تلاوت کرتے ہیں ذکر کرتے ہیں ان کی تائید خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے۔ ان ساری شہادتوں کے باوجود پھر بھی یہ کہنا کہ جہر صرف تعلیم کیلئے تھا جہر نا جائز ہے یا مکروہ ہے یا بدعت ہے تو معلوم نہیں کہ بدعت کی یہ کونسی تعریف ہے یا یہ کہ بدعت، جائز و ناجائز کا اختیار اللہ تعالیٰ کے بجائے ان حضرات کے ہاتھوں میں ہے کہ جس عمل کو چاہیں جائز قرار دے دیں اور جسے چاہیں ناجائز کہہ دیں۔ بلاشبہ یہ رویہ بہت ہی خطرناک ہے (اور یہ وہی شرک ہے جس میں یہود و نصاریٰ جیسی قومیں گرفتار تھیں کہ انہوں نے حلال و حرام

کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا)۔

بہر حال بہت سی عملی حدیثوں میں جو جہر ثابت ہے اس میں یہ تعلیم بھی ہے کہ دُعائیں اور ذکر جہراً بھی جائز ہے ورنہ اگر جہر حرام یا ممنوع ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کی وضاحت ضرور فرما دیتے نبی کریم ﷺ تو غیر مناسب اور غیر اولیٰ امور کی نشان دہی بھی فرماتے تھے اور یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ سے سینکڑوں اور مختلف مواقع میں جہراً ذکر اور دُعائیں مانگنا ثابت ہیں پھر بھی اس کی تعلیم امت کو نہیں فرماتے کہ میں جہراً اسلئے کرتا ہوں تاکہ تم لوگ صرف الفاظ سیکھو۔ تم لوگ جہر نہ کرو کیونکہ جہر حرام یا ممنوع ہے بلکہ اس کے برعکس جہری تلاوت مجالس ذکر کی ترغیب دیتے ہیں۔ آخر صرف "اربعوا" والی حدیث جس سے واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ صرف نرمی اور شفقت کیلئے ہے اور "دون الجھر" جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ پھر بھی قرآن مجید کے واضح نصوص اور نبی کریم ﷺ کے سینکڑوں قول و عمل اور حدیثیں جن سے صراحۃً ذکر و دُعا جہراً ثابت ہے ان سب کو دریا برد کرنا یقیناً بہت بڑی سینہ زوری اور جرأت مندی اور نفس پرستی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد آنے والی حدیثوں اور صحابہ کرامؓ کے تابعین وغیرہ کے عمل سے یہ صاف واضح ہو جائے گا کہ جہر صرف قرآن و سنت ہی سے ثابت نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ و تابعین اور آج تک امت مسلمہ سے تواتراً ثابت ہے جس کے بعد آپ خود اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ جہراً ذکر کی مخالفت کر کے ہم کس قدر سنگین غلطی بلکہ جرم عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

نوافل اور مختلف اوقات میں نبی کریم ﷺ کی بعض دُعائیں جس سے جہر ہی ثابت ہوتا ہے:

نبی کریم ﷺ سے نفلی نمازوں میں غیر قرآنی دُعائیں بھی منقول ہیں۔ جنکے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بطور تلاوت اور ذکر کے تھیں۔ بلکہ ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نماز کے اندر بھی جہراً دُعائیں مانگی ہیں اور نماز سے فراغت کے بعد بھی یہاں چند ایسی دُعاؤں کو اور اذکار کو لکھ دیتا ہوں کہ ایک ادنیٰ عقل والا آدمی بھی سمجھ جائے کہ واقعی ذکر و اذکار تو کیا دُعا بھی جہراً جائز بلکہ خود نبی کریم ﷺ سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:

> ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر موجود نہ پایا تو آپ ﷺ کو میں تلاش کر رہی تھی کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے پیروں پر جا لگا، چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہیں اور آپ ﷺ کے دونوں پیر مبارک کھڑے ہوئے تھے اور آپ

ﷺ یہ دُعا پڑھ رہے تھے، "اللھم انی اعوذبرضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک و اعوذبک منک لااحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک : اے اللہ میں تیری خوشنودی کے ذریعے تیرے غیظ وغضب سے (یعنی ایسے اعمال سے جو مجھ پر یا میری جماعت اور امت پر عذاب کا ذریعہ بنیں) پناہ مانگتا ہوں، تیری معافی کے ذریعے تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے (یعنی تیری رحمت کے ذریعے تیرے غضب سے) پناہ مانگتا ہوں، میں تیری تعریف کا شمار و احاطہ نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ خود تو نے اپنی تعریف کی ہے (یعنی نہ مجھ میں اتنی قوت و طاقت ہے اور نہ میرے لئے یہ ممکن ہے کہ تیری ایسی تعریف کروں جو تیری شان کے لائق ہو تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے" (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے نفلی نمازوں میں اور بھی بہت سی دُعائیں منقول ہیں اور صحابہ کرامؓ نے ان دُعاؤں کو سن بھی لیا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کم سن بچے تھے، وہ کبھی کبھی اپنی خالہ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ کے ہاں رات گذارتے تھے، انہوں نے بھی نبی کریم ﷺ سے حالت سجدہ میں دُعائیں سنی ہیں جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں (نسائی باب الدعاء فی السجود)۔ ایسے اوقات کی دُعاؤں کے بارے میں کہنا کہ یہ بھی تعلیم کیلئے تھیں جبکہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ آپ ﷺ بالکل تنہا ہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ مناجات میں مشغول ہیں اور سننے والے کا اچانک آپ ﷺ کے پاس گذر ہوا یا آپ ﷺ کو ایسی حالت میں پایا۔ اب ایسے اوقات کی دُعاؤں کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ دُعائیں صرف دوسروں کی تعلیم کیلئے تھیں کس قدر غلط اور بیہودہ بات ہے۔

نماز استسقاء کے بعد نبی کریم ﷺ نے بارش کیلئے جہراً دُعائیں مانگیں ہیں اور آج تک امت کا یہ معمول رہا ہے کہ معتدل جہر کے ساتھ نہیں بلکہ بلند آواز کے ساتھ بارش کیلئے دُعائیں مانگیں جاتی ہیں بلکہ خطبہ کے دوران بھی نبی کریم ﷺ سے جب دُعا کی درخواست کی گئی تو آپ ﷺ نے جہراً دُعا مانگی۔ جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا۔ انہی دنوں نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک دیہاتی آئے اور کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مال و اسباب (یعنی کھیتی باڑی مویشی اور باغات قحط کی وجہ سے) برباد ہوگئے اور اہل و عیال بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دُعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے یہ سنتے ہی ہاتھ اٹھا کر یہ دُعا مانگی؛ "اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا، اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا، اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا: اے اللہ ہم کو پانی پلا دے، اے اللہ ہم کو پانی پلا دے، اے اللہ ہم کو

پانی پلا دے" اللہ تعالیٰ نے خوب بارش برسا دی ایک ہفتہ تک بارش جاری رہی دوسرے جمعہ پھر آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ وہی صاحب ایک دوسرے شخص کے ساتھ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بارشوں سے مکان گر رہے ہیں اور مال و اسباب ڈوب رہے ہیں، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ بارش تھم جائے تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دُعا فرمائی: "اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَ لَا عَلَیْنَا: اے اللہ ہمارے اردگرد اطراف میں برسا ہم پر نہ برسا" (بخاری، جلد ۱، ص ۱۳۷ اور مسلم جلد ۱، ص ۲۹۳) نیز حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ عورتیں حاضر ہوئیں جو قحط کی وجہ سے رو رہی تھیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے دُعا مانگی کہ: "اَللّٰھُمَّ اسقنا غیثاً مغیثاً مَرِیئاً مریعاً نافعاً غیرَ ضارٍّ عاجلاً غیرَ آجِل: اے اللہ ہم پر ایسی بارش برسا جو فریادرسی کرنے والی ہو اور زانی پیدا کرنے والی نفع دینے والی ہو، نقصان کرنے والی نہ ہو" (المنتقی المختار، ص ۱۶۴، بحوالہ ابو داؤد)۔

نبی کریم ﷺ کا دوسروں کیلئے جہراً دُعا کرنا:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ:

> نبی کریم ﷺ میری عیادت کیلئے تشریف لائے اور کہا کہ: اَللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اَللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اَللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا: اے اللہ سعد کو شفا دے، اے اللہ سعد کو شفا دے، اے اللہ سعد کو شفا دے (المنتقی المختار، ص ۱۲۰ بحوالہ صحیح مسلم)۔

حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے والد کے پاس بطور مہمان تشریف لائے۔ چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا اور آپ ﷺ نے تناول فرمایا پھر کھجوریں پیش کی گئیں آپ ﷺ نے کھجوریں بھی کھائیں اس کے بعد پانی پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے پیا پھر میرے والد نے جو آپ ﷺ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھے عرض کیا اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دُعا کیجئے تو آپ ﷺ نے یہ دُعا فرمائی:

> اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْمَا رَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ: اے اللہ انہیں تو نے جو کچھ رزق دیا ہے اس میں برکت فرما ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما (مشکوٰۃ کتاب الدعوات بحوالہ صحیح مسلم)۔

نبی کریم ﷺ کی یہ دُعا جہراً تھی اور باپ بیٹے دونوں نے سنی اور تسلی ہوئی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بہت سے

بیماروں، مسافروں اوردوسرے لوگوں کیلئے ان کے سامنے دُعائیں کیں، اگرصرف ان دُعاؤں کو جمع کیا جائے تو وہ بھی سینکڑوں کی تعداد کو پہنچ جائینگی اورآپ ﷺ کی یہ ساری دُعائیں جہراً تھیں۔

سفر،لڑائی اور مسجد بنانے کے اوقات میں نبی کریم ﷺ کا لوگوں کے سامنے دُعائیں مانگنا، بلکہ صحابہ کرامؓ سے مل کر موزوں دُعا بار بار پڑھنا اور اکیلے میں جہری دُعائیں پڑھنا:

نبی کریم ﷺ نے لڑائی کے اوقات میں اکیلے بھی جہری دُعائیں مانگی ہیں اورلوگوں کے سامنے بھی، بلکہ صحابہ کرامؓ سے مل کر موزوں اور نظم کی صورت میں بھی دُعائیں مانگی ہیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی بناتے وقت صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر نبی کریم ﷺ پتھروغیرہ اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر لیجارہے تھے اورسب مل کر یہ شعر دُعائیہ انداز میں باربار پڑھ رہے تھے۔

اللّٰھم لاخیر الا خیر الآخرۃ
فاغفر الانصار و المھاجرۃ
اے اللہ آخرت کے علاوہ کوئی خیر نہیں
پس تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے

غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرامؓ نے خندق کھودنا شروع کیا تاکہ دشمن پار کر کے نہ آسکیں اورآپ ﷺ بنفس نفیس خود بھی خندق کھودنے میں شریک تھے اورتین دن سے صحابہ کرامؓ اورآپ ﷺ نے کچھ کھایا پیا نہ تھا، لیکن پھر بھی صبروتحمل کے ساتھ صحابہ کرامؓ کھدائی میں مشغول تھے بھوک اور مشقت کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ باربار یہ الفاظ پڑھتے تھے۔

اللّٰھم ان العیش عیش الاخر
فاغفر الانصار و المھاجرۃ
اے اللہ بلاشبہ زندگی بس آخرت ہی کی ہے
پس انصار اور مہاجرین کو بخش دے

توجب آپ ﷺ یہ مذکورہ بالا دُعائیہ شعر مانگتے تھے تو صحابہ کرامؓ جواب میں یہ کہتے تھے۔

نحن الذین بایعوا محمداً

علـــی الـجهـــاد مـــا بـقـيـنـــا ابـداً
ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی بیعت کی ہے
جب تک ہم زندہ ہیں ہمیشہ جہاد کریں گے [1]

نیز خندق کھودتے وقت آپ ﷺ مذکورہ دُعا کے علاوہ اور دُعائیں بھی نظم کی صورت میں مانگتے تھے، چنانچہ حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ غزوہ احزاب کے موقع پر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ خندق کھود رہے ہیں اور آپ ﷺ کے شکم انور کو مٹی کے گردوغبار نے چھپا رکھا تھا۔ اور آپ ﷺ اشعار میں یہ دُعائیں پڑھ رہے ہیں۔

الـلّٰهُـمّ لـو لاانـت مـا اهـتـديـنـا
و لا تـصـدّقـنـا و لاصـلّيـنـا
فـانـزلـن سـكـيـنـة عـلـيـنـا
و ثـبّـت الاقـدام ان لاقـيـنـا
انّ الاولـٰى قـد بـغـوا عـلـيـنـا
اذا ارادو فـتـنـة ابـيـنـا

اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے، پس اب ہم پر سکینہ (قلبی سکون و اطمینان) نازل فرمائیے، اور اگر (دشمن سے) ہماری مڈبھیڑ ہو جائے تو ہمارے قدموں کو ثابت قدم رکھیے، بلاشبہ ان (کافر اور مشرک) لوگوں نے ہم پر ظلم کیا، اور جب یہ لوگ ہمیں فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے۔

(بخاری جلد ۱، ص ۳۹۸)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ "رفـع صـوتـه بـهـا ابينا ابينا" یعنی آخری لفظ ابینا ابینا (دوسرے اشعار کے مقابلہ میں) زیادہ آواز بلند کے ساتھ مکرر پڑھتے تھے (بخاری، جلد ۱ ص ۵۸۹)۔

---

[1] دیکھئے بخاری، جلد ۱، ص ۶۱۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپسی میں سفر میں ہوتے تو ہر بلند جگہ (مثلاً ٹیلے وغیرہ) پر چڑھتے ہوئے تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے تھے اور پھر یہ کلمات کہتے تھے "لا اله الا اللّٰه وحده لاشریک له، له الملک وله الحمد وهو علی کلّ شئٍ قدیر، ائبون تائبون عابدون ساجدون لربّنا حامدون، صدق اللّٰه وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده" (مشکوٰۃ کتاب الدعوات بحوالہ صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ ﷺ کی تکبیریں ان تمام موقعوں پر سن کرتب ہی تو فرماتے ہیں کیوں کہ یہ تکبیریں جہر کے ساتھ تھیں البتہ یہ جہر معتدل تھا، شدید نہ تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لشکر جب پہاڑیوں پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے (دیکھئے ریاض الصالحین بحوالہ ابوداؤد)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ جہراً تکبیر وغیرہ بعد میں بھی ہوتی رہیں البتہ وہ جہر معتدل کے ساتھ ہوتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے تھے کہ غزوہ بدر میں جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی طرف نظر کی اور آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ کفار کی تعداد ایک ہزار ہے اور مسلمان تین سو انیس تو مسلمانوں کے بے سروسامانی اور قلیل تعداد کو دیکھ کر سخت متفکر ہوئے۔ اپنے قبہ میں تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر نہایت عاجزی کے ساتھ دُعا کی اور صحیح مسلم نے آپ ﷺ کی دُعا کی تصویر یوں پیش کی ہے۔

ثم مدّ یدیه فجعل یهتف بربّه اللّٰهمّ انجزلی ما وعدتّنی، اللّٰهمّ اتِ ما وعدتّنی، اللّٰهمّ انّک ان تهلک هذه العصابة من الاسلام لاتعبد فی الارض فمازال یهتف بربّه مادًّایدیه مستقبل القبلة حتی سقط رداؤهٗ عن منکبیه فاتاهُ ابوبکر فاخذ ردائه فالقاه علیٰ منکبیه ثم التزمه من ورائه وقال یا نبیّ اللّٰه کفاک منا شدتک ربک فانه سینجزلک ماوعدک: (نبی کریم ﷺ قبہ کے اندر آ کر قبلہ رو ہوئے) پھر ہاتھوں کو دراز کیا اور اپنے پروردگار کو پکارنے اور فریاد کرنے لگے کہ، اے اللہ میں تجھ سے تیرے وعدہ کو پورا کرنے کی درخواست کرتا ہوں، اے اللہ تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا اسے پورا فرمادے، اے اللہ اگر اہلِ اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری بندگی کہیں نہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ دیر تک

ہاتھ پھیلائے ہوئے قبلہ رخ ہو کر اپنے رب سے فریاد کرتے رہے یہاں تک کہ کندھوں پر سے چادر گر گئی۔ پس حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے انہوں نے آپ ﷺ کی چادر کو اٹھایا اور آپ ﷺ کے کندھوں پر ڈال دیا پھر پیچھے سے آپ ﷺ کے ساتھ چپک گئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ بس کافی ہے آپ نے اپنے پروردگار سے بہت الحاح وزاری کی اللہ تعالیٰ یقیناً اس وعدہ کو پورا کرے گا جو اس نے آپ سے کیا ہے (صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۹۳ اور صحیح بخاری کتاب المغازی و کتاب الجہاد و تفسیر سورۃ القمر)۔

جنگ کی حالت اور فریاد و زاری کا وقت اور قبہ کے اندر نبی کریم ﷺ کا جانا پھر دُعا کے الفاظ صحابہ کرامؓ کا یاد کرنا بلا شبہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کی یہ دُعا جہر اور بلند آواز کے ساتھ ہو۔ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ یہ مشاہدہ بھی ہے انسانی فطرت وطبیعت بھی ہے کہ جب انسان مضطر ہو جاتا ہے تو بے اختیار اس کی چیخیں نکلتی ہیں۔ بچے کو دیکھئے کہ پریشانی کی حالت میں ماں کو دیکھ کر روتا ہے کسی رحمدل کے پاس جب بھی کوئی دکھا ہوا انسان آتا ہے تو اپنی پریشانی کے مطابق چلا کر روتا ہے فریاد کرتا ہے جو شریعت مطہرہ اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، انسان جب بھی مجبور ہو جاتا ہے اور سخت مجبوری کی حالت میں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو رو پڑتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ چلا کر روتا ہے ایسی صورت میں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رونا اور چلانا سناتا ہے، بلکہ یہ اس کے خود اپنے جذبات اور اندرونی کیفیت ہوتی ہے جو ابھر کر زبان اور آنکھوں وغیرہ اعضاء سے ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ اس کے نہایت خدا پرستی اور اللہ تعالیٰ پر حد درجہ یقین کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ اوروں کے بجائے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ اس حدیث میں "فجعل يهتف اور مازال يهتف" کے الفاظ آئے ہیں اور لغت میں "هتف" کے معنی ہیں آواز دینا، پکارنا، بلند آواز سے بلانا۔ "قال: اهتف بالانصار: آنحضرت ﷺ نے جنگ حنین میں حضرت عباسؓ سے فرمایا انصار کو آواز دو، بلاؤ" فجعل يهتف: لگے دُعا کرنے اپنے مالک کو پکارنے اس سے فریاد کرنے۔ (دیکھئے لغات الحدیث) اور هتف کے یہی معنی یعنی بلند آواز سے بلانا لغت کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: "معناه يصيح و يستغيث بالله بالدُعاء: اس کے معنی چیخنے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا میں فریاد کرنے کے ہیں" اس حدیث کے تحت حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ: "وفيه استحباب استقبال القبلة في الدُعاء و رفع اليدين فيه وانه لابأس برفع الصوت في الدُعاء: اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ قبلہ رخ ہو کر دُعا مانگنا مستحب ہے اور دُعا میں ہاتھ اٹھانا بھی، نیز یہ کہ دُعا میں آواز بلند

کرنے میں کوئی حرج نہیں" (شرح مسلم، جلد۲، ص۹۳)۔

نبی کریم ﷺ کی کفارومشرکین اورظالموں کیلئے جہراً بددعائیں:

نبی کریم ﷺ سے نماز کی حالت میں بھی جہراً دعائیں اوربدعائیں ثابت ہیں اورقنوت نازلہ بھی جب کوئی مصیبت اوربلاء مسلمانوں پرنازل ہوتی تو ایسے سخت حالات میں صبح کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد کھڑے کھڑے آپ ﷺ دعائیں مانگتے تھے اورآپ ﷺ یہ دعائیں جہراً پڑھتے تھے اورمصیبت کے وقت اب بھی اسی طرح کی دعائیں صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد پڑھی جاسکتی ہیں اوریہ طریقہ سب کے نزدیک جائز ہے۔

نماز کے بغیر بھی آپ ﷺ نے جہراً بددعائیں کی ہیں چنانچہ جب مشرکین قریش نے نبی کریم ﷺ کوسخت ایذاء پہنچائی اورسجدہ کی حالت میں اونٹ کی اوجڑی آپ ﷺ کے کندھوں پررکھدی اورکفارومشرکین ہنستے رہے اورحضرت فاطمہؓ کوجب خبر ہوئی دوڑتی ہوئی آئیں اوراوجڑی کوآپ ﷺ پر سے ہٹایا اورجب آپ ﷺ نے نماز ختم کی تو دعا کی:

اللّٰھمّ علیک بقریش ثلث مرّات فشقّ علیھم اذادعاعلیھم قال وکانوا یرون انّ الدعوۃ فی ذالک البلاد مستجابۃ، ثم سمی، اللّٰھمّ علیک بابی جھل وعلیک بعتبۃ بن ربیعۃ وشیبۃ بن ربیعۃ والولیدبن عتبۃ وامیۃ بن خلف وعقبۃ بن ابی معیط: اے اللہ قریش کوپکڑ لے، اے اللہ قریش کوپکڑ لے، اے اللہ قریش کوپکڑ لے۔ روای کہتے ہیں کہ یہ دعا قریش پر بہت شاق گذری کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے (اس کے بعد روای کہتے ہیں کہ) پھرآپ ﷺ نے ایک ایک کے نام لئے، آپ ﷺ نے کہا اے اللہ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط کوپکڑ لے (جن جن کے آپ ﷺ نے نام لئے یہ سب جنگ بدر میں قتل ہوئے) (بخاری کتاب الوضوء، کتاب الصلوٰۃ، کتاب احادیث الانبیاء وصحیح مسلم کتاب الجہاد)۔

اگر یہ بددعاجہراً نہ تھی تو یہ پھر یہ کفارومشرکین پرشاق کیوں گذری اورکیوں ہنسنے وغیرہ سے رک گئے معلوم ہوا کہ یہ بددعاجہراً تھی اوراس قدرجہراً تھی کہ کفارومشرکین سن کرخاموش ہوگئے اوردب گئے۔ اس طرح صحابہ کرامؓ نے بھی بعض لوگوں کیلئے بددعائیں مانگی ہیں بلکہ ظالم مسلمانوں کوبھی بددعائیں دی ہیں، جوحدیث کی کتابوں میں موجود

ہیں۔مثلاً سعد رضی اللہ عنہ نے اسامہ بن قتادة کیلئے بددُعا کی۔اورسعید بن زیدؓ نے اروی بنت اویس کو بددعا دی اوروہ بددعائیں قبول بھی ہوئیں۔وہ بددعائیں جہراً ہی تھیں اس لئے لوگوں نے سنیں (کتاب المنتقی المختار،ص ۲۸۹ تا ۲۹۰بحوالہ صحیح بخاری، مسلم)۔

بالکل آخر وقت میں آپ ﷺ سے جہراً دُعا کا ثبوت:

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ ﷺ سکرات الموت میں مبتلا تھے آپ ﷺ کے پاس ایک بڑا برتن رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا، آپ ﷺ اپنا ہاتھ برتن میں ڈبوتے پھر اپنا ہاتھ چہرہ مبارک پر پھیرتے اور یہ دُعا کیا کرتے تھے؛

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّي عَلٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَكَرَاتِ الْمَوْتِ: اے اللہ موت کی سختیوں کے وقت میری مدد فرما (دیکھئے کتاب المنتقی المختار،ص ۱۲۷،بحوالہ ترمذی وابن ماجہ) نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں؛ سمعت النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وھو مستند الیّ یقول اللّھمّ اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلی: نبی کریم ﷺ مجھے تکیہ لگائے ہوئے (یعنی میرے سینے سے اپنی کمر لگائے بیٹھے ہوئے) کی حالت میں یہ دُعا پڑھ رہے تھے، اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملادے (کتاب المنتقی المختار،ص ۱۲۷،بحوالہ صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔

نبی کریم ﷺ کا جہراً استغفار:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ؛

ان کنا لنعدّ لرسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی المجالس یقول ربّ اغفرلی وتب علیّ انّک انت التوّاب الغفور مائة مرّة : ہم رسول اللہ ﷺ کی ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کی استغفار کو شمار کرتے تھے وہ سومرتبہ یہ کہا کرتے تھے، میرے پروردگار مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بلاشبہ تو ہی بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے (مشکوٰة باب التوبہ بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ) یہ استغفار جہراً تھا اس لئے تو وہ اس کو شمار کرسکتے تھے۔

حضرت ام ھانیؓ سے روایت ہے کہ؛

کنت اسمع قرأة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا علی عریشی: میں نبی کریم ﷺ کی قرأت ایسی حالت میں سنتی تھی جبکہ میں بالاخانہ میں بیٹھی ہوتی تھی (سنن نسائی، جلد ا،ص ۱۵۷)۔

حضرت عبداللہ بن ابی قیسؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے چند مسائل پوچھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ؛

کیف کان قرأته کان یسّر بالقراء ة ام یجهر قالت: کلّ ذالک کان یفعل قد کان ربّما اسرّ و ربما جهر: نبی کریم ﷺ کی قرأت کیسی تھی کیا وہ قرأت سراً اور چھپ کر کرتے تھے یا جہراً کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہر طرح کی قرأت کرتے تھے کبھی سراً اور چھپ کر کیا کرتے تھے اور کبھی جہراً کیا کرتے تھے، (یہ سن کر) حضرت عبداللہ بن ابی قیسؓ نے فرمایا کہ؛ الحمد للّٰہ الذی جعل فی الامر سعة: تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے دین میں وسعت فراخی (آسانی) کردی ہے (ترمذی، جلد ۲، آخر ابواب فضائل القرآن، ص ۱۲۰)۔

صحابہ کرامؓ کا ذکر و تلاوت اور دُعاؤں میں جہر اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے ان کے جہر کی تائید:

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ؛

حضرت ابوموسیٰؓ اپنے گھر میں بیٹھے تھے اور ان کے پاس لوگ جمع ہوگئے تو انہوں نے قرآن مجید پڑھ کر سنانا شروع کیا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: تعجب کی بات ہے کہ ابوموسیٰؓ گھر میں بیٹھے ہیں اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے ہیں اور انہوں نے قرآن مجید پڑھ کر انہیں سنانا شروع کیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ مجھے ایسی جگہ بٹھا دو کہ مجھے ان میں سے کوئی نہ دیکھ سکے اس شخص نے آپ ﷺ کو ایسی جگہ بٹھا دیا کہ ان میں سے کوئی آپ ﷺ کو نہیں دیکھ سکا اور آپ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی قرأت سنی اور فرمایا؛ انه یقرء علی مزمار من مزامیر آل داؤد: کہ یہ داؤد علیہ السلام جیسے لہجہ میں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں (رواہ ابو یعلی، اسنادہ حسن کذافی مجمع الزوائد، جلد ۹، ص ۳۶۰)۔

مسجد میں معتدل جہر کے ساتھ دُعا اور آدابِ دُعا کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد:

حضرت فضالہ بن عبیدؓ کہتے ہیں کہ:

> ایک روز رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور نماز پڑھی اور پھر یہ دُعا مانگی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِی: اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عَجِلْتَ اَیُّھَا الْمُصَلّٰی اذا صلیت فقعدت فاحمد اللّٰہ بما ھو اھلہٗ و صلِّ عَلَیَّ ثُمَّ ادعُہٗ: اے نماز پڑھنے والے تم نے (دُعا کے آداب ترک کر کے) جلدی کی (پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) جب تم نماز پڑھو تو (نماز کے بعد دُعا کیلئے بیٹھو) اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء جیسا کہ وہ اس کے لائق ہے بیان کرو اور مجھ پر درود بھیجو، پھر اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ حضرت فضالہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے شخص آئے اور نماز پڑھی نماز کے بعد حمد و ثناء بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایھا المصلی ادع تجب: اے نماز پڑھنے والے دُعا مانگ قبول کی جائیگی (مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی)۔

اس حدیث میں خوب غور کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ دُعائیں، اذکار جہراً تھیں چنانچہ پہلے شخص نے جب دُعا میں صرف اس قدر الفاظ پڑھے کہ "اللّٰھمّ اغفرلی وارحمنی" تو نبی کریم ﷺ نے آواز دی کہ اے نمازی تو نے جلدی کی تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے صحابی فضالہؓ نے اس شخص کے یہ دُعائیہ کلمات سن لئے تھے اس لئے تو فرمایا کہ تو نے جلدی کی ورنہ اگر وہ شخص چپکے چپکے دُعا میں مشغول رہتا تو نہ صحابہ کرامؓ اس کی دُعا کو سنتے اور یاد کرتے اور نہ نبی کریم ﷺ اس کو یہ فرماتے کہ تو نے جلدی کی۔ نیز وہ شخص قدرے دور بھی تھا ورنہ نبی کریم ﷺ آواز نہ دیتے کہ: "ایھا المصلی" اے نمازی، بلکہ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ "ثم دعاہ" پھر نبی کریم ﷺ نے اس کو بلایا (دیکھئے کتاب المنتقی المختار، ص ۱۰۱، بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ و ترمذی) جس سے اچھی طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ شخص کچھ فاصلہ پر تھا اور وہاں بیٹھ کر جہراً دُعا کی، آواز اتنی اونچی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی دُعا کو سن لیا۔ پھر دوسرے شخص نے نماز کے بعد حمد و ثناء اور درود شریف جہراً ہی پڑھا تھا اس لئے تو صحابہ کرامؓ نے سنا اور نبی کریم ﷺ نے ان کو پکارا کہ اے نمازی دُعا مانگ، دُعا قبول کی جائیگی۔ غور

کیجئے یہاں نبی کریم ﷺ نے پہلے شخص کو دُعا کے آداب میں یہ تو بتلایا کہ دُعا میں حمدوثناء اور درود شریف ہونا چاہیئے لیکن جہر کرنے سے منع نہیں فرمایا اور جس شخص نے جہراً درود شریف حمدوثناء پڑھی نبی کریم ﷺ نے اس کو بھی جہر سے منع نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ دُعا مانگو قبول کی جائیگی۔

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دُعا مانگتے ہوئے سنا کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّکَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وجہ سے کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں تو ایسا یکتا اور بے نیاز ہے کہ نہ تو اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں (یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے) فرمایا کہ: دعا اللّٰہ باسم الاعظم الذی اذا سئل به اعطیٰ واذا دعی به اجاب: اس شخص نے ایسے اسم اعظم کے ساتھ دُعا مانگی کہ جب اللہ تعالیٰ سے اس کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے اور جب اس کے ذریعے دُعا مانگی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے (یعنی وہ دُعا اکثر قبول ہوتی ہے) (دیکھئے مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ بحوالہ ترمذی وابوداؤد)۔

یہاں اس دُعا والے کی دُعا کو نبی کریم ﷺ وصحابہ کرامؓ نے سنا، نبی کریم ﷺ نے اس کے اس جہری ذکر اور دُعا کی کوئی تردید نہیں کی بلکہ تائید کی۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے بارے میں جن کو ذوالبجادین کہا جاتا ہے فرمایا: "انّهٗ اوّاه: بے شک یہ (اللہ تعالیٰ کو) فریاد کرنے والا ہے" اور حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ: وذالک انهٗ کان یکثر ذکر اللّٰه بالقرآن والدّعاء ویرفع صوتهٗ: اس کو اسی وجہ سے " انّهٗ اوّاه " یعنی فریادی کہا جاتا تھا کہ وہ کثرت سے قرآن کے ساتھ اور دُعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا تھا اور اپنی آواز کو بلند کیا کرتا تھا (حیاۃ الصحابہؓ، جلد۳، ص ۳۲۲)۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ:

وہ کہتے ہیں کہ ہم نے بقیع میں ایک آگ دیکھی تو ہم اس آگ کے پاس آئے تو کیا دیکھتے

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبر کے اندر سے آواز دے رہے ہیں کہ مجھے آدمی (یعنی میت کی لاش) دے دو تو لوگوں نے آپ ﷺ کو قبر کے پیر کی جانب سے دے دی، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب میں غور سے دیکھا "فاذاهو الذى كان يرفع صوته بالذكر :تو وہ وہی آدمی تھا جو اپنی آواز کو ذکر کے ساتھ بلند کرتا تھا" (ابوداؤد جمع الفوائد جلد ا، ص ۱۳۷؛ حلیۃ الاولیاء، جلد ۲، ص ۳۳۸؛ حیاۃ الصحابہؓ جلد ۳، ص ۳۲۱)۔

حضرت ابوذھیر نمیریؓ سے روایت ہے کہ؛

ہم ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے تو ہم ایک ایسے شخص کے پاس آئے، "قد الح فى المسئلة فقال النبىّ صلّى الله عليه وسلّم: اوجب ان ختم : جو دُعا میں از حد الحاح وزاری کر رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا (دُعا کی قبولیت کو) واجب کیا اگر ختم کیا۔ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس چیز کے ساتھ ختم کرے، آپ ﷺ نے فرمایا "آمین کے ساتھ" (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد) چونکہ اس شخص کی آہ وزاری سنائی دے رہی تھی اور اس قدر آواز کے ساتھ تھی کہ راستے پر سے گذرتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے اس کی آہ وزاری کو سن لیا۔

مسجد میں جہری دُعائیں اور بلند آواز کے ساتھ تلاوت:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ؛

میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے نماز کے بعد یہ دُعا مانگی، "اللّهمّ انّى اسألك بانّ لك الحمد لااله الاّ انت الحنّان المنّان بديع السمٰوٰت والارض يا ذاالجلال والاكرام يا حىّ ياقيوم اسئلك: یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وجہ سے کہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں تو بہت ہی شفقت کرنے والا، بہت ہی احسان کرنے والا، اور آسمانوں وزمین کا پیدا کرنے والا ہے، اے بزرگی وبخشش کے مالک، یاحی یا قیوم میں تجھ سے سوال کرتا ہوں" (یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے) فرمایا؛ " دُعا الله باسمه الاعظم الّذى اذا دعى به اجاب واذاسئل به اعطى :اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس اسم اعظم کے ذریعہ دُعا مانگی کہ جب اس کے ذریعے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے

قبول کرتا ہے اور جب اس کے ذریعہ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے"(ترمذی، ابوداؤدونسائی، مشکوٰۃ کتاب اسماءاللہ تعالیٰ)۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شخص نے جہراً دُعا کی جو نبی کریم ﷺ نے سنی اور صحابہ کرامؓ نے یاد کی نیز یہ کہ مسجد ہی میں دُعا مانگ رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے تائید کی تردید نہیں کی۔

صحابہ کرامؓ ذکرِ جہر کے بدعت ہونے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے:

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ:

ایک دن میں عشاء کی نماز کیلئے مسجد میں داخل ہوا تو وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص قرآن کریم پڑھ رہا ہے "ویرفع صوتہ "اوراپنی آواز کو بلند کر رہا ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ: کیا آپ اس شخص کوریاکار نہیں کہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (نہیں) "بل مؤمن منیب: بلکہ مؤمن (اللہ تعالیٰ کی طرف اور غفلت سے ذکر کی طرف) رجوع کرنے والا ہے"۔(اس کے بعد حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ) اور ابوموسیٰ اشعریؓ بھی "یقرأ ویرفع صوتہٗ فجعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم یتسمّع بقراٰتہٖ "نماز میں باآواز بلند تلاوت کررہے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کی قرآت کو سنتے رہے"، پھر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیٹھے اور یہ دُعا کرنے لگے "اللّٰھمّ انی اشھدک انک انت اللّٰہ لا الہ الا انت احداً صمداً لم یلد و لم یولد ولم یکن لہ کفواً احد: اے اللہ میں تجھ کو (اپنے اس اعتقاد و اقرار پر) گواہ بناتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں تو ایسا یکتاو بے نیاز ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں" (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ سے اس کے ایسے نام کے ذریعے سوال کیا کہ جب اسکے ساتھ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سوال کو پورا کرتا ہے اور جب اسکے ذریعے دُعا مانگی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دُعا کو قبول فرماتے ہیں، حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے آپ سے جو بات (ابوموسیٰ اشعریؓ کے حق) میں سنی اسے ابوموسیٰ تک پہنچادوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں" چنانچہ میں نے ابوموسیٰؓ تک آپ ﷺ کا یہ ارشاد پہنچادیا تو (وہ بہت خوش ہوئے) انہوں نے کہا کہ آج کے دن سے تم میرے سچے

بھائی ہو کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچایا ہے (مشکوۃ شریف کتاب اسماء اللہ تعالیٰ بحوالہ رزین)۔

اس پوری حدیث میں غور کریں اس سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ مسجد وغیرہ میں جہر کامل یعنی بلند آواز کے ساتھ بھی ذکر واذکار اور تلاوت وغیرہ کو نا جائز و بدعت نہیں کہتے تھے اس لئے حضرت بریدہؓ جس صحابیؓ کو نہیں پہچانتے تھے ان کے متعلق صرف اتنا پوچھا کہ یہ ریاء تو نہیں کر رہا ہے کہ اس قدر بلند آواز کے ساتھ تلاوت کر رہا ہے اسکے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں یہ مؤمن منیب ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ ذکر جہری کو بدعت یا نا جائز کہتے پھر تو یوں پوچھتے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ شخص نا جائز و ممنوع کام یا بدعت میں مشغول تو نہیں۔ پھر غور کریں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو چونکہ حضرت بریدہؓ پہچانتے تھے اسلئے ان کے متعلق یہ سوال ہی نہیں کیا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ منافق نہیں بلکہ جلیل القدر صحابیؓ ہیں نیز اسکے بعد انہوں نے دُعا بھی جہراً مانگی اور یہ اس قدر فاصلے پر تھے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد اور پھر حضرت بریدہؓ کا سوال اور پھر آپ ﷺ کا جواب وہ خود نہ سن سکے بلکہ بریدہؓ نے ان کو یہ ساری بات پہنچائی اور یہ سب کچھ مسجد میں ہی تھا۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ ایک صحابی ہیں جو بچپن میں یتیم ہو گئے تھے چچا کے پاس رہتے تھے اور وہ بہت اچھی طرح ان کی پرورش کرتے تھے ذوالبجادینؓ گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے تھے جسکی وجہ سے چچا اور ماں ان سے بیزار ہو گئے تھے اور چچا نے وہ تمام چیزیں چھین لیں جو اس نے ان کو دی تھیں۔ چنانچہ پھر وہ گھر سے ایسی حالت میں نکلے کہ چادر کو دو ٹکڑے کر کے آدھے کا تہبند باندھا اور آدھے کی چادر بنا کر اوڑھا۔ ایسی حالت میں مدینہ منورہ آ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے دروازے پر پڑے رہتے تھے اور بہت کثرت سے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ شخص ریاء کار ہے کہ اس طرح ذکر کرتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بل هو احد الاوّاهين: (نہیں) بلکہ یہ اللہ تعالیٰ سے گریہ زاری کرنے والوں میں سے ہے" جب ان کا انتقال ہوا تو نبی کریم ﷺ نے رات کے وقت چراغ کی روشنی میں اپنے ہاتھ مبارک سے دفن کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ان کی تدفین میں شریک تھے۔ دفن کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اَللّٰهُمَّ انى امسيت عنه راضياً فارض عنه : اے اللہ میں اس سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا" (تفصیل کیلئے دیکھئے حیاۃ الصحابہؓ ج ۳ ص ۳۲۲)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کا اعتراض بھی ذکر جہر پر نہ تھا بلکہ اندیشہ ریاء کی وجہ سے تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کی تردید فرمائی اور بتلایا کہ جب ذکر جہر ریاء سے خالی ہو تو ذکر بالجہر اوّاھین یعنی اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری

کرنے والوں کی علامت ہے۔

نیز حضرت ابن ادرعؓ سے روایت ہے کہ:

میں نبی کریم ﷺ کی چوکیداری کرتا تھا ایک رات نبی کریم ﷺ کسی ضرورت سے باہر نکل آئے اور مجھے دیکھ کر ہاتھ سے پکڑا اور جاتے وقت ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہم گذرے جو قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھ رہا ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شاید یہ ریاء کاری کرتا ہو، حضرت ابن ادرعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ تو نماز پڑھتا ہے اور قرآن مجید جہراً پڑھتا ہے (تو یہ کیونکر ریاء کار ہوسکتا ہے) آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ اس بات کو پوری طرح نہیں پہنچ سکتے (کہ کون ریاء کار ہے اور کون منافق ہے اور کون نہیں کیونکہ تمہارے پاس نہ وحی آتی ہے اور نہ تم میں نبی کی طرح فراست ہوسکتی ہے)۔ حضرت ابن ادرعؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ ایک رات کسی حاجت کیلئے نکلے اور میں آپ ﷺ کی چوکیداری کرتا تھا تو آپ ﷺ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر چل دیئے اور ایک ایسے آدمی پر ہمارا گذر ہوا جو جہراً قرآن مجید پڑھ رہا تھا تو میں نے عرض کیا کہ شاید یہ ریاء کاری کررہا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا"کلا انہ اواب فنظرت فاذا عبداللّٰہ ذوالبجادین" ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) بہت زیادہ رجوع کرنے والا ہے۔ حضرت ادرعؓ کہتے ہیں تو میں نے دیکھا وہ عبداللہ ذوالبجادینؓ تھے (رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح کذافی مجمع الزوائد، جلد ۹، ص ۳۶۹)۔

مروزی نے عبید بن عمیرؓ سے روایت کیا ہے کہ:

کان عمر یکبّر فی قبه فیکبّر اهل المسجد فیکبّر اهل السوق حتّی ترتجّ منی تکبیراً: حضرت عمرؓ (ایام منیٰ میں) اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے اس تکبیر پر اہل مسجد بھی تکبیر کہتے تو اہل بازار بھی تکبیر کہنے لگتے حتی کہ پورا منیٰ تکبیر کی آواز سے گونج اٹھتا (الحاوی للفتاوی، جلد ا، ۳۹۳)۔

حضرت عمرؓ کی تکبیر کس قدر بلند تھی کہ مسجد میں سنائی دیتی تھی پھر اہل مسجد کی تکبیریں اس قدر بلند ہو جاتیں کہ بازار یعنی تمام خیموں وغیرہ میں آواز پہنچ کر پورا منیٰ تکبیر کی آواز سے گونج اٹھتا اور تکبیرات تشریق وغیرہ یہ سب کچھ مسجد میں بیٹھ کر ہو جاتی تھیں اور آج تک کہی جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا حدیثوں سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ کسی پر ریاء

کاری کا فتویٰ صرف نبی کریم ﷺ کا کام ہے ہم کسی کے دل کی حالت کو نہیں جانتے۔ دوسری بات یہ کہ صحابہ کرامؓ ذکر جہر کو بدعت نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ اس کو مسجد وغیرہ میں ناجائز سمجھتے تھے۔ تیسری بات یہ کہ جہری تلاوت و ذکر مسجد میں بھی جائز ہے بشرطیکہ نمازی وغیرہ کیلئے تکلیف کا باعث نہ بنے۔

حضرت عمرؓ کا شدید جہر یعنی بلند آواز کے ساتھ دُعا:

حضرت سائب بن یزیدؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن حضرت عمرؓ کو قحط سالی کے زمانے میں دیکھا کہ معمولی کپڑے پہنے ہوئے گڑگڑا رہے ہیں۔ آپ پر اتنی چادر تھی کہ دونوں گھٹنوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ "یرفع صوته بالاستغفار وعيناه تهراقان على خدّيه" استغفار کے ساتھ آپ کی آواز بلند تھی اور آپ کی آنکھوں سے دونوں رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے" اور آپ کی دائیں جانب حضرت عباس بن مطلبؓ تھے آج کے دن انہوں نے (حضرت عمرؓ) نے دُعا کی؛

> وهو مستقبل القبلة رافعايديه الى السماء وعجّ الى ربّه فدعا ودعاالناس معه: اور وہ (یعنی حضرت عمرؓ) قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے اور اپنے پروردگار کے سامنے چلا کر فریاد کر رہے ہیں (یعنی خوب بلند آواز کے ساتھ گڑگڑا رہے ہیں) چنانچہ انہوں نے دُعا کی اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ دُعا کی"۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "اللّٰهم انا نستشفع بعمّ رسولك اليك" اے اللہ ہم تیرے رسول ﷺ کے چچا کے ذریعہ سے تجھ سے شفاعت طلب کرتے ہیں (یعنی دعا کرواتے ہیں) راوی کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ دیر تک برابر حضرت عمرؓ کے پہلو میں کھڑے رہے اور حضرت عباسؓ دعا کر رہے تھے اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے (حیاۃ الصحابہؓ، ج ۳ص ۳۳۰ تا ۳۳۱)۔

اس روایت میں حضرت عمرؓ نے جو دعا مانگی وہ رفع الصوت "بلند آواز" کے ساتھ تھی یعنی بلند آواز کے ساتھ گڑگڑا رہے تھے نیز اس روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ "وعجّ الى ربّه" یعنی اپنے پروردگار سے چلا کر فریاد کی "عجّ" عربی میں چلانے کو کہتے ہیں (لغات الحدیث) جس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے چلا کر بلند آواز کے ساتھ فریاد کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور صحابہ کرام کا ذکرِ جہری:

حضرت زھرہ ؒ کا بیان ہے کہ:

عبداللہ بن عمر اذا انصرف من صلاۃ العشاء الآخرۃ یکبّر رافعاً صوتہ حتّی یدخل منزلہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب نماز عشاء سے (فارغ ہوکر گھر) واپس آرہے تھے تو وہ برابر بلند آواز سے تکبیر کرتے یہاں تک گھر میں داخل ہو جاتے (تاریخ ابن عساکر، جلد ۵، ص ۳۸۹)۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ:

انہوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ " لاالہ الا اللہ اور اللہ اکبر " کہہ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہی ہے، یہی ہے، رب کعبہ کی قسم۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہی ہے، یہی ہے۔ کیا چیز ہے؟ فرمایا تقویٰ کا کلمہ اور صحابہ کرامؓ اس کے زیادہ اہل اور حقدار ہیں (کنز العمال، جلد ۱، ص ۲۰۷؛ حیاۃ الصحابہ، جلد ۳، ص ۲۹۴)۔

بعض علماء بلاضرورت بھی جہرِ مفرط غیر موذی کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں؟

بہت سے علماء بلاضرورت غیر موذی اور بلا کسی مانع شرعی کے جہر شدید کو بھی جائز کہتے ہیں جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں "دون الجھر " کا حکم آیا ہے یعنی بلند آواز کی نسبت کم آواز سے ذکر کا ادب جو کہ قرآن مجید نے بتلایا ہے نیز "وَلاتجھرْ بِصلاتِکَ وَلاتُخافِتْ بِھَا " یعنی جہر معتدل کا حکم ہے۔ نیز "اربَعُوْا علیٰ انْفُسِکُمْ " کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ اس میں بھی جہر مفرط سے روکا گیا پھر اس کے بعد اس بات کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ جہر مفرط غیر موذی بلاضرورت بھی جائز قرار دیا جائے۔

اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ "دون الجھر " کا حکم ارشادی ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہر شدید ممنوع یا مکروہ یا حرام ہے نیز وہ اس کے متعلق یہ بھی فرماتے ہیں کہ " دون الجھر " بھی بلکہ یہ پوری سورۃ مکی ہے۔ اور اسکی تفسیر جو کہ "وَلاتجھرْ بِصلاتِکَ وَلاتُخافِتْ بِھَا " کے متعلق تو یہ بات معلوم ہے کہ یہ حکم اس لئے تو نہ تھا کہ جہر شدید ممنوع ہے۔ بلکہ صرف مصلحت کی بنیاد پر تھا کہ جہر شدید کی صورت میں کفار کی طرف سے ایذاء رسانی اور سب وشتم کا خطرہ لاحق تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد جب یہ خطرہ ٹل گیا اور مدینہ منورہ میں نمازوں کیلئے اذان دے دینا بھی شروع ہوا اور خطبے بھی دیئے جانے لگے اور حج وعمرہ میں تلبیہ اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر

تکبیرات تشریق سے پہاڑ گونج اٹھے جس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مخصوص حالات کیلئے ہے وہ یہ کہ جب کفار و مشرکین سے مسلمانانِ اسلام کو ایذاءرسانی کا خطرہ ہوتو یہ حکم ایسے حالات کیلئے ہے اگر چہ علامہ سید محمود آلوسیؒ جو کہ جہر مفرط کو بلاضرورت درست نہیں سمجھتے لیکن وہ بھی اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ؛

والآية علی مايقتضيه كلام الاكثرين محمكة وقيل هي منسوخة بناء علی ما اخرجهٔ ابن مردويه وابن ابي حاتم عن ابن عباس عن النبیّ صلّی اللّٰه عليه وسلم امر تكم بالتوسط بأن لايجهر جهراً شديداً ولايخفض حتی لايسمع اذنيه فلما ها جرالی المدينة سقط ذالک[1]: علماء کی اکثریت کے کلام کا تقاضا یہ ہے[2] کہ یہ آیت محکم اورغیر منسوخ ہےاور کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ ابن مردو یہ ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو جو معتدل اور متوسط جہر کا حکم دیا گیا تھا کہ نہ جہر شدید ہواور نہ ایسی پست آواز ہو کہ اپنے کانوں کو بھی نہ سنائی دے پس جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو یہ حکم ساقط ہوگیا (روح المعانی، جلد ۱۵،ص ۱۹۵)۔

اوراسی طرح کی تفسیر ابن کثیر نے عبداللہ بن عباسؓ سے بھی نقل کی ہے کہ ہجرت کے بعداس کی اجازت دی گئی کہ جس طرح چاہے جہر کے ساتھ تلاوت کریں (دیکھئے تفسیر ابن کثیر، جلد ۳،ص ۶۹) اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا حکم بالکل منسوخ ہوگیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس حالت کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا تھا جب وہ حالت نہ رہی تو حکم بھی نہ رہا۔اور جب بھی مسلمانوں کیلئے ایسے حالات درپیش ہوں کہ قرآن کی تلاوت اور ذکر جہر کی وجہ سے ایذاءرسانی کا خطرہ ہو پھر بھی یہی حکم ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ وہ ان آیتوں جن میں جہر معتدل کا حکم ہے کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق ایسی حالت اورایسی جگہوں کے ساتھ خاص ہے جہاں جہر شدید میں ایذاءرسانی اورسب وشتم کا خطرہ موجود ہواور جب ایسے حالات نہ ہوں تو پھر جہر مفرط بھی جائز ہے۔باقی رہی "اربعـــوا" والی حدیث اس کو شفقت اورمہربانی پرمحمول فرماتے ہیں۔جیسا کہ خود "اربَعُوْا عَلیٰ اَنْفُسِکُمْ" کے لفظ سے واضح ہے۔نیز وہ فرماتے ہیں کہ یہ جنگ اورسفر کا موقع تھا ایسے مواقع میں جہر شدید یا تو خود جہر کرنے والے کیلئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے اورسفر کو پُر مشقت

---

[1] علامہ سیوطیؒ کی تفسیر درمنثور میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ موجود ہے (دیکھئے درمنثور، جلد ۴،ص ۲۰۷)۔

[2] اس کا مطلب یہ نہیں کہ اکثر علماء نے اس پر تصریح کی یا ان کی رائے یہ ہے بلکہ علامہ کا مطلب یہ ہے کہ کلام کا جو تقاضا ہے وہ یہ ہے

بنا لینے کا سبب بن جاتا ہے یا دشمن مسلمانوں کا سراغ لگا کر ان کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

بلند آواز کے ساتھ بلا ضرورت بھی ذکر جائز ہے بلکہ افضل ہے:

جو علماء بلا ضرورت و حاجت کے بھی جہر کامل یعنی رفع صوت بلند آواز اور پکار کر کہنے کو جائز بلکہ افضل قرار دیتے ہیں۔

...... وہ کہتے ہیں کہ جہر میں مشقت زیادہ ہے۔

...... جہر کی برکت ان تمام جگہوں کو پہنچتی ہے جہاں تک ذکر کی آواز جاتی ہے اور اس کی وجہ سے بکثرت گواہ ملتے ہیں۔

...... اس سے دل اور ذہن بیدار رہتا ہے۔

...... اس سے وساوس اور نفسانی کیفیات دفع ہو جاتی ہیں اور اسی طرح کے فوائد اس وقت زیادہ سے زیادہ حاصل ہو جاتے ہیں جب کہ جہر کامل یعنی بلند آواز کے ساتھ ذکر ہو[1]۔

شدید جہر کے ساتھ ذکر و تلاوت کے فضائل:

جو علماء بلا ضرورت و مصلحت جہر کامل اور بلند آواز سے ذکر کی افضلیت کے قائل ہیں وہ دوسرے دلائل کے علاوہ قرآن مجید کی اس آیت کو بھی پیش کرتے ہیں۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا : تو اللہ تعالیٰ کا اس طرح ذکر کرو جیسا کہ تم آباؤ اجداد کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی سخت ذکر کیا کرو (بقرہ، ۲۰۰ تا ۲۰۱)۔

نیز گذرے ہوئے صفحات میں جو حدیثیں اور روایتیں ایسی آ چکی ہیں جن سے رفع الصوت اور شدید جہر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کی دُعا اور خود نبی کریم ﷺ کی دُعا "بصوته اعلی" وغیرہ کو بھی پیش کرتے ہیں نیز وہ ذیل میں آنے والی حدیثوں کو بھی پیش کرتے ہیں۔

"الدال علی الخیر کفاعلہ" خیر اور نیک کام کی نشان دہی کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس کار خیر کا کرنے والا"۔ اور جہر اور رفع الصوت میں جہاں تک آواز پہنچتی ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ کلمہ توحید یا سبحان اللہ

---

[1] دیکھئے مرقاۃ، جلد ۳، ص ۷۲، طحطاوی، ص ۱۱۹، فتاوی خیریہ علی تنقیح الحامدیۃ، جلد ۲، ص ۲۸۱، شامی، جلد ۱، ص ۴۴۴، طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۱۹۰، اس طرح روح المعانی، روح البیان وغیرہ میں ان فوائد کے علاوہ کتب فقہ و تفسیر دوں میں ذکر جہری کے فوائد کا ذکر بھی آیا ہے۔

کہیں گے یا اس پر سوچیں گے اس کا ثواب بھی اسے ملے گا۔ نیز حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

لایسمع مُدی صوت المؤذن جنٌ ولا انسٌ ولا شئٌ الا شھد لهٗ یوم القیامة : مؤذن کی انتہائی آواز کو جو بھی سنتا ہے خواہ انسان ہو یا جن اور یا جو بھی چیز ہو وہ سب قیامت کے دن اس کیلئے گواہ بنیں گے (صحیح بخاری، مشکوٰۃ باب الاذان) ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کیلئے ہر خشک اور تر چیز گواہی دے گی (دیکھئے مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)۔

یعنی جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک جن وانس اور حیوانات ونباتات وجمادات تمام چیزیں اس کیلئے قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ اس حدیث میں مؤذن کو یہ ترغیب دلانی مقصود ہے کہ اذان نہایت بلند آواز سے کہا کریں تا کہ ان کیلئے ایمان کے گواہ زیادہ ہوں۔

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مامن مسلم یلبّی الا لبّی من عن یمینه وشماله من حجر او شجر او مدر حتی تنقطع الارض من ھھُنا و ھھُنا : جب کوئی بھی مسلمان لبیک کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کی ہر چیز خواہ پتھر ہو درخت اور یا ڈھیلے سب لبیک کہتے ہیں، یہاں تک کہ اس طرف سے (یعنی اس کے دائیں طرف سے) اور اس طرف سے (یعنی اس کے بائیں طرف سے) تمام زمین ختم (یعنی اس میں شامل) ہو جاتی ہے (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ)۔

یہ کائنات گونگی بہری نہیں بلکہ جمادات ونباتات دنیا کی ہر ایک ایک چیز بلکہ انسان کے اپنے اعضاء اجزاء انسان کے افعال واقوال کو خاموشی کے ساتھ ریکارڈ کرتے ہیں اور جب قیامت برپا ہوگی اور حساب وکتاب شروع ہو جائے گا تو یہ ساری چیزیں حق کے مطابق گواہی دینگے اور اپنے اپنے محفوظ اور ریکارڈ کردہ افعال واقوال کو بیان کریں گے جیسا کہ اس کا پورا بیان قیامت کے بیان میں موجود ہے۔ البتہ یہاں نبی کریم ﷺ کی دو حدیثوں کو نقل کرتے ہیں۔

ذکر و تلاوت سے شیاطین اور فاسق جنات بھاگ جاتے ہیں اور فرشتے آجاتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

تم میں سے جوکوئی رات کے وقت نماز پڑھے تو اپنی قرأت کوجہراً (بلندآواز) کے ساتھ پڑھا کریں کیونکہ ان کے ساتھ فرشتے نماز میں شریک ہوجاتے ہیں اوراس کی قرأت کو سنتے ہیں اورہواؤں میں اور قاری کے آس پاس جومومن جنات ہیں سب اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اوراس کی قرات سنتے ہیں اور یہ قاری اپنی جہری قرات کے ذریعے اپنے گھر سے اوراپنے گھر کے اردگرد سے فاسق جنوں اورسرکش شیطانوں کو بھگا دیتے ہیں (الفتاوی الکبری ج ا ص ۱۷۷)۔

آس پاس کے گھرانوں سے شیطانوں کواس وقت بھگایا جاسکتا ہے کہ وہاں تک قاری کی آواز پہنچ جائے اور یہی جہر شدید ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ سے روایت ہے کہ:

خرجنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نصرخ بالحج صراخاً: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے ہم حج کے لئے چلایا کرتے تھے (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم)۔

حضرت خلاد بن السائبؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم فرمایا کہ " ان آمر اصحابی ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال او التلبیة " کہ میں (اپنے صحابہ کو) حکم دوں کہ وہ اپنے تلبیہ (یعنی لبیک کہنے میں آوازیں بلند کریں۔(مشکوٰۃ بحوالہ موطا امام مالک وترمذی)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

میں سواری پر حضرت ابوطلحہؓ کے پیچھے بیٹھا تھا " وانھم لیصرخون بھما جمیعا الحج والعمرة " اور صحابہ کرامؓ دونوں کے لئے یعنی حج وعمرہ (دونوں) کے لئے چلاتے تھے (مشکواۃ بحوالہ بخاری)۔

اسی طرح اور بہت سے روایات ایسی ہیں جن کی بنیاد پر بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ کہ ذکر جہر اگر مفاسد سے خالی ہوتو بوجہ مشقت ذکر سری سے افضل ہے اور مشقت جہر شدید میں ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ دوسرے فوائد جو بیان کرتے ہیں مثلاً یہ کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، اس سے دل نرم ہوتے ہیں ، وہ بھی جہر شدید کی صورت میں حاصل ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اپنے رسالہ " سباحته

الفکر " میں ذکر جہری سے متعلق متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں؛ یہ صحیح احادیث ہیں ان سے اور ان جیسی احادیث سے صراحۃً یا اشارۃً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر جہری میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے بلکہ اس میں اس کا جواز یا استحباب ملتا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ ذکر جہری میں دلوں کو نرم کرنے کی ایسی تاثیر ہے جو سری ذکر میں نہیں ہے" (سباحۃ الفکر)۔

جہر شدید کے جواز و استحباب میں بھی بحث و کلام کی پوری گنجائش ہے:

بہر حال جہر شدید کے جواز و استحباب یا افضلیت میں بھی بحث و کلام کی پوری گنجائش موجود ہے اس لئے اس کے متعلق بھی اپنے قلم و زبان کو محتاط رکھیں اور جہر معتدل میں تو کلام ہی نہیں۔ ہاں اگر اس سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے تو وہ جہر موذی ہو جائے گا جس سے روکنا چاہیے۔

باب

مجالس ذکر اور ان کے فوائد

ذکر اللہ کی مجالس کا انعقاد و قیام بہت مبارک کام ہے اور قرآن و حدیث میں ان کی ترغیب و تائید اور بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں ان مجالس کے چند فوائد یہ ہیں۔

...... ذکر کی مجالس وہ باغ ہیں جن میں دلوں کی آبیاری ہوتی ہے اور یہ ایمانی و روحانی ترقی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

...... ان کی وجہ سے قلوب اللہ تعالیٰ کی طرف مائل اور متوجہ ہوتے ہیں۔

...... ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی ذکر الٰہی کی ترغیب ہو جاتی ہے۔

...... ان مجالس کیوجہ سے کم ہمتوں کی ہمتیں بڑھ جاتی ہیں اور ذکر الٰہی پر استقامت نصیب ہوتی ہے۔

...... صاحب دل لوگوں کے ذکر اور روحانی موجوں میں غافل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور دل کی بیداری حاصل ہو جاتی ہے۔

...... مجلس ذکر کے تمام ذاکرین سے جو قلبی نور اور مہک جمع ہو جاتی ہے وہ ہر ایک شریکِ مجلس میں جگمگا اٹھتی ہے جس کی وجہ سے ہر ایک کو حسبِ استعداد اور حسبِ اخلاص ذکر الٰہی میں رسوخ اور پختگی حاصل ہوتی ہے۔

...... ان مجالس پر روحانی اور نورانی فرشتوں کا نزول ہوتا ہے ان کی روحانیت اور نورانیت سے یہ مجالس اور زیادہ پُر نور اور دلوں کے اطمینان و طمانیت کا سبب بنتی ہیں۔

...... مجالس ذکر وہ روحانی حصار اور قلعے ہیں جن کے ذریعے انسان نفس و شیطان کے وار سے بچ سکتا ہے۔

...... مجالس ذکر سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور شرکائے مجلس کی بخشش فرماتا ہے اور ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

...... مجالس ذکر جنت کے باغ ہیں۔ جو ان میں شریک ہوتا رہے گا وہ روز محشر میں موتیوں کے

منبروں پر ہونگے اور انکے چہروں میں نور چمکتا ہوگا۔

...... ذاکرین کے لئے جھنڈا ہوگا وہ اس جھنڈے کے پیچھے جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہونگے اور جنت کے بالا خانوں اور باغوں میں رہیں گے۔

مجالس ذکر کے یہ چند فوائد ذکر کئے گئے ہیں احادیث میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد وفضائل بیان ہوئے ہیں جس کا کچھ بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

شیطان مجالس ذکر سے جز بز ہوجاتا ہے:

خلاصہ یہ کہ ذکر کی مجالس میں بہت سے فوائد ہیں اور شیطان جو انسان کا بنیادی اور اصل دشمن ہے وہ ان فوائد کو دیکھ کر مجالس ذکر سے جز بز ہوجاتا ہے اس لئے اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے مجالس ذکر اور ان حصاروں اور قلعوں کو ختم کیا جائے جن میں انسانیت کی حفاظت اور نجات وفلاح ہے

مجالس ذکر کے مراکز مساجد اور خانقاہیں ہیں:

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کے روحانی تسلسل کی حفاظت اور بقاء اور افراد کے اخلاق و اعمال کا تزکیہ انہی روحانی مراکز مساجد اور خانقاہوں میں ہوا ہے اور ان مراکز سے دین اسلام کے ہر شعبے میں کام کرنے والوں نے ایمان و یقین، اخلاق و احسان، تعلق مع اللہ اور تقویٰ و پرہیز گاری کی روح کو حاصل کیا۔

چنانچہ جتنے مجدّدین امت اور مصلحین امت گزرے ہیں سب کے سب انہی مراکز اور خانقاہوں کے تربیت یافتہ ہیں مثلاً امام شاہ ولی اللہؒ، مجدد الف ثانیؒ، امام شاملؒ۔ سید احمد شہیدؒ، امام سنوسی۔ فرنگ اور انگریز کے ساتھ لڑنے والے شیخ المشائخ مجاہد ملت حضرت حاجی امداد اللہؒ، بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حسین احمد مدنیؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریاؒ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ اور انگریز سے لڑنے والے پاکستان کے صوبہ سرحد کے امام المجاہدین حضرت مولانا عبدالغفور سواتیؒ، حضرت مولانا محمد عمر شاہؒ عرف صاحب مبارک کربوغہ شریف، حضرت حاجی ترنگزئیؒ اور فاتح کشمیر حضرت مولانا حاجی محمد امین صاحبؒ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب وہی لوگ ہیں جنہوں نے انہی مراکز اور خانقاہوں میں تربیت پائی تھی اور آج بھی صحیح معنوں میں جو حضرات کفر و شرک کے علمبرداروں یہود و ہنود اور انگریز کے خلاف لڑتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو انہی مراکز

کے تربیت یافتہ ہیں۔

دشمنان اسلام کو خطرہ کس سے ہے؟

غرض یہ ہے کہ یہی مجالس ذکر کے مراکز اور خانقاہیں ہیں جو شیطان اور اس کے چیلوں دشمنان اسلام یہود و ہنود کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں اور ان سے وہ بہت زیادہ خطرہ محسوس کرتے ہیں اور انہوں نے اس راز کو پالیا ہے کہ اصلاً یہی وہ پاور ہاؤس ہیں جہاں سے اسلام کے سچے خادم سرفروشان اسلام اسلامی اخلاق سے آراستہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے سپاہی تیار ہوتے ہیں۔ جو بڑی سے بڑی قربانی بھی آنکھ بند کر کے دے دیا کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام کی بقاء و حفاظت کے لئے مال و جان اور عزت کی بازی لگاتے رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو پورے عالم اسلام میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والی استعماری طاقتوں کے سب سے زیادہ مخالف ہیں اور ان دشمنان اسلام کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اس لئے شیطان کے چیلوں یہود و ہنود وغیرہ دشمنانِ اسلام اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ذکر الٰہی کے مراکز اور مجالس ذکر اور ان درسگاہوں اور مدارس کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو مدارس اور درس گاہیں ان پاور ہاؤسوں اور خانقاہوں سے وابستہ ہیں اور ان ظالموں نے تاک کر نشانہ لگایا ہے اور سب سے زیادہ پروپیگنڈہ تصوف، صوفیائے کرام اور انہی مجالس ذکر کے مراکز اور خانقاہوں اور ان مدارس کے بارے میں کرتے ہیں جن سے شیطان اور اس کے چیلے پریشان و سرگردان ہیں۔

مجالس ذکر کو ختم کرنے کے لئے شیطانی سازشیں:

مجالس ذکر اور خانقاہوں کو ختم کرنے کے لئے شیطان اور اس کے چیلے طرح طرح کی سازشیں کرتے ہیں مسلمانوں کے اندر حیلوں بہانوں سے ذکر اور مجالس ذکر کے متعلق شکوک اور اوھام پیدا کرتے ہیں اور شیطان کے داؤ میں سے ایک داؤ یہ بھی ہے کہ وہ کسی مبہم روایت سے یا من گھڑت روایت کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کی راہ سے ہٹا دیتا ہے ان روایتوں میں سے ایک محتمل، مبہم وہ روایت بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور حدیث کے پورے ذخیرہ میں وہ ایک روایت ایسی ہے جس کو مجالس ذکر کے خلاف بطور پروپیگنڈہ استعمال کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت اور اس کی حیثیت:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب روایت کونسی ہے؟ اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ اس کی قدرے تفصیل کی ضرورت ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب اثر کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ہم نماز فجر سے قبل عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازے پر ان کے انتظار میں بیٹھے تھے اور انکے ساتھ ہوکر مسجد میں آئے تھے ایک دن حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (گھبرائے ہوئے) آئے اور ہم سے پوچھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نکلے یا کہ نہیں؟ ہم نے کہا نہیں جب ابن مسعودؓ نکل آئے تو ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ ابھی ابھی ہم نے ایک جماعت کو دیکھا ہے جو نماز کے انتظار میں (جگہ جگہ) حلقے باندھ کر بیٹھی ہے اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں ہر حلقے میں ایک شخص ہے جو کہتا ہے کہ (۱۰۰) سو مرتبہ تکبیر کہو تو وہ (۱۰۰) سو بار تکبیر کہتے ہیں پھر کہتا ہے کہ سو بار لاالہ الا اللہ کہو تو وہ لاالہ الا اللہ کہتے ہیں پھر اسی طرح سبحان اللہ کہنے کی ہدایت کرتا ہے وہ سبحان اللہ کہتے ہیں جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد کو پہنچے تو انہوں نے (ان حلقوں میں سے) ایک حلقے والوں کو مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ کیا ہورہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ کنکریاں ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی تکبیر وتہلیل اور تسبیح کر رہے ہیں تو ابن مسعودؓ نے فرمایا تم بجائے تکبیر وتہلیل اور تسبیح کے اپنے گناہوں کو شمار کرو تو میں اس کا ضامن ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں سے کچھ بھی ضایع نہیں کرے گا، افسوس تم پر اے امت محمد ﷺ کس قدر جلد ہی تم ہلاکت میں پڑ گئے ابھی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب تم میں بکثرت موجود ہیں اور ابھی تک رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور آپ ﷺ کے استعمال کے برتن نہیں ٹوٹے، شاید تم ایسے طریقے پر ہو جو محمد ﷺ کے طریقہ سے زیادہ عمدہ اور زیادہ ہدایت والا ہے یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو (سنن دارمی ج ۱ ص ۶۰)۔

سنن دارمی کے علاوہ مصنف عبدالرزاق، جلد ۳، ص ۲۲۱ اور المعجم الکبیر جلد ۹، ص ۱۳۳ اور تلبیس ابلیس علامہ ابن جوزیؒ میں بھی مختلف طرق سے یہ اثر موجود ہے لیکن کوئی طریق بھی ضعف سے خالی نہیں ہے۔ رہا متن تو اس کے متن کے اندر بھی خفیہ علت موجود ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یا تو یہ اثر حضرت ابن مسعودؓ پر جھوٹ وافتراء ہے یا حضرت ابن مسعودؓ کا انکار ایک خاص محل پر محمول ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے رُو سے جہر معتدل اور مجالس ذکر کا جواز واستحباب ثابت ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی قرآن و

حدیث کی مخالفت کریں۔

جس چیز کا جواز اور حلال ہونا ثابت ہو اس کے متعلق قرآن مجید کا اصول:

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جس چیز کا جواز و استحباب یا حلال ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اس کی کسی صورت یا کسی فرد و جزو کو بغیر کسی مضبوط دلیل و برھان کے ناجائز یا حرام یا بدعت کہنا خود قرآن مجید اور شریعت مطہرہ کی رُو سے ناجائز اور ایک اعتقادی بدعت ہے اور یہاں اس کے متعلق قرآن مجید کے صرف ایک مقام کو پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ عرب میں گوشت اور دودھ وغیرہ کے لئے جو جانور گھروں میں پالے جاتے تھے ان میں سے چار زیادہ معروف تھے بھیڑ، بکری اور اونٹ، گائے ان چاروں کے نر و مادہ کو الگ الگ گنیں تو یہ سب آٹھ بن جاتے ہیں جانوروں کے ان اقسام میں عربوں نے اپنے مشرکانہ توہمات کی بنیاد پر بعض کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرایا تھا مثلاً بعض جانوروں کو اگر ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو اس کا گوشت صرف مرد کھائیں اور عورتیں نہ کھائیں اسی طرح بعض سواری کے جانوروں کی پیٹھ پر سوار ہونا اور ان کے اوپر بوجھ لادنا ان کے نزدیک ناجائز و حرام تھا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ ان میں ایک ایک کو فرداً لے کر ان سے پوچھو کہ ان میں سے کس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اور ان سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے سوال کا جواب کسی علمی یا عقلی دلیل و برھان سے دیں محض اٹکل کے تیر بے تکے نہ چلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ط قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ط قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ج فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ: چوپایوں کی آٹھ قسموں کو لو، بھیڑ کی قسم میں سے (نر و مادہ) دو اور بکری کی قسم میں سے (نر و مادہ) دو، ان سے پوچھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے نر حرام کئے ہیں یا دونوں کے مادہ کو یا اس بچے کو جو دونوں مادہ (بھیڑ و بکری) کے رحم میں ہے مجھے دلیل کے ساتھ بتاؤ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو اور اسی طرح (نر و مادہ) دو اونٹ کی

قسم میں سے ہیں اور دو گائے کی قسم میں سے، ان سے پوچھو کہ دونوں کے نر اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ہیں یا ان دونوں کے مادہ کو یا اس بچے کو جوان دونوں مادہ (اونٹنی اور گائے) کے رحم میں ہے کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے تا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرے بغیر کسی علم کے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا (الانعام ۱۴۳-۱۴۴)۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اصلاً ان جانوروں اور ان کے نر و مادہ اور ان کے پیٹ کے بچے کو حلال کیا ہے ان میں سے کسی کی حرمت کا دعویٰ یہ نہیں کر سکتے تو پھر انہی کے بعض اجزاء اور بعض افراد پر حرمت اور عدمِ جواز کا حکم کہاں سے طاری ہوا؟ کہ بعض کا کھانا ناجائز ہو جاتا ہے اور بعض پر سواری حرام ہو جاتی ہے آخر میں فرمایا کہ ان سے محروم النعمۃ اور ظالم لوگ کون ہو سکتے ہیں، جو بغیر کسی علمی سند و دلیل کے محض جھوٹے بہتان کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ بلاشبہ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے اور علم و تحقیق سے تہی دست ہونے کے باوجود لوگوں کو باطل اور غلط مسائل بیان کرتا ہے اور ان کو گمراہ کرتا ہے جس شخص نے اس قدر ڈھٹائی اختیار کی ہو اور ایسے ظلم عظیم پر کمر باندھ لی ہو اس سے ہدایت پانے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کس چیز پر تھا:

مذکورہ بالا آیتوں کی روشنی میں سوال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا انکار کس چیز پر تھا؟ ان کا انکار معین عدد پر تھا تو یہ قطعاً صحیح نہیں کیونکہ عدد معین کے ساتھ تسبیح و تہلیل وغیرہ شریعت مطہرہ میں دوپہر کے چڑھتے ہوئے سورج کی طرح ثابت ہے بلکہ خود حضرت ابن مسعودؓ سے بھی صحاح و دیگر کتب احادیث مشہورہ میں معلقاً و متصلاً، تسبیح و تہلیل عدد معین کے ساتھ اسانید صحیحہ کے ساتھ منقول ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ذکر جہری:

اور اگر انکار جہر پر ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جہر معتدل تو خود قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود بھی ذکر جہر کرتے تھے جیسا کہ ان کے خاص شاگرد ابو وائل شقیق بن سلمہؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام سیوطیؒ، حضرت امام بن حنبلؒ کی کتاب "الزھد" سے نقل فرماتے ہیں اور ان سے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ:

عن ابی وائل قال ھؤلاء الذین یزعمون ان عبداللّٰہ کان ینھیٰ عن الذکر ماجالست مجلساً قطّ الاّ ذکر اللّٰہ فیہ: یہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ ذکر سے منع کیا کرتے تھے حالانکہ جب بھی میں ان کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھا تو وہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے (الحاوی للفتاوی ج اول ص ۳۹۴)۔

ذکر سے مراد یہاں ذکر جہری ہی ہے کیونکہ یہ تو کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا کہ العیاذ باللہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ذکر الٰہی کے منکر تھے کیونکہ یہ تو خالص کفار اور دھریوں کا عقیدہ اور طرز عمل ہے بلکہ دراصل یہ اس اثر کی تردید ہے جو ان کے متعلق لوگوں میں پھیلایا گیا تھا کہ آپ نے ذکر جہری کرنے والوں پر انکار کیا تھا حضرت ابو وائلؒ نے اس اثر کی تردید اور تغلیط کی، کہ یہ غلط ہے بلکہ وہ تو خود ذکر جہری کرتے تھے اور ان کی کوئی مجلس ذکر سے خالی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالحیٔؒ نے "ذکر" کے ساتھ "الجھر" لکھا ہے یعنی ذکر جہر کرتے تھے اور حضرت علامہ حقیؒ نے بھی اپنے رسالہ "فضل التسبیح و التھلیل" میں حضرت ابو وائلؒ کی اس روایت کو نقل کیا ہے انہوں نے بھی "ذکر" سے مراد ذکر جہری ہی لیا ہے اور خود امام سیوطیؒ نے بھی اس سے ذکر جہری پر استدلال کیا ہے (سباحۃ الفکر)۔

مجلس ذکر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

کہنے والا کہتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا انکار مجلس ذکر پر تھا تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ مجالس ذکر کی اہمیت و استحباب قرآن و حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان آنے والا ہے بلکہ حضرت ابو وائل کی روایت میں غور و فکر کریں تو اس میں اس قصے کی تردید موجود ہے اور حضرت ابو وائل نے دو لفظوں میں اس قصے کی تردید فرمائی جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

مجالس ذکر شیطان کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں:

نیز خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ بیان ہے کہ شیطان کی آنکھوں میں سب سے زیادہ جو چیز کھٹکتی ہے وہ مجالس ذکر ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر بن میمونؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

ان الشیطان لطاف باھل الذکر لیفتنھم فلم یستطع ان یفرق بینھم فاتیٰ علی حلقۃٍ یذکرون الدنیا فاغریٰ بینھم حتّٰی اقتتلو افقام اھل الذکر

فحجزوا بینھم فیتفرّقوا : شیطان مجلس ذکر کرنے والوں کے اردگرد چکر لگاتا ہے تاکہ ان کو کسی طرح آزمائش میں ڈال کر ان کی اس مبارک مجلس کو ختم کردے۔ پس (وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوا اور) یہ بات اس کی قدرت سے باہر تھی کہ ان کو (مجلس سے ہٹا کر ان کو) تتر بتر کردے پھر وہ ایک ایسی جماعت کے پاس آیا جو دنیا کے دھندوں اور باتوں میں مشغول تھی شیطان نے ان کے درمیان پھوٹ ڈال دی یہاں تک کہ وہ آپس میں لڑ پڑے (یہ دیکھ کر) مجلس ذکر والے اٹھ گئے اور (ان کو لڑائی سے باز رکھنے کے لئے) ان کے درمیان حائل ہو گئے پس اس طرح وہ (مجلس ذکر سے اٹھ کر) تتر بتر ہو گئے (کتاب الزھد، ص۱۹۶)۔

حضرت ابن مسعودؓ اس قصے کے ذریعے مجالس ذکر کی اہمیت کو بیان فرماتے ہیں کہ ان پر شیطان کا بس نہیں چلتا ہے اور وہ حفاظت کے قلعے ہیں اور شیطان ہمیشہ اس کوشش میں ہوتا ہے کہ وہ مجالس ذکر سے لوگوں کو ہٹا دے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شیطان ذکر کی مجلس سے جز بز ہوتا ہے اور مجالس ذکر اس کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجالس ذکر شیطان سے بچنے کے لئے محفوظ اور مضبوط قلعے ہیں اس کے برعکس دنیا کی مجالس شیطان کے مورچے ہیں جن سے وہ مجالس ذکر پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اثر ابن مسعودؓ کے متعلق محققین علماء کی آراء:

بہرحال جب شریعت میں ذکر جہری جائز ہے اور معیّن مقدار کے ساتھ تسبیح وتہلیل اور مجلس ذکر بھی جائز ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن وحدیث کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے مجلس ذکر جہری پر بدعت کا فتویٰ لگائیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے محققین علماء نے اس اثر کو یا تو من گھڑت قرار دیا ہے یا پھر اس روایت کو اس کے ٹھیک مقام پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت علامہ کردری صاحب بزازیہؒ کا اس اثر سے جواب:

وہ فرماتے ہیں کہ: الاخراج عن المسجد لو نسب الیہ بطریق الحقیقۃ بجواز ان یکون لاعتقادھم العبادۃ فیہ ولتعلیم الناس بدعۃ :حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ان لوگوں کو مسجد سے نکالنا اگر واقعی طور پر ثابت ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس جہر کو عبادت سمجھ لیا تھا (کہ صرف ذکر جہری عبادت ہے) اور ان لوگوں کو یہ تعلیم دینا

مقصود تھا[1] کہ (یہ عقیدہ رکھنا کہ صفت جہری عبادت ہے، بدعت ہے) (فتاوی بزازیہ علی حاشیہ الھندیہ، جلد ۶، ص ۳۷۸ تا ۳۷۹)۔

مشہور محدث امام سیوطیؒ کے نزدیک حضرت ابن مسعودؓ کا اثر:

وہ فرماتے ہیں کہ: **هذا الاثر عن ابن مسعود على تقدير ثبوته معارض بالاحاديث الكثيرة الثابتة المتقدمة وهي مقدمة عندالتعارض** : یہ اثر ابن مسعودؓ سے (اول تو ثابت ہی نہیں اور) اگر بالفرض والتقدیر ثابت بھی ہو جائے تو یہ ثابت شدہ بہت سی احادیث سے جن کا بیان پہلے گذر چکا ہے معارض ہے اور تعارض کی صورت میں انہی (احادیث مرفوعہ) کو ترجیح ہوگی (الحاوی للفتاوی، جلد ۲، ص ۳۹۴)۔

اس کے بعد امام سیوطیؒ نے اس اثر کی تردید کیلئے حضرت امام بن حنبلؒ کی کتاب "الزھد" سے حضرت ابووائل کی وہ روایت نقل کی ہے جو حضرت ابووائل نے ان لوگوں کی تردید میں فرمائی تھی جو یہ دعوی کرتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لوگوں کو ذکر جہری سے منع فرمایا تھا، جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔

اثر ابن مسعودؓ کے متعلق علامہ حقیؒ کی رائے:

حضرت مولانا عبدالحئیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علامہ حقیؒ اپنے رسالہ فضل التسبیح والتہلیل میں لکھتے ہیں کہ: **مانقل عن ابن مسعود غيرثابت بدليل مافي كتاب الزهد بالسند الى ابي وائل انه قال هؤلاء الذين يزعمون ان عبدالله بن مسعود كان ينهي من الذكر ماجالسته مجلساً الاذكر الله اي جهر** : یہ جو عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا جاتا ہے ثابت نہیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ کتاب الزھد میں سند کے ساتھ (خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص شاگرد) ابووائل سے منقول ہے کہ یہ لوگ جو دعوی کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ ذکر (یعنی ذکر جہری) سے منع کرتے تھے (حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ) میں ان کے ساتھ جب بھی کسی مجلس میں بیٹھا تو وہ اس میں ذکر (یعنی ذکر جہری) کیا کرتے تھے (سباحۃ الفکر، ص ۷)۔

اثر ابن مسعودؓ کے متعلق مشہور مفسر علامہ محمود آلوسی حنفیؒ کی رائے:

---

[1] علامہ کردریؒ کے ان الفاظ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو ......

وہ فرماتے ہیں کہ؛ لایصح عند الحفاظ من الائمة المحدثین وعلی فرض صحته ھو معارض مایدل علی ثبوت الجھر منه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه مما رواہ غیر واحد من الحفاظ او محمول علی الجھر البالغ: (یہ اثر) حفاظ حدیث ائمہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں اور اگر بالفرض اس کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو خود ابن مسعودؓ سے منقول ذکر بالجہر کی روایتوں سے (یہ روایت) معارض (اور ٹکراتی) ہے (جس کا قبول کرنا ہرگز صحیح نہیں) یا پھر یہ جہر بالغ (یعنی چلا چلا کر) ذکر پر محمول ہے (تفسیر روح المعانی، جلد ۱۶، ص ۱۶۳)۔

اثر ابن مسعودؓ کے متعلق شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی رائے:

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی دیو بندیؒ مجالس ذکر کے متعلق چند حدیثوں کو ذکر کر کے اس اثر کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ روایات اوران کے ہم معنی شیخین وغیرہما کی مرفوعات صحیحہ ہیں ان کے مقابلہ میں دارمی کی وہ روایات جو آپ نے ذکر فرمائی ہے، کیا حیثیت رکھتی ہے جب کہ وہ موقوف ہے اور اس کے رواۃ متفق علیہ نہیں ہیں، اگر چہ ثقات ہیں اس لئے اگر معارضہ کیا جائے گا تو احادیث مذکورہ بالا ہی کو ترجیح ہوگی، خصوصاً جب کہ اطلاق آیات ذکر ان کی مؤید ہیں، فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ (الایة، آل عمران) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (احزاب) وغیرہ جن سے اجتماع اور انفراد سب کا ثبوت ہوتا ہے، اور اگر کوئی صورت جمع کی نکالی جائے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ کوئی چیز ہر دو صاحبوں نے اس جماعت میں ایسی مشاہدہ کی جو کہ زمانہ سعادت میں نہیں پائی گئی اور اس میں افراط تفریط کا شائبہ تھا، اس بناء پر اس کو منع کیا نہ کہ نفس اجتماع بالذکر اور اس کی مباح کیفیات کو۔ خط کشیدہ عبارات پر تینوں روایتوں میں غور فرمایئے، اس روایت میں قراءت قرآن پر بھی تو نکیر ہے، پھر کیا اس میں مطلقاً ممانعت جاری ہوسکتی ہے اور اگر ایسا کیا جائے تو کیا آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کا خلاف لازم نہیں آئے گا؟ اور اگر اس میں کوئی تخصیص ایسی کیجائے جو کہ محض انکار ہوسکتی تو حلق ذکر میں کسی خاص کیفیت منکرہ پر یہ ممانعت محمول ہوگی واللہ اعلم۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیو بند، ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۷۰ء (مکتوبات شیخ الاسلام، جلد دوم، ص ۴۰

تا ۶۴، مکتوب ۶)

اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو بندہ کے نزدیک اس کی ایک وجہ وہی معلوم ہوتی ہے جو کہ خود اس روایت سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ نماز فجر کے انتظار میں بیٹھے تھے اور بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے حالانکہ یہ وقت فجر کی سنتیں ادا کرنے اور نماز کے انتظار کا تھا جس میں ان کے ذکر کی وجہ سے انتشار اور لوگوں کی نمازوں میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا، واللہ اعلم۔

امّت مسلمہ کے ساتھ خیر خواہی:

یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب غیر صحیح یا محتمل وہ اثر جس کو ذکر جہر اور مجالس ذکر کے خلاف بطور پروپیگنڈہ استعمال کیا جا رہا ہے، جبکہ آجکل امت کے اکثر افراد پہلے ہی سے دینی کاموں، مجالس ذکر سے دور بھاگتے ہیں اور دنیا کی محبت فضول کھیلوں اور ٹی وی، وی سی آر وغیرہ نے ان کو ذکر الٰہی سے غافل کر دیا ہے اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح نماز ذکر وغیرہ سے چھٹکارا مل جائے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ ہر اس شخص کی باتوں پر واہ واہ کہتے ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں، جو ان کو دینی کاموں سے آزاد کر دیتے ہیں، ایسے حالات میں تو امت مسلمہ کے ساتھ خیر خواہی یہ تھی کہ امت مسلمہ کو دینی اعمال پر ابھارتے ان کو ذکر اور مجالس ذکر کی ترغیب دیتے لیکن اس کے برعکس بعض لوگوں نے اسلام دوستی کے رنگ میں یہ رویہ اپنا رکھا ہے کہ جن لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دین اور یاد الٰہی کی طرف مائل ہو گئے ہیں ان کو وہ طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے ذکر الٰہی اور مجالس ذکر سے روکتے ہیں۔

عوام کی اکثریت مرغوبات نفس کے ساتھ ہوتی ہے:

اور وہ اس پر خوش ہو رہے ہیں کہ عوام الناس میرے ساتھ ہیں، حالانکہ عوام الناس کی اکثریت اپنے نفس کی مرغوبات کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ ان کے ساتھ۔ یہی وجہ ہے کہ یا تو ان قصہ خوانوں اور خطیبوں پر لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے جو چند سستے آسان اعمال پر جنت کا ٹکٹ دیتے ہیں یا ان پر جو ان کو بے عملی میں جنت کے باغ دکھاتے ہیں۔ مثلاً اگر لوگوں سے یہ کہا جائے کہ بیس (۲۰) رکعت تراویح بدعت اور آٹھ رکعت سنت ہیں تو ایسی صورت میں وہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کے متفقہ اور تواتر عملی سے ثابت شدہ عمل کو تو چودھویں صدی کے " نیم ملا خطرہ ایمان " کے کہنے پر چھوڑ دیں گے اور اس کے برعکس اسی نام نہاد دین کے شیدائی کو اگر یہ کہہ دیا جائے کہ مروجہ بنک کی ملازمت ناجائز اور بنک کا منافع سود اور حرام ہے تو وہ ہرگز اس یقینی حرام اور سود یا تجارت وغیرہ میں خیانت

کو چھوڑ نے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ اسی حرام کو حلال بنانے کیلئے حیلے بہانے ڈھونڈتا پھرتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ دین کے بجائے دنیا اور احکام الٰہی کے بجائے مرغوبات نفس کا شیدائی ہوتا ہے۔لیکن وہ اس کو دینی رنگ دے کر اپنے نفس کو بے دینی پر مطمئن کرتا ہے۔اس سے اندازہ لگائیے کہ جولوگ عوام الناس کو ذکر اللہ اور مجالس ذکر سے روکتے ہیں تو وہ کس قدر ظلم عظیم اور تباہ کن جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

جواللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے روکے اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا:

بلا شبہ جولوگ مختلف حیلوں و بہانوں سے لوگوں کو ذکر الٰہی سے روکتے ہیں وہ بہت بڑے ظالم ہیں آخر اس سے بڑھکر ظالم کون ہوسکتا ہے؟ جو دین کے نام پر لوگوں کو یاد الٰہی سے روکتا ہے۔ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَاللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا: اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روکے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرے(بقرہ/۱۱۴)۔

شیطان کا اصل ہدف لوگوں کو ذکرِ الٰہی سے روکنا ہے:

شیطان کا اصل ہدف یہی ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روک دے اور ان کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈالدے، اس مقصد کے حصول کیلئے وہ طرح طرح کی کوششیں کرتا ہے وہ دنیا کی چیزوں اور حب الشہوات کو مزین کر کے ان میں لوگوں کو پھنساتا ہے، کھیل تماشے اور نشہ آور چیزیں بھی اس کے بہترین جال ہیں، جتنے شرکیہ عقائد اور شرکیہ افعال ہیں وہ لوگوں کو ان میں مبتلا کرتا ہے، اس لئے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مشکل کشا، حاجت روا بنائیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے بجائے مخلوق کی یاد میں مشغول ہو جائیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ؛

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ: شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض(وکینہ) ڈال دے اور تم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکے تو کیا تم اب بھی ان سے باز آجاؤ گے(مائدہ/۹۱)۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡهِمُ الشَّیۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِکۡرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ الشَّیۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ: ان (منافقوں) پر شیطان مسلط ہو گیا ہے پس اس نے انھیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا ہے یہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں سن لو شیطان کی پارٹی ہی نقصان اٹھانے (اور برباد ہونے) والی ہے (سورۃ مجادلہ/۱۹)۔

انسان کیلئے حفاظت کا قلعہ:

اس میں شک نہیں کہ انسان کا اصل محافظ اللہ تعالیٰ اور اس کی یاد ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی وہ قلعہ ہے جس میں انسان شیطان کے حربوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو شخص اس سے محروم ہو جائے وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، بلاشبہ اسلام نے زندگی کی تمام رفعت وعظمت کو ذکرِ الٰہی کے ساتھ وابستہ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی انسان کو زندگی کی اصل حقیقتوں سے کبھی بے پرواہ نہیں ہونے دیتی۔ جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کبھی راہ حق سے بھٹک نہیں سکتا اگر کبھی کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد اس کو سنبھال لیتی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوا اس کا دل ایک ویران جنگل بن جاتا ہے جس میں شیطان اپنا گھر بنالیتا ہے اور اس کو ھوائے نفس کی راہ پر لگا کر تباہ وبرباد کر دیتا ہے۔

مجالسِ ذکر کو فروغ دیجئے:

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خود بھی بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور یاد رکھیں اور اس کیلئے مجالسِ ذکر کو فروغ دیں اور ان مجالس کو غنیمت سمجھیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی یاد پیدا ہوتی ہے اور جن میں یادِ الٰہی ترقی کرتی ہے اور وہ لوگوں کو غفلت سے نکال کر ان کے دلوں کو یادِ الٰہی سے معمور کریں ان مجالس کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کی مجالس وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وبڑائی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے اور ذکر اللہ اور نماز اور حسن معاملات اور حسن اخلاق وغیرہ کے فضائل اور آخرت جنت اور دوزخ وغیرہ کے بیانات اور تذکرے ہوتے ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کے طور طریقے اور مسائل سکھائے جاتے ہیں ایسی مجالس کو عام اصطلاح میں علمی اور تعلیمی مجالس یا مجالس علم کہتے ہیں اور مجالس کی دوسری قسم وہ ہے جن میں یادِ الٰہی کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے، یہ مجالس اللہ تعالیٰ کے ذکر تہلیل وتسبیح وغیرہ کی مجالس ہیں ان کو عام اصطلاح میں مجالس ذکر کہتے ہیں۔ مجالس علم کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے ذکر کی طرف مائل کیا جاتا ہے اور انہی مجالس کے ذریعے بندوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کا شوق پیدا کیا جاتا ہے۔ اور ذکر اور مجالس ذکر کے ذریعے دلوں کی

آبیاری ہوتی ہے اور ان کے ذریعے یادِ الٰہی میں ترقی ہوتی ہے، اور ان کی وجہ سے ذکرِ الٰہی کو فروغ ہوتا ہے۔

مجالس ذکر کے متعلق فقہاء اور علمائے اسلام کے اقوال اور احوال

مجالس ذکر کا جواز و استحباب قرآن وحدیث سے اس قدر واضح اور ثابت ہے کہ کوئی عالم دین بھی اس کے جواز و استحباب سے انکار نہیں کر سکتا، البتہ مجالس ذکر کے ساتھ اگر کوئی ناجائز کام شامل ہو جائے تو وہ مجلس، مجلسِ ذکر نہیں بلکہ اس ناجائز کام کیوجہ سے ناجائز ہو جاتی ہے، جیسا کہ زمزم کے پورے مٹکے میں تھوڑی سی ناپاک چیز مثلاً پیشاب مل جائے تو اس ناپاک چیز کیوجہ سے پورا مٹکا ناپاک ہو جاتا ہے، اسی طرح فقہاء و علماء کرام صرف اسی قسم کی مجلس ذکر کو ناجائز قرار دیتے ہیں جس مجلس میں غلط اور ناجائز کام شامل ہو جاتا ہے۔

حضرت حافظ ابن تیمیہؒ اور مجالسِ ذکر:

جیسا کہ حضرت حافظ ابن تیمیہؒ سے جب مسجد میں اجتماعی ذکر اور مجلس ذکر کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا؛

> الحمد لله الاجتماع على القرأة والذكر والدعاء حسن مستحب اذا لم يتخذ ذلك عادة راتبة كالاجتماعات المشروعة ولا اقترن به بدعة منكرة: الحمد للہ قرأتِ قرآن اور ذکر و دعا پر جمع ہونا اچھا اور پسندیدہ عمل ہے جبکہ اس کو ایسی عادت مستمرہ نہ بنایا جائے جیسا کہ مشروع اجتماعات ہوتے ہیں، اور نہ اس اجتماع و مجلس کے ساتھ بدعت منکرہ اور برا کام شامل ہو جائے (فتاویٰ ابن تیمیہؒ، جلد۲۲، ص۵۲۲)۔

اجتماعات مشروعہ سے مراد جمعہ اور عید جیسی نمازوں کے اجتماعات ہیں یعنی ان کے ساتھ فرض واجب اور مسنون اجتماعات جیسا معاملہ نہ کیا جائے اور بدعت منکرہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کی کوئی اصل شریعت مطہرہ میں موجود نہ ہو اور ان کو کارِ ثواب اور دین سمجھا جائے اسی طرح اگر کوئی مجلس لوگوں کی ایذاء کا سبب بن جاتی ہے تو یہ ایذاء و تکلیف دینا ناجائز ہے اور اس کی وجہ سے وہ مجلس بھی ناجائز ہوگی۔

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور مجلس ذکر:

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ:

لاشک ان اجتماع المسلمین راغبین ذاکرین یجلب الرحمة والسکینة ویقرب من الملائکه: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کا شوق وذوق کے ساتھ جمع ہو کر ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت وسکینت کو کھینچتا ہے اور فرشتوں کے قریب کر دیتا ہے (حجۃ اللہ البالغہ، جلد۲، ص۷۱)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دھلویؒ اور مجلس ذکر:

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اپنے رسالہ "سباحة الفکر" میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ کا ایک مضمون ان کے رسالہ "توصیل المرید الی المراد" فارسی سے عربی میں ترجمہ کر کے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

الجهر والاعلان بالذكر والتلاوة والاجتماع لذكر فی المجالس والمساجد جائز و مشروع: پکار کر اور اعلان کے ساتھ ذکر وتلاوت اور ذکر کیلئے اکٹھا ہونا مجالس اور مساجد میں جائز اور مشروع ہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحیؒ نے شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ کا اس سلسلہ میں مفصل اور مدلل مضمون نقل فرمایا ہے (سباحة الفکر، ص۳۰ تا ۳۱)۔

حضرت علامہ خیرالدین رملی حنفیؒ اور مجالسِ ذکر:

فتاویٰ خیریہ میں ہے کہ حضرت علامہ خیرالدین رملی حنفیؒ سے ایک طویل سوال کیا گیا اس میں مجالس ذکر سے متعلق جو سوال کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حضرات صوفیہ کی یہ جو عادت ہے کہ ذکر کے حلقے مساجد میں قائم کر کے ذکر جہری کرتے ہیں۔ نسل در نسل یہ طریقہ ان کے ہاں چلا آ رہا ہے اس میں عارفانہ کلام اور قصائد بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں ان پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قصائد پڑھنا اور اونچی آواز سے ذکر کرنا مساجد میں جائز نہیں، تو کیا ان کا یہ اعتراض شریعت کے مطابق ہے؟ تو

انہوں نے جواب میں فرمایا:"فاما حلق الذکر والجهر به وانشاد القصائد فقد جاء في الحديث مااقتضى طلب الجهر نحو وان ذكر ني في ملاء ذكرته في ملاء خير منه رواه البخاري ومسلم و ترمذی والنسائي وابن ماجه و رواه احمد بنحوه باسناد صحيح...... الخ، باقی رہا یہ کہ ذکر کے حلقے اور جہری ذکر اور قصائد کا پڑھنا تو (ان کے متعلق) حدیث میں جو کچھ ہے اس سے ان کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ" اس کو بخاری مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور اسی طرح احمد نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے (الفتاویٰ الخیریۃ علی حاشی تنقیح الحامدیۃ، جلد۲، ص۲۷۹ تا ۲۸۱)۔

علامہ سیوطیؒ کی تحقیق:

حضرت علامہ حافظ سیوطیؒ اپنے رسالہ "نتيجة الفكر" کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ:

سألت اكرمك الله عما اعتاده السادة الصوفيه من عقد حلق الذكر والجهر به في المساجد ورفع الصوت بالتهليل وهل ذالك مكروه اولا: اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے تم نے سوال کیا ہے کہ حضرات صوفیہ کی یہ جو عادت ہے کہ وہ مساجد میں ذکر کے حلقے منعقد کرتے ہیں اور ان میں ذکرِ جہری کرتے ہیں اور اونچی آواز سے "لاالٰہ الا اللہ" پڑھتے ہیں تو کیا یہ مکروہ ہے یا کہ نہیں؟

(الجواب) انه لاكراهة في شيءٍ من ذالك وقد وردت احاديث تقتضي استحباب الجهر بالذكر واحاديث تقتضي استحباب الاسرار به والجمع بينهما ان ذالك يختلف باختلاف الاحوال والاشخاص كما جمع النووي بمثل ذالك ...... الخ: اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں سے کسی چیز میں کوئی کراہت نہیں بلکہ بعض ایسی حدیثیں ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ ذکر جہری مستحب ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن کا تقاضا ہے کہ سری اور خفیہ ذکر مستحب ہے اور ان دونوں قسم کی حدیثوں میں جمع اس طرح ہوگا کہ یہ اختلاف مختلف اشخاص اور مختلف احوال کے لحاظ سے ہے جیسا کہ (حضرت امام) نوویؒ نے اس طرح جمع کیا............ الخ (الحاوی للفتاوی، جلد۲ ص

۳۸۹ تا ۳۹۷)۔

مساجد وغیرہ میں ذکرِ جہری کے حلقے بالاتفاق جائز ہیں:

بہر حال مساجد وغیرہ میں ذکرِ جہر کے حلقے اور مجالس بالاتفاق جائز ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ اپنی کتاب "ردالمحتار" المعروف بالشامی میں لکھتے ہیں کہ:

وفی حاشية الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد و غيرها الا أن يشوّش جهرهم علی نائم او مصلٍّ او قاری: اور حاشیہ حموی میں حضرت امام شعرانیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ سلف و خلف (متقدمین اور متاخرین تمام) علماء کا مساجد اور دوسری جگہوں میں مجالسِ ذکر کے مستحب ہونے پر اجماع (اور اتفاق) ہے سوائے اس صورت کے کہ ذاکرین کا جہر کسی کے آرام یا نمازی کی نماز یا کسی کی قراءت (اور بیان) میں خلل ڈالے (تو ایسی صورتوں میں ذکرِ جہر جائز نہیں) (ردالمحتار المعروف بالشامی، جلد ۱، ص ۴۴۴)۔

علمائے دیوبند کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ

بعض لوگ اکابر علمائے دیوبند کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ (العیاذ باللہ) ذکر و درود شریف اور مجالسِ ذکر کے مخالف ہیں۔ یہ ان پر افتراء اور بہتان ہے۔ حضرات علمائے دیوبند صرف ذکرِ جہر اور مجالسِ ذکر اور درود شریف کے جواز و استحباب کے قائل ہی نہیں بلکہ وہ ہمیشہ ذکر و درود شریف اور مجالسِ ذکر کو عملی جامہ بھی پہناتے رہے ہیں۔ اگرچہ ان کے قول و فعل سے اس کا جواز و استحباب خوب واضح ہے تاہم اس کے متعلق ان حضرات کے کچھ اقوال اور احوال کو نقل کرتا ہوں تاکہ عام لوگ بھی کسی غلط فہمی کے شکار نہ ہوں۔ اب اس کے متعلق ان حضرات کے اقوال اور احوال کو پڑھ لیجئے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کے نزدیک مساجد میں جہری ذکر کی مجلس:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ سے سوال کیا گیا کہ مسجد کے اندر حلقہ ذکر کرنا درست ہے؟ تو جواب

میں انہوں نے فرمایا؛

مسجد کے اند حلقہ ذکر منعقد کرنا مباح ہے بشرطیکہ کسی نمازی کی نماز یا کسی سونے والے کی نیند میں خلل انداز نہ ہو اور ذکر بھی زیادہ شور وشغب اور افعالِ مکروہہ پر مشتمل نہ ہو(کفایت المفتی ،جلد ۳،ص ۱۶۴)۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق:

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے سوال کیا گیا کہ طریق شاذلیہ میں ذکر جلی بافراط لوگوں کو لے کر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ حضرت تھانویؒ نے اس سوال کا مفصل جواب دیا ہے، اور اس پر پوری بحث مباحثہ کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ؛

پس بعد ثبوتِ مشروعیت جہر کسی طور وہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع، حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہو ہر طور سے جائز ہے(امداد الفتاویٰ، جلد ۵، ص ۱۵۱ تا ۱۵۴)۔

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مسجد کے اند ذکرِ جہر:

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ذکر جہری کے متعلق فتویٰ ذکرِ جہری کے باب میں گذر چکا ہے اور حضرت اقدس خود بھی آخر عمر تک ذکر بالجہر کرتے تھے۔حضرت مولانا عاشق میرٹھیؒ نے ان کا ابتدائی بیعت کا واقعہ لکھا ہے جبکہ وہ شیخ المشائخ امیر المؤمنین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت اقدس حاجی صاحبؒ نے جب آپ کو ذکر جہر بارہ تسبیح تلقین وتعلیم کیا تو آپ اٹھے اور وضو کیا اور مسجد میں تشریف لے گئے ایک گوشہ میں اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اپنے کام میں مشغول تھے دوسرے گوشے میں آپ جا کھڑے ہوئے اور تہجد کے نوافل پڑھنے کے بعد ذکر نفی واثبات بالجہر شروع کر دیا، آگے حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ؛

آخر میں نے ذکر بالجہر شروع کیا گلا اچھا تھا بدن میں قوت تھی صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت حاجی صاحبؒ فرمانے لگے کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو۔ اس دن سے ذکرِ جہر کے ساتھ مجھے محبت ہوگئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی(تذکرۃ الرشیدؒ، ص ۴۸ تا ۴۹)۔

گنگوہ شریف کی خانقاہ:

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریاؒ اپنی کتاب "شریعت و طریقت کے تلازم" کے ابتدائی صفحہ میں فرماتے ہیں کہ:

قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کے دور میں ان کے مریدوں میں معمولی سے معمولی اور ان پڑھ بھی متبع سنت تھے۔ میں نے بہت سے بالکل ان پڑھ لوگوں کو دیکھا کہ تہجد کے ایسے پابند تھے کہ بعض بڑوں کو بھی ایسا کم دیکھا۔ اور طریقت کا حال یہ تھا کہ حضرت قدس سرہ کی خانقاہ کے قریب جو عام "گڑھا" تالاب'' مشہور ہے اس میں پچاس ساٹھ دھوبی آخر شب میں کپڑے دھویا کرتے تھے وہ بجائے مختلف آوازوں کے "اللہ اللہ" کی صدائیں لگایا کرتے تھے (شریعت وطریقت، ص ۳ تا ۴)۔

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم اپنے رسالہ "مساجد میں مجالسِ ذکرِ جہری کا استحباب" میں لکھتے ہیں کہ:

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سے اس سیاہ کار نے ایک بیان میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ گنگوہ کی خانقاہ کے پاس ہی ایک جوہڑ (تالاب) تھا جس کی دوسری طرف ایک مسجد تھی اس مسجد میں حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ کا اپنے تلامذہ و متعلقین کیساتھ قیام تھا، رات کو نصف شب کے بعد سے خانقاہ سے بھی ذکرِ جہری شروع ہو جاتا اور حضرت مولانا یحییٰؒ والی مسجد سے بھی جس کے اثر سے پوری فضا لاالٰہ الاّ اللہ، ...... الاّ اللہ اور اللہ اللہ کی ضربوں سے گونج اٹھتی تھی جس کے نتیجے میں جوہڑ (تالاب) میں موجود دھوبی بھی اس ذکر جہری سے متاثر ہوئے اور ان کا دائمی معمول بھی یہ بن گیا کہ جب کپڑا پتھر پر مارتے تو مارتے ہوئے زبان سے ضرب کے ساتھ اللہ اللہ کا نعرہ لگاتے (مساجد میں مجالس ذکر جہری کا استحباب، ص ۳۹ تا ۴۰)۔

بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ کا ذکرِ جہری:

حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ ایک مرید کو اس کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ذکر کی مقدار تم نے بہت غلط لکھی ہے۔ لاالٰہ الاّ اللہ دو تسبیح پھر "الاّ اللہ" چار تسبیح پھر "اللہ اللہ" چھ تسبیح سب میں قوت و ہمت اور تعظیم اور حلاوت ملحوظ خاطر رہنی ضروری ہے ہمیشہ

مواظبت رہے ترک نہ ہو (ارشادات و مکتوبات، بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ، ص ۱۳۵)۔

نیز حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ:

(حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے فرمایا) ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینا چاہئے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت بھی مقصود ہے۔ لہذا نکلنے کے زمانہ میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ علم و ذکر میں مشغولیت اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت و نگرانی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کا علم و ذکر، اللہ کے زیر ہدایت تھا اور صحابہ کرامؓ، رسول اللہ ﷺ سے علم و ذکر کر لیتے تھے اور حضور ﷺ ان کی پوری پوری نگرانی فرماتے تھے۔ اسی طرح ہر زمانہ کے لوگ اپنے بڑوں سے علم و ذکر لیا کرتے اور ان کی نگرانی اور رہنمائی میں تکمیل پاتے۔ ایسے ہی آج بھی ہم اپنے بڑوں کی نگرانی کے محتاج ہیں ورنہ شیطان کے جال میں پھنس جانے کا بڑا اندیشہ ہے[1]۔

حضرت اقدس مولانا محمد الیاسؒ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت اقدس گنگوہیؒ سے بیعت ہو گئے تھے اور ان کی وفات کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بیعت ہوئے اور ان کے خلیفہ مجاز ہوئے[2] وہ خود بھی بارہ (۱۲) تسبیح ذکر جہری کرتے تھے اور اپنے مریدین کو بھی یہی ذکر بتاتے تھے اور تبلیغی جماعت والوں کو بھی یہی ترغیب دیتے تھے کہ وہ یہ ذکر اس راہ کے بڑوں سے سیکھیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اپنی کتاب "تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات" میں فرماتے ہیں کہ: "حضرت دہلوی[3] کے ایک مکتوب کے چند فقرے نقل کرتا ہوں جو میوات کے کارکنوں کے نام لکھا گیا اور حضرت دہلوی کے مکاتیب میں طبع شدہ ہے۔

میرے دوستو اور عزیزو! تمہارے ایک ایک سال دینے کی خبر سے جو ابھی سے مسرت ہو رہی

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے ملفوظات شاہ محمد الیاسؒ، ص ۹۲، دارالاشاعت بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر ا۔

[2] تفصیل کیلئے دیکھئے "حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت" مؤلف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔

[3] حضرت دہلوی سے مراد حضرت مولانا محمد الیاسؒ ہیں۔

ہے وہ تحریر سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور توفیق مزید عطا فرمائے میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

- اپنے اپنے حلقے کے ان لوگوں کی فہرست جمع کر کے مجھے اور شیخ الحدیث صاحب[1] کو لکھیں کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔
- دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو بتایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں۔
- ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہے۔
- تم خود بھی ذکر و تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں اگر نہیں تو بہت جلد اب تک کی غفلت پر نادم ہو کر شروع کر دو، الف سے مراد یہ ہے کہ جن کو بارہ تسبیح بتائی گئی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں اور انہوں نے ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا خود اپنی تجویز سے ذکر کرنے والوں کو دیکھ کر شروع کیا ہے، ہر ہر شخص سے دریافت کر کے نمبر وار تفصیل سے لکھو۔
- اپنے مرکزوں سے ہر ہر نمبر کے متعلق نمبر وار تفصیل کے ساتھ کارگذاری میرے اور شیخ الحدیث صاحب کے پاس روانہ کرنے کا اہتمام ہو۔
- جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائے پور جا کر گذاریں۔
- میرے دوستو! تمہارے نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کا زندہ کرنا ہے۔ ذکر۔تعلیم اور تبلیغ، یعنی تبلیغ کیلئے باہر نکالنا اور ان کو ذکر و تعلیم کا پابند کرنا (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات، ص ۲۹ تا ۳۰، بحوالہ مکاتیب)۔

---

[1] شیخ الحدیث سے مراد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ ہیں

یہاں دو باتوں کی تشریح ضروری سمجھتا ہوں ایک یہ کہ بارہ (۱۲) تسبیح سے مراد چشتیہ کا نصاب ذکر ہے اور یہ بارہ تسبیح جہر اور ضرب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس کا ذکر حضرت اقدس مولانا محمد الیاسؒ کے مکتوب میں بھی گذر چکا ہے، وہ یہ ہیں۔

دوسو مرتبہ　　" لا الہ الاّ اللّٰہ "

چارسو مرتبہ　　" الاّ اللّٰہ "

چھ سو مرتبہ　　" اللّٰہ اللّٰہ "

دوسری بات کہ رائے پور کے چلے سے مراد یہ ہے کہ وہ رائپور کی خانقاہ جو کہ مجالس ذکر کا مرکز تھی اس ماحول میں چالیس دن گذاریں۔

بنگلہ والی مسجد مرکز تبلیغ میں ذکر جہر اور مجلس ذکر:

امام المجاہدین حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم اپنے رسالہ "مجالس ذکرِ جہری" میں فرماتے ہیں کہ:

> جن لوگوں نے امام التبلیغ اسوۃ السلف الصالحین حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کا زمانہ دیکھا ہے ان سے اس سیاہ کار نے بالتواتر سنا کہ بنگلہ والی مسجد "مرکز تبلیغ" میں ہمیشہ معمول تھا کہ لوگ آخر شب میں عموماً سب اٹھ کر تہجد کے نوافل میں مشغول ہو جاتے اور فجر کی اذان سے تھوڑی دیر قبل سے لیکر فجر کی جماعت کھڑی ہونے تک (جو کہ اسفار میں ہوتی تھی) اکثر لوگ مسجد میں اور باہر صحن میں اور برآمدے میں ذکرِ جہری میں عموماً مشغول ہو جاتے۔ یہ منظر تو اس سیاہ کار نے خود بھی ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء میں دیکھا ہے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے زمانہ میں کہ فجر کی اذان سے لیکر فجر کی جماعت کھڑے ہونے تک دھلی مرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں کافی لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ذکرِ جہری میں مشغول رہتے تھے ان میں سے کچھ مسجد کے اندر ہوتے تھے اور کچھ باہر مگر ان سب کی آواز سے مسجد اور اس کے باہر کا سارا حصہ ذکرِ جہری سے گونجتا رہتا تھا (مجالسِ ذکرِ جہری، ص ۴۱ تا ۴۲)۔

مسجد خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون:

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ماھنامہ "البلاغ" کراچی جلد ۳۴ جمادی الاولی، ۱۴۲۰ھ میں ایک مضمون بعنوان "خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون" مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ کا چھپا ہے جس میں حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زمانہ میں خانقاہ کے مختلف حالات وکوائف تفصیلاً ذکر فرمائے ہیں اس مضمون میں ایک ذیلی عنوان قائم فرمایا ہے۔ "معمولات اھل خانقاہ" اس میں حضرت مفتی عبدالرؤف صاحب فرماتے ہیں؛

نماز فجر کے بعد لوگ مسجد میں وظیفہ پڑھتے رہتے تھے۔ اور کچھ اھل خانقاہ اور طالب علم کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور کچھ لوگ ذکرِ جہری میں محو ہوتے تھے پھر سورج نکلنے پر مدرسہ شروع ہوتا تھا۔

شفیق الامت حضرت حاجی محمد فاروق صاحب سکھرویؒ اپنے رسالہ "مجالس ذکر" میں تحریر فرماتے ہیں کہ؛

حضرت تھانویؒ جب نماز تہجد کے بعد ذکر فرماتے تھے تو حضرت کے ساتھ ساتھ حضرت خواجہ صاحبؒ اور دوسرے حضرات بھی ذکر شروع کردیا کرتے تھے اور آپ اس سے منع نہیں فرمایا کرتے تھے (مجالس ذکر، ص ۳، تفصیل کیلئے دیکھئے مجالسِ ذکرِ جہری)۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہ اکابر کا ذکر بالجہر:

ذکرِ جہری کے متعلق حضرت حسین احمد مدنیؒ کی رائے کا بیان پہلے ذکر کرچکا ہوں کہ وہ مسجد میں ذکرِ جہری کو جائز سمجھتے ہیں یہاں ان کا اور دوسرے اکابر کا عمل بھی ملاحظہ کیجئے۔

چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں؛ ہمارے اکابر حضرت گنگوہیؒ، حضرت رائپوریؒ، چچا جان اور حضرت مدنیؒ وغیرہ اکابر ذکر بالجہر اخیر زمانہ تک جبکہ شیخ المشائخ بن چکے تھے کیا کرتے تھے اور پوچھنے پر فرماتے تھے کہ جس چیز سے ہم یہاں تک پہنچے اس کو چھوڑ دیں؟ (حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اور ان کے خلفاء کرام، تالیف حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ص ۵۱۶ حصہ اول)۔

حضرت مدنیؒ وغیرہ اکابر کا لوگوں کو ذکر بالجہر سکھانا:

حضرت مولانا مدنیؒ اور اکابر علمائے دیوبند اپنے متعلقین کو چشتیہ کے مشہور اور معروف بارہ (۱۲) تسبیح ذکرِ جہری سکھایا کرتے تھے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے حضرت تھانویؒ کی کتاب شریعت وطریقت، (صفحہ ۲۷۰ تا ۲۷۴)

نیز اس کا بیان پہلے صفحات میں بھی گذر چکا ہے۔ اور یہ تمام حضرات ذکر کا جو طریقہ سکھاتے تھے وہ مفہوم کے لحاظ سے ایک ہی تھا لیکن یہاں حضرت مدنیؒ کا تعلیم کردہ طریقہ ذکر نقل کر دیتا ہوں اور حضرت مولانا عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم نے مندرجہ ذیل طریقہ خود راقم الحروف کو لکھ کر دیا ہے۔

ذکر سے پہلے درود شریف ۳ بار، الحمد شریف ۳ بار، سورہ اخلاص ۱۲ بار پھر درود شریف ۳ بار پڑھ کر اپنے مشائخ طریقتؒ کی ارواح مقدسہ کو اس کا ثواب پہنچایا جائے اور دعا کی جائے کہ اے اللہ تبارک وتعالیٰ انکے طفیل میرے قلب کو غیر اللہ سے پاک فرما اور اپنے نور معرفت سے منور فرما۔

لا الٰہ الاّ اللّٰہ	=	۲۰۰ مرتبہ
الاّ اللّٰہ	=	۴۰۰ مرتبہ
اللّٰہُ اللّٰہ	=	۶۰۰ مرتبہ
اللّٰہ	=	۱۰۰ مرتبہ (کل ۱۳ تسبیح)

قلب بائیں پستان کے نیچے ہے، سر کو اس طرف جھکا کر قلب سے لا الٰہ نکالتا ہوا دائیں مونڈھے پر لے جائے اور یوں خیال کرے کہ جملہ ماسوا کو میں نے قلب سے نکال کر پس پشت ڈال دیا پھر وہاں سانس کو توڑ کر الّا اللہ کی ضرب قلب پر لگائی جائے گویا کہ لوہار ہتھوڑے سے ضرب لگاتا ہے اور یوں خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو میں نے قلب کے اندر گاڑھ لیا۔ لا الٰہ الّا اللہ کے معنی کوئی میرا محبوب نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کیونکہ جو معبود ہوتا ہے محبوب ہوتا ہے۔ اس کے بعد قلب پر الّا اللہ کی ضرب لگائی جائے، سر کو دائیں مونڈھے کی طرف نہ لے جایا جائے بلکہ سر کو اٹھا کر قلب پر ضرب لگائی جائے اور خیال یوں رہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں گاڑھ رہا ہوں۔ پھر اللہُ اللہ کی ضرب لگائی جائے یعنی پہلے اسم اللہ پر ضرب ہو اور دوسری مرتبہ بغیر ضرب اسکے ساتھ کہا جائے۔ دو مرتبہ یعنی اللہُ اللہ کو ایک بار شمار کر کے ۶ تسبیح پوری کی جائے۔ بعد ازاں ۱۰۰ مرتبہ اسم ذات باری تعالیٰ "اللہ" کا ذکر اسی طریقہ اور خیال پر کیا جائے۔ روزانہ ۲۴ گھنٹہ میں ایک مرتبہ ایک ہی جلسہ میں باوضو قبلہ رُو، دو زانوں یا چار زانوں بیٹھ کر یہ ذکر کیا جائے بہتر تو یہ ہے کہ آخر شب میں کیا جائے۔ ورنہ اگر اس وقت نہ ہو سکے تو بعد نماز فجر، ظہر، عصر یا مغرب کسی وقت کر لیا

جائے (تلقین فرمودہ شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز، مورخہ ۱۰ جمادی الاولی، ۱۳۵۵ء)۔ احقر محمد عبدالغنی غفرلہ

شیخ الہندؒ کی ذکرِ جہری کی تلقین وتعلیم:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے اور انہی سے آپ کا اصلاحی تعلق تھا اور ان کی طرف سے آپ کو چاروں سلسلوں میں اجازت بیعت تھی، لیکن معروف ومعمول بہا ان حضرات میں سلسلہ چشتیہ ہے اورؒ حضرت شیخ العرب والعجم مرشد العلماء حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ نے بھی بذریعہ والانامہ کے اجازت وخلافت عطافرمائی تھی۔ بہر حال بالواسطہ اور بلاواسطہ آپ کا سلسلہ ارشاد حضرت حاجی صاحبؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ بھی اپنے ان مریدین کو جو باقاعدہ ذکروشغل جاری رکھنا چاہتے ان کو دوازدہ تسبیح یعنی سلسلہ چشتیہ کے بارہ تسبیح جہری ذکر تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ (حیات شیخ الہندؒ ص، ۲۴۶ تا ۲۴۸)۔

سراج الاولیاء حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دینپوریؒ اور مجالس ذکر:

حضرت مولانا حافظ نثار احمد الحسینی صاحب زید مجدہم اپنے مضمون مجالسِ ذکر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

آپ اکابر اولیاء اللہ میں سے گذرے ہیں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں آپ نے مثالی کردار ادا کیا، آپ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے مرشد تھے۔ حضرت مدنیؒ کو آپ نے اپنے سلسلہ میں خلافت سے نوازا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ آپ کے دامن فیض سے وابستہ تھے اور آپ کے خلیفہ مجاز تھے آپ کی خانقاہ دینپور میں روزانہ مجلس ذکر ہوتی تھی۔ آپ کی سوانح حیات میں حاجی عبیدی دینپوریؒ لکھتے ہیں: بعد از نماز مغرب (عشاء سے قبل) حضرت روزانہ طریقہ قادریہ کے مطابق مسجد میں ذکرِ جہر کی مجلس منعقد فرمایا کرتے تھے، جسے حلقہ ذکر کہا جاتا ہے اس میں خود بھی شامل ہوتے اور یہ سلسلہ سفر وحضر میں ہر جگہ بدستور جاری رہتا یہ مجلس تقریباً بیس پچیس منٹ کی ہوتی تھی۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ایک تسبیح ذکر کی، کی جاتی ذکر کے اختتام پر تھوڑی دیر مراقبہ اور پھر دعا ہوتی (ید بیضاء)۔

امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مجالس ذکر:

حضرت مولانا حافظ نثار احمد الحسینی زید مجدہم اپنے مضمون میں آگے لکھتے ہیں کہ؛

حضرت لاہوریؒ اس دور کے اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے دین و سیاست ہر شعبہ میں آپ نے امت محمدیہ علی صاحبھا التحیۃ والسلام کی رہنمائی فرمائی۔ آپ طریقت میں حضرت خلیفہ غلام محمد دینپوریؒ سے مجاز تھے، ہزارہا علماء، صلحاء حضرت لاہوری کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے۔ اپنے شیخ کے طرز پر آپ ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب ذکر بالجہر کا اہتمام فرماتے تا عمر آپ نے اس پر مواظبت فرمائی۔ اور اپنی اجازت سے جگہ جگہ ذکر کی مجالس قائم کروائیں۔ آپ کے سلسلہ عالیہ میں الحمد للہ آج بھی پاک وہند کے علاوہ عرب اور یورپین ممالک میں خانقاہیں قائم ہیں اور مجالس ذکر کا اہتمام جاری ہے .... الخ۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ:

مرشدی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی شخصیت پوری دنیا میں سورج کی طرح نمایاں ہے۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں حضرت اقدسؒ کی شخصیت جانی پہچانی نہ ہو۔ وہ شریعت وطریقت کے امام تھے، علماء ومشائخ کے مرجع ومقتداء تھے، وہ تبلیغی جماعت اور مدارس کے سرپرست تھے اور پوری دنیا میں ان کا علمی اور روحانی فیض پھیلا اور پھیل رہا ہے۔ آپ کے فضائل وکمالات، اخلاق وعادات تعلیمات وافادات اور آپ کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت اور دلسوزی پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور ان کی سوانح حیات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یقیناً جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا عاشق اور سچی محبت رکھنے والا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور درود شریف اور اس کے پھیلاؤ سے بھی محبت اور گہرا تعلق رکھے گا۔ یہاں اس جامع شخصیت کی ذکر اور درود شریف سے عشق ومحبت اور اس کے پھیلاؤ سے عشق ومحبت کو ملاحظہ کیجئے۔

مدارس میں کس چیز کی کمی سے نقصان آیا؟

دوسرے حضرات کی طرح مولانا تقی الدین ندوی مظاہری نے بھی حضرت شیخ کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور یہ ملفوظات حضرت شیخ الحدیثؒ کی حیات میں "صحبتے با اولیاء" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ اس کی انیسویں مجلس میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا ارشاد ہے کہ "آج ہمارے مدارس میں ساری اسٹرائیک وغیرہ سب اسی خانقاہی زندگی کی کمی سے پیش آرہی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اگر زمین میں اللہ اللہ کہنے والے ختم ہو جائیں تو قیامت

آ جائیگی۔ اللہ کا نام خواہ کتنی ہی بے توجہی سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ ہم لوگوں میں اخلاص نہیں رہا۔ اللہ اللہ کرنے کے سلسلے کو بڑھاؤ۔ اللہ کا نام جہاں کثرت سے لیا جائے گا وہاں فتنہ نہ ہوگا۔ اللہ کا ذکر حوادث وفتن میں سدِّ سکندری ہے پہلے زمانے میں دورۂ حدیث میں طلبہ کی ایک تعداد ذاکر ہوا کرتی تھی (صحبتے با اولیاء، ص ۱۴۴)۔

مصائب اور فتن کا علاج:

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنے مضمون میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: میرا یقین ہے کہ فتن کا علاج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اسی جذبہ کے تحت ملکوں ملکوں میں پھر رہا ہوں (حیات شیخ الحدیثؒ، ص ۱۷۳)۔ حضرت شیخ نے فرمایا: تجربہ ہے کہ ذکر اور درود شریف کی جتنی کثرت ہوگی امن وامان پیدا ہونے اور مصائب کے رفع کا ذریعہ ہے (حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ، ص ۴۰۰)۔

حضرت شیخ الحدیثؒ اور مجالس ذکر

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ آخری عمر میں ذکر کی لائن کو زندہ کرنے اور خانقاہوں کے فروغ کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوئے تھے، آپ پر یہ بات اچھی طرح کھل گئی تھی کہ ہر دینی شعبے میں انتشار اور فتنوں کا جو زور ہے اس کی وجہ اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی کمی ہے اور اس کا واحد علاج اصلاح و تربیت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت ہے۔ اس لئے حضرت اقدس سخت معذوری کے باوجود دور، دور ملکوں کا سفر کیا کرتے تھے اور حضرت اقدس کے سوز گداز نے دنیا کے ہر گوشے میں عشق الٰہی کے پروانوں کو پیدا کیا اور یہ بات اس قدر واضح ہے کہ اس سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ تاہم حضرت اقدسؒ کے ذکرِ جہر اور مجالسِ ذکرِ جہری کے متعلق بطور نمونہ چند شہادتیں پیش کر دیتا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی دارالعلوم فیصل آباد میں مجلس ذکر جہری:

رمضان، ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب کے مدرسہ دارالعلوم، فیصل آباد میں تربیتی اور اصلاحی مجلس قائم فرمائی تھی اور بہت سے لوگوں نے رمضان المبارک کا پورا مہینہ اعتکاف کیا تھا۔ اس میں سینکڑوں مفتیان علماء اور مشائخ نے شرکت فرمائی جس میں حضرت

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ بھی تشریف لائے تھے۔اللہ تعالی نے بندہ (مختار الدین) کو بھی یہ سعادت نصیب فرمائی کہ اس مبارک روحانی اجتماع میں شامل ہوا۔اس اجتماع میں ہزاروں لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔تبلیغی مرکز رائیونڈ سے بھی اس میں شمولیت اور خدمت کیلئے جماعتیں بھیجی جاتی تھیں۔حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب اور حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم بھی حضرت اقدسؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔اور اس تربیتی اور روحانی اجتماع میں ٹل شہر کے مرکزی امیر حاجی ولی شاہ صاحب بھی شریک تھے۔

غرض یہ ہے کہ آج بھی اس روحانی اجتماع کے عینی گواہ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں اور یہ سب اس پر گواہ ہیں کہ اس روحانی اجتماع میں روزانہ نماز ظہر کے بعد مجلسِ ذکرِ جہری ہوتی تھی اور اس ذکرِ جہر میں حضرت اقدس مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب اور حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی ولی حسنؒ صاحب وغیرہ جیسے جید مفتیان اور علمائے کرام بھی موجود ہوتے تھے بلکہ خود ذکرِ جہر کرتے تھے۔

حضرت شیخؒ کے اسی رمضان کے بارے میں حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیثؒ لکھتے ہیں کہ: کئی سال سے اہل پاکستان کا اصرار تھا کہ حضرتؒ ایک رمضان پاکستان میں گذاریں کہ ہندوستان یا حرمین شریفین جانا سب پاکستانیوں کے بس میں نہیں تھا، قانونی یا مالی دشواریاں حائل تھیں، زیادہ تقاضا مفتی زین العابدین صاحب کا تھا کہ رمضان ان کے مدرسہ کی مسجد میں گذارا جائے (کتاب قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی، ص ۵۸)۔

اس روحانی و تربیتی اجتماع کے بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اپنے مضمون بصائر وعبر میں لکھتے ہیں کہ:

> بارہ بجے فیصل آباد پہنچے اور حضرت مفتی زین العابدین صاحب مدظلہ العالی کے دارالعلوم فیصل آباد (پیپلز کالونی نمبر۲) میں قیام رہا۔ باتوفیق و سعادت حضرات ماہ مبارک شروع ہونے سے پہلے ہی وہاں پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ جو حضرات شروع رمضان ہی سے معتکف تھے ان کی تعداد دو سو کے قریب تھی اور آخری عشرہ میں معتکفین کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہو گئی، غیر معتکف حضرات شروع میں پانچ سو کے قریب تھے اور آخری عشرہ میں ان کی تعداد پندرہ سو سے بڑھ گئی تھی۔ روزانہ سینکڑوں آدمیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا اس ناکارہ کا عزم پورے ماہ مبارک کے حاضری کا تھا لیکن اپنے بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر یہ

آرزو تو پوری نہ ہو سکی، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آخری عشرہ کے اعتکاف کی توفیق عطا فرمادی۔ وہاں انوار و برکات کا جو فیضان ہو رہا تھا اور رحمت و تجلیات کی جو بارش ہو رہی تھی۔ اس کا ادراک تو مجھ ایسے کور باطن کو کیا ہو سکتا ہے تاہم ظاہری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس کی منظر کشی بھی اس کوتاہ قلم کیلئے ممکن نہیں۔

گر مصور صورت آں دلستان خواہد کشید
لیکن حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

اس منظر کو دیکھتے ہی جو پہلا تاثر قلب پر نقش ہوا وہ یہ تھا کہ گویا نور کا ایک دریا بہہ رہا ہے اور خدا تعالیٰ کے سعادت مند بندے حسب توفیق اس کی غوطہ زنی میں مصروف ہیں۔ فمن مقلّ او من مکثر۔ ذاکرین کے بارے آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد گرامی ہے: **لایقعد قوم یذکرون اللّٰہ الا حفتھم الملائکۃ و غشیتھم الرحمۃ و نزلت علیھم السکینۃ و ذکرھم اللّٰہ فی من عندہ:** جب کچھ لوگ ذکر الٰہی کیلئے بیٹھتے ہیں تو فرشتے ان کا گھیرا ڈال لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے۔ سکینت ان پر نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس کے فرشتوں سے فرماتے ہیں (متفق علیہ مشکوٰۃ، ص ۱۹۶)۔ اس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا تھا جسے دیکھ کر مجھ جیسے رُوسیاہ کو بھی مغفرت کی آس بندھتی تھی۔ ماہ مبارک کے انوار و تجلیات کا شباب تھا۔ شبانہ روز ذکر و تلاوت کے انوار متعاکسہ فضا کو معمور و منور کر رہے تھے اور حضرت شیخ مدظلہ العالی کی صحبت مردہ دلوں کی مسیحائی کر رہی تھی۔

نظروں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی
نظر دیدہ برق تپاں ہو رہا ہے

اس سہ آتشہ شراب محبت سے پورا مجمع مست و مخمور نظر آتا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ ساری دنیا یہاں سمٹ آتی اور اس دولت بے بہا کی بہاریں لوٹ لے جاتی۔

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

حضرت شیخ مدظلہ العالی کے پورے رمضان مبارک کا روزنامچہ مولانا عبدالحفیظ صاحب (نزیل مدینہ) نے قلمبند

کیا ہے۔ یہاں شب وروز کے معمولات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

افطار کے دس منٹ بعد اذان ہوتی تھی، نماز کے پندرہ منٹ بعد دستر خوان لگ جاتا، معتکفین کیلئے سحری وافطاری کا انتظام مسجد میں ہوتا تھا اور غیر معتکفین کیلئے مسجد سے باہر مدرسہ کے صحن میں۔ ساڑھے آٹھ بجے حضرت کے معتکف کا دروازہ کھلتا اور بیعت ہوتی، بیعت ہونے والے حضرات کا ہجوم مغرب کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا اسی وقفہ میں بعض بچے قرآن کریم کے حفظ کا افتتاح بھی کرتے، اور پانی یا نمک پر دم کرنے والوں کا بھی خوب زور بندھتا۔ ۹ بجے عشاء کی اذان ہوتی اور ساڑھے نو بجے نماز شروع ہوتی۔ تراویح مولانا سلمان صاحب زید مجدہ نے (جو حضرت شیخ مدظلہ کے عزیز ہیں) پڑھائیں، جو خوب صاف اور تیز پڑھتے ہیں۔ ساڑھے دس بجے کے قریب نماز سے فراغ کے بعد سورۃ یٰسین شریف پڑھی جاتی اور طویل دعا ہوتی (جو معمولاً مولانا عبدالحفیظ صاحب کے ذمہ تھی) دعا میں پوری امت کیلئے خیر ورشد، دنیا وآخرت کی بھلائی اور ہدایت وتوفیق مانگی جاتی، حضرت مدظلہ العالی کے حکم سے حرمین شریفین کی تمام فتنوں سے حفاظت کی دعا کا بہت ہی اہتمام ہوتا۔ دعا سے فراغت کے بعد پہلے درود وسلام کی چہل حدیث پڑھی جاتی (معمولاً یہ مولانا معین الدین صاحب مرادآبادی کے ذمہ تھی اور وہ اپنے مخصوص انداز میں درود وسلام اس طرح پڑھتے کہ سننے والوں کو بھی وجد آجاتا۔ ستائیسویں شب کو وہ تشریف لے گئے تو ان کے بعد جناب مولانا احسان الحق صاحب رائے ونڈ والوں کے ذمہ رہی) اور پھر کتاب فضائل درود شریف پڑھی جاتی، رات ساڑھے گیارہ بجے تک یہ سلسلہ رہتا، اس کے بعد بعض حضرات آرام کرتے اور بعض تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ مسجد کا صحن اسی مقصد کیلئے خالی رکھا گیا تھا۔ پانچ سات جگہ قرآن مجید سنا جارہا تھا اور بہت سے حضرات اپنی تلاوت فرماتے۔

رات دو بجے سحری کیلئے دستر خوان لگ جاتا اور سوا دو بجے سونے والوں کو سحری کیلئے اٹھا دیا جاتا، گویا تہجد اور کھانا بیک وقت چلتے۔ وقت سحر ختم ہو جانے پر اذان ہوتی، اور اس کے دس منٹ بعد نماز، فجر کی نماز میں قنوت نازلہ ہوتی، جس میں افغانستان کے علاوہ حرمین شریفین کی حفاظت کیلئے بطور خاص دعا ہوتی، نماز فجر کے بعد نئے آنے والے یا

رخصت ہونے والے مہمان حضرت شیخ مدظلہٗ سے مصافحہ کرتے جس کا سلسلہ کم و بیش آدھ ،پون گھنٹے تک جاری رہتا (آخری ایام میں ہجوم بہت بڑھ گیا تھا)۔ نماز فجر کے بعد اکثر حضرات آرام کرتے، ساڑھے آٹھ بجے کے قریب اٹھ کر اپنے انفرادی معمولات میں مشغول ہو جاتے۔ گیارہ بجے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ العالی کی سلوک و تصوف کے موضوع پر آدھ گھنٹہ کے قریب تقریر ہوتی۔ (بعض حضرات نے ان تقریروں کا خلاصہ قلمبند بھی کیا اور کچھ ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کی گئیں)[1]۔

دو بجے ظہر کی اذان اور ڈھائی بجے جماعت ہوتی۔ ظہر سے فراغت کے بعد پہلے ختم خواجگان ہوتا اور پھر طویل دعا ہوتی۔ (جو مولانا عبدالحفیظ صاحب کے ذمہ تھی) دعا سے فارغ ہو کر ذکر ہوتا، جن حضرات کو ذکر بالجہر کی اجازت ہے وہ ذکر جہر کرتے، باقی حضرات اپنی تسبیحات و معمولات میں مشغول رہتے۔ ساڑھے پانچ بجے عصر کی نماز ہوتی اور عصر کے بعد مغرب سے آدھ گھنٹہ پہلے تک حضرت کی مجلس میں کتاب پڑھی جاتی۔ آخری عشرہ میں "ارشاد الملوک'' ختم ہو کر "اکمال الشیم'' شروع ہوئی اس کے بعد نماز مغرب کی تیاری شروع ہو جاتی اور افطار تک دعا و استغفار میں مشغول رہتے۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد کتاب سے پہلے اسی (۸۰) مرتبہ درود شریف (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ نَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ آلِہٖ وَ سَلِّمْ تَسْلِیْماً) کا التزام کیا جاتا۔

پانچوں نمازوں کے علاوہ مغرب کے بعد بیعت کی نشست میں اور عصر و عشاء کے بعد کی مجلسوں میں نیز فجر کے بعد مصافحہ میں مشتاقین کو حضرت شیخ مدظلہ العالی کی زیارت کا موقعہ مل جاتا، اس کے علاوہ جس شخص کو کچھ عرض معروض کرنا ہوتا، یا کچھ دریافت کرنا ہوتا اس کو الگ وقت دیا جاتا۔ مولانا نذیر احمد صاحب استاذ حدیث دارالعلوم فیصل آباد کی تحریک پر علماء کرام کی ایک جماعت کو دو الگ الگ نشستوں میں حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمائی گئی اور انہیں سندیں بھی عطا کی گئیں۔ عید کے دن نماز فجر کے بعد حضرت شیخ مدظلہٗ کیطرف سے کھجور اور زم زم کی ضیافت کی گئی اور حدیث مسلسل بیوم العید

---

[1] تقاریر اب مطبوعہ شکل میں "مواعظ فقیہ الامت" کے نام سے دستیاب ہیں۔

اور مسلسل بالا سودین سنا کر مسلسلات کی اجازت دی گئی (کتاب قطب الاقطاب شیخ الحدیثؒ ،ص ۵۹ تا ۶۳)۔

مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی مظاہری اپنے مضمون "شیخؒ کا رمضان" میں لکھتے ہیں کہ:

نماز ختم ہوتے ہی اعلان ہوتا کہ سنتوں کے بعد ختم خواجگان ہوگا، جن حضرات کو طریقہ معلوم ہے وہ تو آگے بڑھیں، بقیہ حضرات درود شریف پڑھتے رہیں، پھر ذکر ہوگا، جن کو کسی شیخ سے ذکر کی اجازت ملی ہے، وہ تو ذکر کریں، باقی حضرات اپنے معمولات میں لگے رہیں۔

حضرت شیخ کے ہاں روزانہ کی مجلسِ ذکر:

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکّی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ سیّدی قطب الاقطاب صاحب سرّ نبی برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز کے ہاں تدریس کے زمانہ میں ہمیشہ کا یہ معمول تھا کہ تقریباً صبح سات بجے سے تقریباً گیارہ بجے تک اوپر تصنیف کیلئے کمرہ میں تشریف لیجاتے تو اس کمرہ کے باہر صحن میں چٹائیاں بچھی رہتیں۔ جن پر اس دوران مختلف حضرات آ کر اپنے معمولات کے مطابق ذکر کرتے تھے۔ (مجالسِ ذکرِ جہری، ص ۵۶)۔

حضرت شیخؒ کی ہفتہ وار مجلسِ ذکر:

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکّی دامت برکاتہم آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہر جمعہ کو حضرت شیخ کا معمول تھا کہ عصر سے مغرب تک مسجد میں ہی معتکف رہتے اور اس دوران مختلف لوگ مریدین و متعلقین بھی حضرت کے ساتھ ہی مسجد میں رہتے جن میں اکثر ذکرِ جہری میں مشغول رہتے اور ان کے ذکر سے مسجد گونجتی رہتی تھی، اس مجلس کا اکثر لوگوں کو علم تھا کہ حضرت شیخ ہمیشہ اس کی پابندی کرتے ہیں اس لئے قرب و جوار کے لوگ بھی شوق سے اس میں شرکت کرتے تھے "دارالعلوم دیوبند" سے بھی بہت سے اساتذہ وطلبہ شریک ہو جاتے، حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ العزیز بھی ہمیشہ اس مجلس میں بہت اہتمام سے شرکت فرماتے۔ یہ ہفتہ واری ذکرِ جہر کی مجلس مسجد میں پورا سال ہوتی تھی اور پورے ہندوستان کے اکابر علماء و مشائخ اور مفتیان کرام میں سے اکثر کوئی نہ کوئی اس میں ضرور شرکت کرتا (مجالسِ ذکرِ جہری، ص ۵۷)۔

حضرت شیخؒ اپنے متعلقین کو اجتماعی ذکر کی ترغیب دیتے تھے:

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے متعلقین اور متوسلین کو بھی اجتماعی ذکر اور مجالس ذکر کے انعقاد کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ: "بری"[1] دوستوں کا ذکر تمہاری مجلس میں بہت مناسب ہے اگر اجتماع کی کوئی صورت ممکن ہو۔ تمہارا گھر ایک ہے وہاں کوئی صورت اجتماع کی ہو جایا کرے۔ اور نہ ہو سکتا ہو تو الگ الگ کیا کریں۔ مغرب کے بعد بہت مناسب ہے کہ اس میں "بری" بھی آ سکتے ہیں۔ لیکن ایسی کوئی صورت ہو کہ آپ کے سفر وغیرہ کی وجہ سے ناغہ نہ ہو۔ میری آٹھ ماہی غیبت میں سہارنپور میں کچے گھر میں جو ذکر کا سلسلہ الحمد للہ جاری رہا۔ اس میں طلبہ کی کوشش کو زیادہ دخل ہے (۱۴ ذی الحجہ، ۸۹ صبح)۔

ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں: "مولوی عبدالرحیم کی تجویز کہ ذکر اکٹھے کیا کریں بہت مناسب ہے مگر میں تو پہلے سے آپ کے خطوط کی وجہ سے یہ سمجھ رہا تھا کہ تم قاری یوسف وغیرہ احباب اکٹھے ہی کرتے ہوں گے۔ بہر حال یہ تجویز مناسب ہے کہ سب اکٹھے ہی کرلیا کریں" (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفائے کرام، ص ۴۰۳، ۴۵۷)۔

حضرت شیخ کا اہل مدارس کو مجالس ذکر کے قیام و انعقاد کی ترغیب:

حضرت شیخ الحدیثؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> میرا تجربہ ہے کہ جس کو بہت سے اہل مدارس کو لکھتا رہتا ہوں کہتا بھی رہتا ہوں دوستوں نے چھاپ بھی دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جتنی کوشش ہو سکے مدرسہ میں ضرور رکھیں۔ طلبہ میں بھی کم سے کم استغناء نہ ہو اور آپ کے تعلق والوں میں کوئی ذاکر ہو تو اس سے فرما دیں کہ آپ کے کمرہ میں آ کر طلبہ سے دور، جس سے طلبہ کا حرج نہ ہو ذکر ضرور کرلیا کریں (۶ دسمبر ۷۶ء) (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا مہاجر مدنیؒ اور انکے خلفائے کرام، ص ۳۶۴)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی عیادت اور آپ کے ساتھ مجالسِ ذکر کے قیام پر گفتگو:

حضرت شیخ الحدیثؒ آپ بیتی نمبر ۷ میں فرماتے ہیں کہ:

---

[1] انگلینڈ کے ایک شہر کا نام ہے۔

اول مفتی شفیع صاحب کے مدرسہ میں جانا ہوا کیونکہ مفتی صاحب کی عیادت بھی اہم تھی مفتی صاحب ضعف کی حالت میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے زکریا کو دیکھتے ہی بہت اظہار مسرت کیا ایک گھنٹہ زکریا ان کے پاس برابر کی چارپائی پر لیٹا رہا۔ مفتی صاحب نے اپنے مدرسہ کی بہت ہی شکایات کیں طلبہ کی طرف سے ۔حکومت کی طرف سے اور یہ کہ بعض طلبہ پڑھنا تو ان کا مقصود نہیں ہوتا، غیروں کے تنخواہ دار محض فساد ڈالنے کے لئے ہمارے مدرسہ میں طالب علم بن کر داخل ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب نے اس کی بہت سی جزئیات بتائیں۔ زکریا نے بڑے اہتمام سے ساری گفتگو سنی اور کہا کہ یہ اشکالات آپ ہی کے یہاں نہیں۔ ہم سب مدارس والوں کو پیش آتے ہیں۔ صورت میں کچھ تھوڑا بہت فرق ہو جاتا ہے ہمارے یہاں کے اسٹرائیک ۱۳۸۲ھ میں اس کے بڑے تجربات ہوئے کہ مدارس بلکہ اسلام کے مخالف لوگوں نے بعض لوگوں کو تنخواہیں دے دے کر ہمارے اسٹرائیک میں شریک کیا میرے نزدیک تو ان سب کا واحد علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے نام خطوط:

آگے حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ "پھر مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد میں نے اس مضمون کو یاددھانی کے طور پر مفتی صاحب اور مولانا بنوری نوراللہ مرقدھما کو الگ الگ لکھے جو خصوصی مضامین کے علاوہ مشترک مضمون دونوں میں یہ تھا۔

مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی، بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے بلکہ معدوم بلکہ اس لائن سے تو بعض میں تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہر علوم شاہی مسجد مراد آباد وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک میں بھی امام الائمہ تھے انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ھواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں میں اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس منتظمین اور اکابرین کی خدمت تحریراً تقریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں تو مفید اور موثر زیادہ ہوگا۔ مظاہر علوم

میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج حضرت قاری محمد طیب صاحب سے بار ہا تقریراً تحریراً عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس کو متوجہ کرتا رہتا ہوں مدارس کے روز افزوں فتنوں سے بہت ہی طبیعت کو کلفت پہنچتی رہتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ فتنوں سے بچاؤ کی صورت صرف ذکراللہ کی کثرت ہے جب اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس بے چارے ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں قطرہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء اور تحفظ میں جتنا دخل ہوگا وہ ظاہر ہے۔ اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت و ذاکرین کی کثرت جتنی رہی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی ہے وہ بھی ظاہر ہے، بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف۔ حیلوں بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے ہیں تو میرے تجربہ میں غلطی نہیں، جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارنپور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہوکر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا لیکن قیام اہل مدرسہ کے جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا۔ اور وہ بدلتے رہتے تھے صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا اور میری غیبت میں سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگر چہ نہ ہو مگر ۲۰، ۲۵ کی مقدار روزانہ ضرور ہو جاتی ہے۔ میرے سہارنپور کے قیام کے زمانہ میں تو سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ چالیس پچاس کی تعداد عصر کے بعد جمعہ کے دن ہو جاتی ہے۔ اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت نہ تقریر کی آپ جیسا یا مفتی شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھتا تو شاید اہل مدارس کے اوپر اس مضمون کی اہمیت زیادہ پیدا ہو جاتی اس ناکارہ کے رسالہ فضائل ذکر میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " الوابل الصیب " سے ذکر کے سو (۱۰۰) کے قریب فوائد نقل کئے گئے ہیں جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں شیطانی اثر ہی سارے فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔ دارالعلوم، مظاہر علوم، شاہی مسجد کی ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے بھی زیادہ معلوم ہیں کہ کن

صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ان کی ابتداء ہوئی ہے ان ہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے بالخصوص حسن خاتمہ کا۔ کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔فقط والسلام (حضرت شیخ الحدیث صاحب بقلم حبیب اللہ ۳۰ نومبر ۱۹۷۵ مکہ مکرمہ)۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے جوابی خطوط کے اقتباسات:

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ "میرے اس خط کے جواب میں مفتی شفیع صاحب کا یہ جواب آیا۔

مخدومنا المحترم حضرت شیخ الحدیث صاحب متعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتہ بالعافیہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

آپ کا کرم نامہ اتنی جلد خلاف وھم وگمان کے پہنچا اور بڑا تفصیلی پہنچا کہ حیرت ہوگئی مگر حقیقت یہ ہے کہ عرصہ دراز سے آں مخدوم کے تمام ہی معاملات بالکل خرق عادت اور کرامات ہی کی قبیل سے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو افاضہ خلق اللہ کے لئے دائم وباقی رکھیں۔ .... حضرت کا گرامی نامہ وصول ہونے کے بعد کچھ ایسے ذاکر شاغل لوگ جنکا مجھ سے تعلق ہے اور پہلے سے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم کچھ عرصہ دارالعلوم میں رہ کر ذکر و شغل کریں میں اپنی بیماری اور عدم فرصت کا عذر کر کے دفع کر دیتا تھا اب الحمدللہ یہ کام شروع کر دیا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے اپنے لڑکوں میں سے جو دو عالم ہوئے ہیں ان دونوں کو احقر نے اصلاح ظاہر و باطن اور ذکر و شغل سکھانے کے لئے ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب کے سپرد کیا ہے۔ بندہ محمد شفیع ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ جمعرات۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے جواب میں تحریر فرمایا؛

مخدوم گرامی مفاخر ھذہ العصور حضرت شیخ الحدیث رفع اللہ تعالیٰ درجاتہ وافاض علینا من برکاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ:

عزیزم محمد سلمہ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا بلکہ سنایا دوبارہ خود بھی پڑھا۔حضرت مولانا

مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی عیادت وزیارت کے لئے دارالعلوم گیا تھا وہاں بھی میں نے ذکر کیا ۔فرمایا کہ زبانی بھی اس کا تذکرہ آیا تھا ۔"اساتذہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ" کی شوریٰ کا اجلاس تھا اس مجلس میں مکتوب مبارک سنایا گیا اور عمل کرنے کے لئے تدبیر ومشورہ پر غور بھی ہوا۔ بات تو بالکل واضح ہے ذکر اللہ کی برکات وانوار سے جو نتائج مرتب ہونگے وہ بھی واضح ہیں اور میں اس کی تلافی کے لئے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا ۔کہ مدرسہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی ضرورت ہے۔

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ اس سلسلہ کے ایک دوسرے خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس لئے گزارش کی تھی کہ ہر درسگاہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی بھی ضرورت ہے جو طلبہ فارغ ہوں اس سے وابستہ ہوں اور کچھ عرصہ اس مقصد کے لئے اقامت بھی کریں ۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی خواہش ذاکرین کے اجتماع اور اجتماعی ذکر کی تدبیر کی گئی اس ہفتہ اس کا افتتاح بھی ہو جائیگا۔محمد یوسف بنوری، (آپ بیتی ،نمبر ۷ص ۱۶۴ تا ۱۶۵)۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مجالس ذکر:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ایک حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندوں کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکات ہیں اور ایک دوسری حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ؛ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندوں کا ایک جگہ بیٹھ کر اخلاص کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا اس کی باتیں کرنا اس کی حمد وتسبیح کرنا اللہ تعالیٰ کو بیحد پسند ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتوں کے سامنے ایسے بندوں کیلئے اپنی رضا کا اظہار فرماتا ہے، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ (معارف الحدیث ،جلد ۵ ،ص ۲۸ تا ۳۲)۔

مذکورہ اقتباسات کا حاصل:

مذکورہ اقتباسات اور حضرت شیخؒ کے مکتوبات اور ان کے جوابات کا حاصل یہ ہوا۔

- حضرت شیخ الحدیث اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر کے شیدائی اور انسانیت کی اصلاح وفلاح کے لئے تڑپتے تھے۔
- حضرت اقدس خود مجالس ذکر کو منعقد فرماتے تھے اور اس مجالس کے قیام اور ان کو فروغ دینے

کے لئے خوب کوشش اور پوری جدوجہد بھی کیا کرتے تھے۔

...... حضرت اقدس کی جدوجہد سے بڑے بڑے مدارس میں ذکر کی مجالس قائم اور جاری ہو گئیں۔

...... اس وقت کے اکابر علمائے دیوبند نے حضرت شیخؒ کی تائید کی اور آپ کے ساتھ اس جدوجہد میں شریک ہوئے اور مجالس ذکر کو عملی جامہ پہنایا۔

...... ہمارے اکابر اس بات پر متفق ہیں کہ ذکر اور خانقاہ ہی لائن سے لوگوں کی صحیح اصلاح ہو سکتی ہے اس لئے انکے لئے خود اپنی اصلاح و تربیت کی شدید اور اولین ضرورت ہے۔

اہل مدارس کو فتّین اور شریروں سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے:

چھٹی بات مذکورہ اقتباسات سے یہ بھی معلوم ہوگئی کہ حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے اس راز کو پالیا تھا بلکہ انہوں نے تجربہ کیا تھا کہ مدارس میں بعض لڑکے اور استاد صرف اس لئے داخل ہوتے ہیں کہ وہ مدرسہ میں فتنہ وفساد برپا کردیں ہڑتالیں کروائیں، طلباء میں فتنہ وفساد پیدا کریں، طلباء کے عقائد اور اخلاق کو بگاڑ دیں طلباء کے دلوں سے ادب واحترام کو نکال دیں وغیرہ وغیرہ۔ ان لڑکوں کا مقصد علم حاصل کرنا نہیں ہوتا نہ ان استادوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ طلباء کو پڑھائیں بلکہ وہ غیروں، دشمنانِ اسلام کے براہ راست یا بالواسطہ تنخواہ دار ہوتے ہیں اور وہ غیروں سے تنخواہیں لیکر مسلمانوں میں فساد اور فتنہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کرتے رہتے ہیں اور فتنہ فساد تو آجکل اس قدر بڑھ گیا ہے کہ بعض مساجد کے امام بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ دشمنانِ اسلام سے تنخواہیں لیتے ہیں اور وہ ان کے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں۔ اور یہ ایسی کھلی بات ہے کہ ایک ادنی عقل والا بھی اس کو سمجھ سکتا ہے اور کئی جگہوں پر اس کا تجربہ ہو چکا ہے لہذا تمام مسلمانوں سے خصوصاً اہل مدارس سے دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ ایسے لوگوں اور طلباء واساتذہ سے محتاط رہیں جو ملک وقوم اور مدارس میں شر وفتنہ پیدا کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔

مفسدوں اور شریروں کی پہچان:

مفسدوں اور شریروں کی پہچان کے لئے کوئی ایک طریقہ نہیں اس کو مختلف طریقوں سے آزمایا جاسکتا ہے ، یہاں ان کے پہچاننے کے چند طریقے اور نشانیاں بتلاتے ہیں۔

...... ان کا روزگار کیا ہے؟ ان کو تحفہ تحائف دینے والے لوگ کون ہیں؟ ان سے دوستی اور محبت کون لوگ کرتے ہیں اور ان کو کس سے محبت ہے اور ان کا لین دین کن لوگوں کے ساتھ

ہے۔

..... ایسے لوگ پہلے پہل لوگوں کے اندر اسلاف، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور علمائے کرام پر بے اعتمادی پیدا کرتے ہیں۔

..... وہ یا تو عقیدت ومحبت کے نام پر شرک اور شرکیہ اعمال کو رواج دیں گے۔

..... یا توحید کے نام پر نبی کریم ﷺ کی عشق ومحبت کا نکالنے کی کوشش کریں گے ان کے دل خود بھی ادب واحترام سے خالی اور عاری ہوں گے اور ان کے ساتھ جو لوگ بیٹھتے ہیں محبت رکھتے ہیں ان کے دل بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ وغیرہ اسلاف کے احترام وادب سے خالی ہونگے۔

..... وہ دنیا والوں اور لیڈروں کا نام بلند کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے نام بلند کرنے اور ذکر الٰہی سے ان کو نفرت ہوگی۔

..... اہل کفر اور دشمنان اسلام کی فتح سے خوش اور اہل اسلام اور مسلمانوں کی فتح اور کامیابی سے نالاں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر شریر کی شر اور ہر فتین کے فتنے وفساد سے حفاظت میں رکھے۔ (آمین)

دارالعلوم دیوبند میں مجالس ذکر:

حضرت مولانا حافظ نثار احمد صاحب زید مجدھم اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ کے خاص خلفاء میں سے تھے۔ ہمیشہ سفر وحضر میں مجالس ذکر کا اہتمام فرماتے تھے دارالعلوم دیوبند میں آپ کا قیام مسجد چھتہ میں ہوتا تھا جہاں روزانہ فجر کی نماز کے بعد مجلس ذکر کا اہتمام ہوتا تھا۔ آپ کا وجود ایک چلتی پھرتی خانقاہ تھی۔ مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں: "زندگی کے آخری لمحات میں بھی حسب معمول طویل علمی و اصلاحی مجالس بھی ہوتی رہیں وعظ وتزکیہ اور مجالس ذکر کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ قرب وجوار اور دور دراز کے اسفار بھی کئے۔ جن میں ارباب مدارس او متعلقین ومتوسلین سے ملاقاتیں بھی ہوئیں اور اجتماعات میں خطاب بھی فرماتے رہے (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ص ۱۰)۔

دار العلوم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے ابتدائے قیام سے یہاں علم و ذکر دونوں شعبوں پر برابر توجہ دی جاتی رہی ہے۔حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہ کے دور تک بغیر کسی انقطاع و اضمحلال کے یہ بابرکت سلسلہ جاری و ساری رہا حضرت شیخ قدس سرہ کی رحلت کے بعد اس میں اضمحلال وفتور آ گیا لیکن حضرت مفتی صاحب (حضرت مفتی محمود گنگوہی قدس سرہ) کے یہاں آ جانے کے بعد یہ مبارک سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا اور انکی قیام گاہ مسجد چھتہ ایک مستقل خانقاہ بن گئی تھی اور ادھر دس پندرہ سالوں سے حضرت مفتی صاحب کی جانب رجوع اس قدر بڑھ گیا تھا کہ مسجد چھتہ ذکر خداوندی سے ہمہ وقت گونج رہی تھی (ماہنامہ دار العلوم دیوبند ص ۱۱ تا ۱۲)۔

مساجد میں مجالس ذکر جہری کے متعلق

حضرت مولانا عبدالستار صاحب دامت برکاتہم کا مدلّل فتویٰ

جامعہ خیر المدارس کے مفتی حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم جو عصر حاضر کے بہت بڑے مفتی ہیں۔انہوں نے مساجد میں جہر معتدل کے ساتھ اجتماعاً و انفراداً اور مجالس ذکر جہری کو قرآن و سنت کے نصوص اور فقہائے اسلام اور علمائے کرام کے اقوال فتاویٰ کے ساتھ مدلّل ثابت کیا ہے اور وہ فتویٰ خیر الفتاوی میں چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم الحمد للہ اب تک زندہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی زندگی سے ہم کو اور تمام مسلمانوں کو دینی فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔حضرت مفتی صاحب کا یہ جواب تقریباً تیرہ صفحات پر مشتمل ہے یہاں ان سے صرف چند اقتباسات کو نقل کر دیتا ہوں۔

...... اس حدیث سے مجالسِ ذکر میں حاضری کی ترغیب معلوم ہوتی ہے کہ ملائکہ کی طرح اہلِ اسلام کو بھی ایسی مجالس کی تلاش و جستجو کرنی چاہیے تاکہ انھیں بھی اس رحمت سے حصہ ملے جو ان مجالس پر نازل ہوتی ہے۔شبہ نہ کیا جائے کہ ان مجالس سے مراد وعظ و تقریر کی مجالس ہیں کیونکہ یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔اس حدیث پاک میں آگے صراحۃً مذکور ہے۔ یُسَبِّحُوْنَکَ وَیُکَبِّرُوْنَکَ وَیُهَلِّلُوْنَکَ وَیُحَمِّدُوْنَکَ وَیَسْئَلُوْنَکَ اس سے اجتماعی ذکر تسبیح ،تکبیر اور تہلیل وغیرہ کا ثبوت ظاہر ہے۔ہاں ثانوی درجہ میں مجلس وعظ بھی مجالس ذکر کے حکم میں ہوں تو اسکا مضائقہ نہیں۔نیز یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ یہ حدیث ایسی مجالس ذکر کے بارے میں ہے جن میں اجتماع کا قصد نہ ہو۔بس ایسے ہی بیٹھے بیٹھے ذکر

کرنے لگ گئے ہوں کیونکہ دعوائے تخصیص بھی بلا دلیل ہے۔ بظاہر حدیث پاک اپنے اطلاق و عموم کی وجہ سے دونوں قسم مجالس کو شامل ہے بلکہ آخر حدیث سے یہ عموم صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اصل تو اس مجلس ذکر میں وہی لوگ تھے جو قصداً اس مجلس میں شامل ہو گئے تھے۔ جب فرشتوں نے بارگاہ خداوندی میں ایسے لوگوں کا غیر قصدی طور پر شامل ہونا عرض کیا تو ارشاد خداوندی ہوا کہ رحمت سب کو پہنچے گی ایسے لوگ بھی محروم نہیں رہیں گے۔

...... بعد از ثبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر یا کسی اور صورت سے .... ہر طور سے جائز ہے۔

...... ہاں حالات و اشخاص کے اعتبار سے اس کی افضلیت میں اختلاف ہو سکتا ہے البتہ ذکر بالجہر میں یہ شرط ہے کہ بطور ریا نہ ہو کسی نائم و مصلی کو اذیت نہ ہو، بلا تجویز شیخ جہر مفرط نہ ہو، پھر اس جہرِ مفرط اور اس کی ہیئات خاصہ کو قربت مقصود نہ سمجھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے خیر الفتاوی ج دوم ص ۷۰۳ تا ۷۱۵)۔

علمائے دیوبند پر جھوٹ اور بہتان باندھنے والے:

اکابر علمائے دیوبند کے احوال اور اقوال آپ کے سامنے ہیں ان سے اندازہ لگائیے کہ یہ کس قدر جھوٹ اور بہتان ہے کہ ان کھلی کھلی شہادتوں کے باوجود بھی بعض بے رحم، ظالم اور جھوٹے لوگ ایسے ہیں جو دنیا بھر میں یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اکابر علمائے دیوبند کے نزدیک ذکرِ جہری اور مجالسِ ذکرِ جہری جائز نہیں اور العیاذ باللہ وہ ذکر اور درود شریف کے مخالف ہیں حالانکہ اکابر علمائے دیوبند اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سچے اور مخلص عاشق تھے وہ علم کے ساتھ ساتھ ذکر اور درود شریف کو پھیلانے والے تھے۔ ذکرِ جہری اور مجالسِ ذکرِ جہری کے جواز و استحباب کے قائل اور خود بھی اس کے عامل تھے اور آج بھی ان کے مساجد اور مدارس اور خانقاہوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہے اور آج بھی وہ علم و ذکر کے فروغ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

تداعی کا مسئلہ

بعض لوگ ان کھلی کھلی شہادتوں کے باوجود مجالسِ ذکر سے متعلق تداعی کا مسئلہ چھیڑتے ہیں اور لوگوں کے دلوں سے مجالسِ ذکر اللہ کی اہمیت کم کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ:

"اگر اتفاقی طور پر کچھ لوگ جمع ہوگئے تو اس طرح مجلس ذکر تو جائز ہے مگر مجالسِ ذکر کا انعقاد اور اس کی طرف بلانا درست نہیں"

یہ اس قدر بیہودہ بات ہے کہ اس کا جواب دینا ضیاعِ وقت کے مترادف ہے تاہم اس طرح کے پروپیگنڈوں سے عوام کو بچانے کی خاطر اس کے متعلق بھی کچھ لکھ دیتا ہوں. جو حضرات مجالسِ ذکر کا انعقاد کرتے ہیں اور لوگوں کو ان مجالس میں شرکت کی ترغیب اور دعوت دیتے ہیں، ان حضرات کے پیشِ نظر مجالسِ ذکر کی اہمیت اور وہ فضائل ہوتے ہیں جو قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے ہیں تاکہ عوام الناس مجالسِ ذکر کے فوائد وثمرات کو حاصل کرسکیں ان حضرات پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مجالسِ ذکر کی طرف لوگوں کو بلا کر دعوت وترغیب دے کر مجلس کا انعقاد کرنا یہ درست نہیں اس میں کراہت ہے اور پھر اس طریقے پر مواظبت کرنا یہ بدعت ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور معترضین کی دلیل قیاس ہے وہ تداعی الی مجالسِ الذکر کو قیاس کرتے ہیں تداعی الی النوافل پر کہ جس طرح نوافل کے لیے لوگوں کو بلانا اور جماعت کے ساتھ ان کو ادا کرنا اور پھر اس پر مواظبت اختیار کرنا فقہاء کے ہاں مکروہ اور بدعت ہے حالانکہ اگر اس اصول کا قرآن وحدیث کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ہر سلیم الفطرت انسان پر واضح ہوجاتی ہے کہ تداعی الی مجالسِ الذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جس کی بناء پر لوگوں کو نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر سے روکا جارہا ہے بلکہ ایسے حضرات کا یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جز بز ہونے کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

تداعی الی النوافل کا مطلب:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے ایک حکم ذکر اللہ بھی ہے لیکن نماز کا حکم کچھ افراد پر مشتمل ہے جن میں سے فرض، واجب، سنت اور نفل ہیں اور نماز کے حکم کو ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر مسجد میں یا مسجد کے علاوہ گھر کے اندر اس حکم کو ادا کیا جاتا ہے، احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جہاں تک فرض نماز کا تعلق ہے تو اس کو آپ ﷺ نے مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرمایا اور سنتوں اور نوافل کو آپ ﷺ نے انفرادی طور پر ادا فرماتے تھے اور صحابہ کرامؓ کا بھی یہی عمل تھا اور ان کو آپ ﷺ جماعت کے ساتھ ادا نہیں فرماتے تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگ نفل نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کریں تو شریعت کی

رُو سے اس کا حکم کیا ہے تو اس کے بارے میں فقہائے احناف ؒ نے فرمایا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن کراہت کا یہ قول مطلقاً نہیں بلکہ اس کو تداعی کی قید کے ساتھ مقید فرمایا ہے کہ اگر نفل کی یہ جماعت تداعی کے ساتھ ہو تو تب یہ عمل کراہت سے خالی نہیں اور اگر تداعی نہ ہو تو پھر نفل کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اور تداعی کے متعلق علامہ ظفر احمد عثمانی ؒ اعلاء السنن میں فرماتے ہیں:

وهو ان يدعو بعضهم بعضاً وفسره الفقهاء بالكثرة كما في "الشامية"..... قلت وتفسير التداعي بالاهتمام والمواظبة اولىٰ من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفىٰ، لان الاول اقرب الى اللغة واشبه بها دون الثاني (اعلاء السنن ج ۷ ص ۷۸۔۸۰)

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تداعی باب تفاعل سے ہے اور اس کا مطلب ایک دوسرے کو بلانا ہے اور فقہاء تداعی کی تفسیر کثرت کے ساتھ کرتے ہیں یعنی کسی کام کو جمع ہو کر زیادہ لوگ ادا کریں اسے تداعی کہتے ہیں جبکہ مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ فرماتے ہیں کہ تداعی کی تفسیر اہتمام اور مواظبت کے ساتھ کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ معنیٰ کثرت والے معنیٰ کے مقابلے میں لغوی اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں لہٰذا فقہائے کرام جب فرماتے ہیں کہ تداعی الی النوافل یہ مکروہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نفل نماز کو اہتمام اور مواظبت کے ساتھ جمع ہو کر جماعت کی صورت میں ادا کیا جائے کہ لوگوں کی کثرت ہو اور پھر اس کام کے لیے لوگوں کو بلایا جائے کیونکہ اہتمام کے اندر دعوت دینا بھی آجاتا ہے تو ایسا طرز عمل مکروہ اور بدعت ہے اور اس کی کچھ وجوہات ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ جب نفل کو بھی جماعت کی صورت میں ادا کیا جائے گا تو اس کی مشابہت فرض نماز کے ساتھ ہوتی ہے اور جماعت تو اصلاً فرض نماز کے ساتھ خاص ہے نہ کہ نفل نماز کے ساتھ اور آپ ﷺ کے طرز عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے جس کی بناء پر نفل کی نماز جماعت کے ساتھ بعض فقہاء کے نزدیک تداعی کے طور پر مکروہ ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ اعلاء السنن میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نوافل کے بارے میں احادیث میں جو کچھ آیا ہے وہ یہ ہے کہ نوافل کو انفرادی طور پر ادا کرنا چاہیے اور گھر میں انفرادی طور پر ادا کرنے میں زیادہ ثواب ہے بمقابلہ مسجد میں ادا کرنے کے، جس سے معلوم یہ ہوا کہ اصل نوافل میں اخفاء اور انفراد ہے یعنی لوگوں سے الگ اور انفرادی طور پر نفل نماز کو ادا کیا جائے اور گھر میں چونکہ انفراد اور اخفاء کامل طور پر حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں نوافل کو گھر کے اندر ادا کرنے کی فضیلت آئی ہے اور فرض نماز کے

اندر اصل اظہار اور اجتماع ہے اس لیے مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے اس سے معلوم یہ ہوا کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا یہ خلاف اصل ہے کیونکہ جماعت کی صورت میں انفراد اور اخفاء نہیں پایا جاتا اس میں اظہار اور اجتماع ہے اور یہ خلاف اصل ہے اور نوافل کو اس کی اصل کے خلاف ادا کرنا یہ کراہت سے خالی نہیں:

واما النوافل فالاصل فيها الاخفاء والانفراد والالم يكن فعلها في البيت افضل فان الصلاة التي بناءها على الاظهار والاجتماع فالافضل فعلها في المساجد فثبت ان الجماعة في النوافل مكروهة (اعلاء السنن ج ۷ ص ۸۷)۔

نوافل کی جماعت کے مکروہ ہونے کی تیسری وجہ اور دلیل اعلاء السنن میں مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ ابن قیم ؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ سنن اور نوافل کو آپ ﷺ گھر میں ادا فرماتے تھے سوائے کسی عذر کے اور فرائض کے متعلق آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ انہیں آپ ﷺ مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے لہٰذا نوافل اور سنن کو انفرادی طور پر ادا کرنا یہ سنت ہے جیسا کہ فرائض کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نوافل اور سنن کی ادائیگی، آپ ﷺ نے ہمیشہ انفرادی طور پر کی لہٰذا یہ بھی سنت ہے کہ انہیں انفرادی طور پر ادا کیا جائے نہ کہ اجتماعی طور پر لہٰذا اجتماعی طور پر نوافل کا ادا کرنا سنت کے اور صحابہ ؓ اور خلفاء ؓ کے عمل کے خلاف ہے جس کی بناء پر ہمارے علماء کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ مکروہ ہے، اور احادیث مبارکہ میں اجتماعی طور پر نوافل کے ادا کرنے کی ترغیب بھی نہیں دی گئی بلکہ انفرادی طور پر ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے؛

وقال ابن قيم في "زاد المعاد" وكان هدى النبي ﷺ فعل السنن والتطوع في البيت الالعارض كما ان هديه كان فعل الفرائض في المسجد الالعارض اه (من ۱ الى ۸۳) فكان الانفراد فيها سنة مؤكدة كما ان الجماعة في الفرائض سنة مؤكدة لمواظبة عليه فتكره الجماعة في النوافل لكونها خلاف السنة الموكدة وخلاف عمل الخلفاء والصحابة (اعلاء السنن ج ۷ ص ۸۷)۔

نفل کی جماعت کے مکروہ ہونے کی بیان کردہ وجوہات اور دلائل کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نفل کی جماعت علی الاطلاق مکروہ قرار دی جاتی اور اس پر مواظبت کو بدعت کہا جاتا لیکن احادیث کے اندر آپ ﷺ سے نفل نماز جماعت کے ساتھ بھی احیاناً ثابت ہے (اعلاء السنن ج ۷ ص ۸۷) جس کی بناء پر فقہاء نے مطلقاً نوافل کی

جماعت کو مکروہ نہیں قرار دیا بلکہ انہوں نے نوافل کی جماعت کو تداعی کی قید کے ساتھ مقید فرمایا ہے، لہٰذا اگر تداعی پائی جائے تو اس صورت میں نفل نماز جماعت کے ساتھ مکروہ ہوگی، یعنی اہتمام اور مواظبت کے ساتھ کثیر لوگ اگر شریک ہوں تو پھر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں کیونکہ اس طرز پر آپ ﷺ سے نوافل کی جماعت ثابت نہیں اور یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔

چنانچہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

قال في الدر، ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان اي يكره ذلك لو على سبيل التداعي بان يقتدي اربعة بواحد كما في الدرر: درمختار میں فرمایا کہ وتر اور نفل رمضان کے علاوہ جماعت کے ساتھ ادا نہ کیے جائیں اور یہ مکروہ ہے اگر تداعی کے طور پر ہو یعنی چار آدمی ایک کی اقتداء میں نماز ادا کریں"

اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وقال الشامي اما اقتداء واحد بواحد او اثنين بواحد فلا يكره وثلاثة بواحد فيه خلاف: بہرحال ایک یا دو آدمیوں کا ایک آدمی کی اقتداء کرنا مکروہ نہیں اور تین آدمیوں کا ایک آدمی کی اقتداء کرنے میں اختلاف ہے (بحوالہ اعلاء السنن ج ۷ ص ۹۷)۔

اسی طرح علامہ ظفر احمد عثمانی صاحبؒ دوسرے فقہاء کے مسلک کو تحریر فرماتے ہیں:

وفي الخلاصة ولا يصلي التطوع الا في رمضان وعن شمس الائمة السرخسي ان التطوع بالجماعة انما يكره اذا كان على سبيل التداعي اما لو اقتدى واحد بواحد لا يكره واذا اقتدى ثلثة بواحد اختلف فيه، وان اقتدى اربعة بواحد كره اتفاقاً والاقتداء في الوتر خارج رمضان يكره وذكر القدوري لا يكره واصل هذا ان التطوع بالجماعة اذا كان على سبيل التداعي تكره: اور خلاصہ میں ہے کہ نفل (باجماعت) نہ پڑھے جائیں مگر رمضان میں اور شمس الائمہ السرخسیؒ سے منقول ہے کہ نفل جماعت اس وقت مکروہ ہے جب بطور تداعی کہ ہو پس اگر ایک نے ایک کی اقتداء کی تو مکروہ نہیں اور جب تین ایک کی اقتداء کریں تو پھر اس میں اختلاف ہے (کہ آیا مکروہ ہے یا نہیں) اور اگر چار (آدمی) ایک کی اقتداء کریں تو پھر بالاتفاق (باجماعت نماز نفل) مکروہ ہے اور رمضان کے علاوہ وتر کی

نماز میں اقتداء کرنا مکروہ ہے اور قدوری نے ذکر کیا ہے کہ مکروہ نہیں اور (کراہت کے حکم کی) اصل یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نفل جب بطور تداعی کے ہوں تو پھر مکروہ ہے (اعلاء السنن ج ۷ ص ۸۱)۔

فقہاء کی مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ نفل کی جماعت علی الاطلاق مکروہ نہیں یہ صرف اس صورت میں ہے کہ جب تداعی پائی جائے، لیکن بعض فقہاء کے نزدیک نفل کی جماعت مکروہ نہیں کیونکہ ان کے پیش نظر وہ احادیث ہیں جس میں آپ ﷺ سے نفل کی جماعت کا ثبوت ہے جس کی بناء پر وہ اس کے قائل نہیں چنانچہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

وفی الاصل للصدر الشهيد اما اذا صلوا بجماعة بغير اذان واقامة في ناحية المسجد لايكره وقال شمس الائمة الحلواني ان كان سوى الامام ثلثة لايكره بالاتفاق وفي الاربع اختلف المشائخ والاصح لايكره: صدر الشہید کی کتاب الاصل میں ہے: بہر حال جب لوگ جماعت کے ساتھ (نوافل کی نماز) بغیر اذان اور اقامت کے مسجد کے ایک کونے میں پڑھیں تو پھر (یہ جماعت) مکروہ نہیں اور شمس الائمہ حلوانی ؒ نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین آدمی ہیں تو مکروہ نہیں بالاتفاق اور چار (آدمیوں کی صورت) میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ (جماعت کے ساتھ نفل کی نماز) مکروہ نہیں ہے (اعلاء السنن، ج ۷، ص ۸۱)۔

مذکورہ بالا عبارتوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس اصول کو بنیاد بنا کر تداعی الی مجالس الذکر کو مکروہ قرار دیا جا رہا ہے خود اس اصول یعنی تداعی الی النوافل میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور بعض اسے جائز قرار دیتے ہیں لیکن جو فقہاء تداعی کی قید کا اعتبار کرتے ہوئے نوافل کی جماعت کو مکروہ قرار دیتے ہیں اگر ان کی بات کو لیا جائے تو کراہت کا قول اس لیے کہا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کا عمل نوافل کے بارے میں عموماً یہی تھا کہ انہیں انفرادی طور پر ادا فرمایا کرتے تھے اور نوافل کی ترغیب بھی انفرادی طور پر ہی منقول ہے اور اجتماعی طور پر نوافل کی ترغیب آپ ﷺ سے منقول نہیں لیکن احیاناً آپ ﷺ سے نوافل کی جماعت بھی ثابت ہے اس لیے نوافل کی جماعت کو علی الاطلاق مکروہ نہیں کہا جاتا بلکہ فقہاء اس میں تداعی کی قید لگاتے ہیں اور اگر تداعی کے ساتھ نہیں تو پھر اس میں کراہت نہیں اور تداعی کی تفسیر ماقبل میں گزر چکی ہے کہ نوافل کے لیے لوگوں کو بلانا اور اہتمام کے ساتھ جمع ہو کر ادا کرنا اور یہ خلاف اصل ہے اور فرض کے ساتھ اس کی مشابہت ہے

جس کی بناء پر ایسا کرنا مکروہ اور خلاف المتوارث ہے اور اسی کو تداعی بالنوافل سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اگر نوافل کو جمع ہو کر ادا کرنے کی ترغیب کہیں موجود ہے تو پھر اس صورت میں اجتماعی طور پر تداعی کے ساتھ نوافل کو ادا کرنا بھی مکروہ نہیں بلکہ بہتر ہے مثلاً استسقاء میں جو کہ بعض حضرات کے نزدیک جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور بعض کے نزدیک یہ ایک دعا ہے جسے اجتماعی طور پر ادا کیا جاتا ہے بہرحال دونوں صورتوں میں اس کی ادائیگی ہوتی ہے تو لازماً اس میں تداعی پائی جاتی ہے اور اس کی ترغیب احادیث میں موجود ہے لہٰذا اس وجہ سے اس کی کراہت کا کوئی بھی قائل نہیں، لہٰذا یہ بات واضح ہوئی کہ تداعی بالنوافل کا اصول ان نوافل یا نفلی کاموں کے ساتھ خاص ہے جن کو انفرادی طور پر کرنا آپ ﷺ سے ثابت ہو اور اجتماعی طور پر اس کی ترغیب ثابت نہ ہو لیکن اگر کسی نفلی کام کی ترغیب آپ ﷺ سے اجتماعی طور پر ثابت ہے تو پھر اس اصول کا انطباق اجتماعی طور والی صورت پر کرنا سراسر ظلم اور انتہائی نامناسب بات ہے۔

تداعی الی النوافل اور تداعی الی مجالسِ الذکر میں فرق:

تداعی الی النوافل کے اصول کی وضاحت کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ تداعی الی النوافل اور تداعی الی مجالس الذکر میں بہت واضح فرق پایا جاتا ہے۔

پہلا فرق یہ ہے کہ تداعی الی النوافل کا تعلق نماز کے حکم سے ہے اور نفل اس حکم کا ایک فرد ہے اسی طرح فرض بھی اس حکم کا ایک فرد ہے لہٰذا اگر نوافل کو بھی اہتمام اور مواظبت اور لوگوں کو دعوت دے کر کیا جائے تو اس کی مشابہت فرض سے لازم آتی ہے جبکہ تداعی الی مجالس الذکر کا تعلق ذکر کے ساتھ ہے اور اس حکم کی ادائیگی کی انفرادی اور اجتماعی ہر صورت میں ترغیب موجود ہے اور فرض، واجب نماز کی طرح اس کے افراد بھی نہیں کہ جن سے اس کی مشابہت لازم آئے لہٰذا تداعی الی مجالس الذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا درست نہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ تداعی الی النوافل یہ صرف ان نفلی کاموں کے ساتھ خاص ہے جن کی انفرادی طور پر ترغیب دی گئی ہو اور اجتماعی طور پر ان کی ترغیب موجود نہ ہو اور پھر اگر کوئی اجتماعی طور پر ان کو ادا کرے تو اس میں علماء کے لیے بحث و مباحثہ کی گنجائش موجود ہے اور تداعی الی مجالس الذکر والی صورت میں تو قرآن و حدیث میں خود انفرادی طور کے علاوہ اجتماعی طور پر ذکر کرنے کی ترغیب موجود ہے لہٰذا اجتماعی طور پر فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے تداعی تو ضروری ہوگی، وگرنہ ان فضائل اور ترغیبات کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر کوئی نفلی کام اجتماعی طور پر آپ ﷺ سے منقول ہے اور اس کی ترغیب

بھی دی گئی ہے تو اس میں بھی تداعی الی النوافل جائز بلکہ مستحب بن جاتا ہے جیسے نماز استسقاء کے لیے لوگوں کو اکھٹا کرنا پھر جماعت کے ساتھ یا اجتماعی دعا کے ساتھ اسے ادا کرنا اور اسی طرح نماز تراویح میں اور اس کے علاوہ نماز کسوف کے لیے "الصلوۃ جامعۃ" کہہ کر پکارنا احادیث سے ثابت ہے اور کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا اور مجالسِ ذکر کی ترغیب تو انفرادی اور اجتماعی طور پر آپ ﷺ سے ثابت ہے تو پھر ان فضائل کو حاصل کرنے کے لیے ترغیب دینا کوئی بری بات نہیں بلکہ مستحسن امر ہے۔

فرشتوں کا مجلسِ ذکر کی طرف بلانا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں کا چکر لگاتے ہیں اور ذکر والوں کو ڈھونڈتے ہیں اور جب وہ کسی جماعت کو پاتے ہیں کہ وہ اللہ کا ذکر اکھٹے ہو کر کر رہے ہیں تو وہ فرشتے پکارتے ہیں اور دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں "ھلموا" آؤ اس مجلسِ ذکر میں شرکت کرو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ تداعی الی مجالس الذکر تو خود فرشتے بھی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ فرشتے تو ایسی مخلوق ہیں کہ اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرتے اور اللہ کے حکم ہی پر چلتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ تداعی کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور اگر یہ کوئی بری بات ہوتی تو فرشتے ایسا ہرگز نہ کرتے بلکہ اس حدیث کے آخر میں فرشتے ایسے شخص پر تعجب کا اظہار کر رہے ہیں جو بغیر ذکر کے مقصد کے اس مجلس میں شامل ہوا جس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ جمع ہوئے تھے ان سب کے مقصد میں اتحاد تھا کہ وہ اللہ کے ذکر کے لیے جمع ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں تداعی پائی گئی ہوگی ورنہ بغیر قصد و ارادے کے جمع ہونے والے پر تو فرشتے تعجب کا اظہار کر رہے ہیں۔

بحث کا خلاصہ:

تداعی کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تداعی الی مجالس الذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ یہ اصول انفرادی نوافل کے ساتھ خاص ہے اور وہاں جاری ہوتا ہے کہ ان نوافل کی اجتماعی طور پر ترغیب نہ ہو اور پھر خود اسی اصول میں علماء کا اختلاف ہے لہٰذا مختلف فیہ چیز پر قیاس کرنا درست نہیں جبکہ مجالسِ ذکر کی انفرادی اور اجتماعی ترغیب باقاعدہ بیان کی گئی ہے لہٰذا مجالسِ ذکر کو تداعی الی النوافل پر قیاس کرنا قطعاً درست نہیں، آخر جس اجتماعی کام کے لیے اللہ تعالیٰ خود بلائیں یا ترغیب دیں اور نبی کریم ﷺ اس کے لیے خود ترغیب دیں اور فرشتے مجالسِ ذکر کی طرف "ھلموا" کہہ کر بلائیں تو اگر مسلمان اس کام کی طرف ترغیب

دیں تو وہ کیسے گناہ گار ٹھہریں گے وہ تو اللہ تعالیٰ کی منشاء اور نبی کریم ﷺ کی اتباع کر رہے ہیں اب مجالس ذکر اور اس کی ترغیب کے متعلق جو کچھ قرآن و حدیث میں آیا ہے اس میں کچھ آیات اور احادیث مبارکہ کو پڑھ لیجئے۔

مجالسِ ذکرِ جہری کے جواز و استحباب کا اصل ماخذ:

مجالسِ ذکرِ جہری کے جواز و استحباب کے متعلق فقہاء اور علمائے کرام و مفتیان عظام کے فتاویٰ اور ان کے اقوال و احوال آپکے سامنے بیان ہو چکے ہیں اس کے بعد مناسب یہ ہے کہ قرآن و سنت جو دین اسلام اور احکام شرعی کے اصل ماخذ اور سرچشمہ ہیں ان سے بھی مجالسِ ذکرِ جہری کے جواز و استحباب کو ثابت کیا جائے لیکن مجالسِ ذکر کے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص پیش کرنے سے قبل اس کے لئے ایک تمہید لکھنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

ذکر اللہ کا اصطلاحی معنیٰ اور اصطلاحات کے ساتھ ظلم:

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یادِ الٰہی کا تعلق دل سے ہے اور اس کی اصل جگہ انسان کا دل ہی ہے اور قرآن مجید نے اور نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات میں جن اعمال کے کرنے اور جن الفاظ کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی وہ سارے الفاظ اور اعمال اسی یادِ حق کے ذرائع اور اسباب یا صورتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے یا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے تو ان سب کو بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام احکامات ہدایات انسان کو غفلت سے نکال کر یادِ الٰہی کا سبب بن جاتے ہیں اس لئے ان کو بھی مجازاً ذکر کہا جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ ان سب کو ذکر ہی کا نام دینا اصل اصطلاحی ذکر کو اور مجالسِ ذکر کو ختم کرنے کے مترادف ہے اور یہ قرآن و حدیث میں تحریف اور دشمنان اسلام کی ایک عظیم سازش ہے۔ کہ اصطلاحات اسلامی کو مٹایا جائے تاکہ کوئی حکم اپنی اصلی حالت میں باقی نہ رہ سکے اور یہی معاملہ "ذکر" اور "مجالسِ ذکر" کے متعلق بھی اختیار کیا جا رہا ہے۔

اصطلاحات کے سلسلے میں قرآن مجید کی آیات

اس تمہید کے بعد اب قرآن و حدیث سے میں بطور نمونہ کچھ پیش کر کے یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ ذکر کا اصل مصداق یہی تہلیل ہے یعنی "لاالٰہ الا اللہ" اور تسبیح یعنی "سبحان اللہ" وغیرہ ہیں اور انہی چیزوں کو اصطلاح شریعت میں ذکر کہا جاتا ہے نماز ایک ایسی چیز ہے جو کہ سراسر اللہ تعالیٰ کی یاد پر مشتمل ہے اس میں تلاوتِ قرآن مجید ہے تسبیح و تحمید ہے دعا اور درود شریف ہے اور قیام و رکوع و سجود بھی، اس کے باوجود اصطلاح میں اس کو ذکر نہیں

کہا جاتا ہے بلکہ اس کے لئے "الصلوٰۃ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ "اقیموا الصلوٰۃ: نماز قائم کرو" اور نماز پڑھنے والے کو "مصلّی" "نمازی" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ایسی واضح بات ہے جو کسی مسلمان سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ لیکن پھر بھی اس کے متعلق قرآن مجید میں سے کچھ پڑھ لیجئے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ : پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے کی حالت میں یاد کرو (نساء آیت ۱۰۳)۔

نیز نماز جمعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو تمہارے لئے یہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی رزق الٰہی اور حلال رزق) کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (جمعہ، ۹ تا ۱۰)۔

انہی آیات میں غور کیجئے، نماز جمعہ کے لئے "صلوٰۃ الجمعہ" کا لفظ استعمال فرمایا پھر فرمایا کہ ذکر الٰہی کی طرف لپکو جس سے مراد خطبہ بھی ہو سکتا ہے اور نماز جمعہ بھی اور دونوں بھی، لیکن اس کے بعد نماز اور خطبہ کے لئے لفظ ذکر استعمال نہیں فرمایا کہ جب ذکر پورا ہو جائے بلکہ نماز کے لئے وہی اپنا اصطلاحی نام لے کر فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذکر (یاد) کثرت سے کیا کرو" یہ اسلیئے تاکہ نماز اور دوسرے اذکار اور اصطلاحی ذکر میں امتیاز ہو سکے۔ اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس میں بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر ہوتا ہے لیکن اس کے متعلق جگہ جگہ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے چنانچہ لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ: اے میرے بیٹے نماز قائم کرو اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کاموں سے منع کیا کرو (لقمان آیت ۱۷)۔

حج جو کہ سراسر عشق و محبت کا منظر پیش کرتا ہے اور سراسر اللہ کی یاد و محبت ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط: پھر جب حج کے مناسک (اورارکان) ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے یا اس سے بھی بڑھ کر قوت کے ساتھ ذکر کیا کرو (بقرہ،۲۰۰)۔

تمام اعمال صالحہ اگر چہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ذکر کو دوسرے اعمال صالحہ سے جدا کر کے فرماتے ہیں:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا: مگر وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں"۔(شعراء،۲۲۷)۔

اللہ تعالیٰ نے روزے کا حکم دیا اور اس کا نام صوم رکھ دیا اور فرمایا"كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ: تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے"۔غرض یہ کہ قرآن وحدیث میں کہیں کہیں اعمال شرعیہ نماز، نصیحت وغیرہ کے لئے لفظ ذکر آیا ہے لیکن نماز و نصیحت، وعظ وتبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، تعلیم وتعلم، تمام کے تمام کے لئے اپنے اصطلاحی نام موجود ہیں اور یہی اس کے اصل نام ہیں اور شریعت مطہرہ میں تہلیل اور تسبیح کے لئے اصطلاحی نام " ذکر "ہی ہے اور مجالس ذکر سے اول نمبر پر مراد یہی تہلیل وتسبیح وغیرہ کے مجالس ہیں اور یہی وہ ذکر ہے کہ جس کے لئے نہ وقت شرط ہے اور نہ کوئی اور حالت چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور عقلمند بندوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ: وہ لوگ اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے (یعنی ہر حالت) میں یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کے پیدائش میں فکر کرتے ہیں اور(کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ بے مقصد اور فضول تو نہیں بنایا ہے تو پاک ہے ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا (آل عمران،ص۱۹۱)۔

اصطلاحات کے سلسلے میں چند احادیث

نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے دین اسلام کے تمام شعبوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور جہاد کے طریقے اور ذکر کے کلمات بتلائے اور دین کے ہر ایک شعبے کو دوسرے سے جدا کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں دیکھیں تو اس میں دین کے ہر شعبے کیلئے علیحدہ اصطلاحی نام موجود

ہیں۔طہارت، غسل اور وضوء، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تعلیم وتبلیغ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، جہاد اور ذکر، دعا وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک کے مفصل احکامات اور ہر ایک کے فضائل جدا جدا بیان فرمائے ہیں اور یہ ایک ایسی کھلی بات ہے جس سے کوئی بھی معمولی پڑھا لکھا بلکہ ایک عام مسلمان بھی انکار نہیں کرسکتا، پھر بھی یہاں صرف تین احادیث اس لئے پیش کرتے ہیں کہ دین اسلام کی اصطلاحات میں شیطان دخل اندازی کرکے ان کو مٹانے کی جرأت نہ کرسکے۔حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کیا تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہارے اعمال میں بہت بہتر اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ، اور تمہارے درجات کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں (یعنی کفار ومشرکین) سے مقابلہ کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں اس سے بھی بہتر ہو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہاں ضرور بتائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ذکر اللہ یعنی اللہ کی یاد (مشکوٰۃ)۔

اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے دین کے شعبوں میں سے بہت اعلیٰ شعبوں کو لے لیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی راہ میں مال خرچ کرنا اور جہاد میں اور اپنی جان اور سر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کٹوانا اور یہ سب کچھ ذکر اللہ میں تو شامل ہی ہیں لیکن حدیث کے الفاظ پڑھ لیجئے معلوم ہوگا کہ اصطلاحی ذکر وہی ہے جسے تہلیل وتسبیح یا ذکر قلبی اور روحیان کہا جاتا ہے۔حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل کلام ابن ادم علیه الا امرٌ بمعروف او نهیٌ عن المنکر او ذکر اللّٰه: بنی آدم کا ہر کلام اس کیلئے وبال ہے علاوہ اس کلام کے جو امر بالمعروف (یعنی نیک اور اچھے کاموں کی تاکید اور تعلیم کرنے) یا نہی عن المنکر (یعنی برائی سے منع کرنے) یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے ہو (مشکوٰۃ)۔

اس حدیث میں بتلایا گیا کہ انسان کا ہر کلام اور ہر قول اس پر وبال ہے، مگر وہ قول اور وہ الفاظ جو اچھے کاموں کی تعلیم وتاکید کیلئے نکالے جائیں یا وہ الفاظ جو کسی کو برے کام سے روکنے کیلئے زبان سے نکالے جائیں اور وہ کلام اور الفاظ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے زبان سے نکالے جائیں تو یہ تین قسم کا کلام انسان پر وبال نہیں بلکہ ان کیلئے ذخیرہ آخرت ہے۔غور کیجئے کسی کو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور بھلے کاموں کیلئے بلانا یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکنا اور اس کو نصیحت کرنا کتنی عظیم بات ہے جو کہ ذکر الٰہی میں شامل ہے لیکن یہاں امر بالمعروف نہی عن المنکر یا ذکر اللہ تینوں

چیزوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا۔

من شغله ذکری عن مسئلتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین: جو شخص میرے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے دعا نہ کر سکے تو میں اس کو دعا مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرونگا۔

اگرچہ دعا بھی ذکر ہی ہے بلکہ دعا کی روح توجہ الی اللہ ہے اور یہی دعا عبادت کا مغز ہے، نیز دعا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی، ذلت و افتقار کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ دوسرے اعمال میں نہیں۔ لیکن چونکہ دعا میں ذاتی غرض و حاجت کی طلب بھی ہوتی ہے اور ذکر الٰہی، تہلیل و تسبیح میں خوف و رجاء کا بے غرضانہ جذبہ شامل ہوتا ہے اور ان کے ذریعے عشق و محبت کا پاکیزہ اظہار ہوتا ہے اس لئے دعا و ذکر کی اصطلاح بھی الگ الگ ہو جاتی ہے اس لئے اسی حدیث میں بھی دعا کو اصطلاحی ذکر سے الگ کر دیا گیا۔ اور اسی لئے حدیث وغیرہ کی کتابوں میں دعا اور ذکر کیلئے الگ الگ عنوان رکھے جاتے ہیں اگرچہ اصطلاح میں درود شریف، استغفار، دعا اور تہلیل و تسبیح وغیرہ سب کے سب ذکر اللہ میں شامل ہیں جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئیگا۔

شرعی اصطلاحات کا خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ آج کل شرعی اصطلاحات کے ساتھ بہت ظلم ہو رہا ہے۔ یہ ظلم دشمنانِ اسلام کی طرف سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور جو بھی جس کام میں ڈوب گیا اس نے اسلام کے تمام شعبوں کے فضائل اپنے ہی کام کیلئے مختص کر لئے۔ حالانکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، تبلیغ، ذکر وغیرہ تمام کے تمام اسلام میں اس قدر معروف اور مشہور ہیں کہ کوئی مسلمان ان چیزوں کے مفہوم میں غلطی نہیں کر سکتا کسی سے کہہ دو کہ نماز پڑھو تو اس سے مراد ذکر نہیں لے گا، یا کسی سے کہہ دیجئے کہ جہاد کیلئے تیار ہو جاؤ تو وہ اس سے مراد قطعاً یہ نہیں لے گا کہ تبلیغ و تعلیم کیلئے تیار ہو جاؤ۔ نیز حج اور عمرہ مخصوص اعمال کا نام ہے مگر اور اعمال بھی ایسے ہیں جن کے متعلق حدیثوں میں آیا ہے کہ ان پر حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے، لیکن ان اعمال کو کرنے سے تو حج یا عمرہ ساقط نہیں ہو جاتے اور نہ ان اعمال کو کوئی حج یا عمرہ کہتے ہیں۔ اسی طرح حدیثوں میں ہے کہ حرم شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گناہ بڑھ جاتا ہے لیکن حرم شریف میں ایک نماز پڑھنے سے نہ لاکھ نماز ادا ہوتی ہیں اور نہ ہی لاکھ نمازوں کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ نیز جہاد فی سبیل اللہ، شریعت کی اصطلاح میں دشمنانِ اسلام کے خلاف تلوار بندوق وغیرہ اٹھا کر ان کے ساتھ لڑنے اور قتال ہی کو کہا جاتا ہے۔ مگر حدیثوں میں آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے نبی کریم ﷺ سے جہاد میں

شرکت کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں، انہوں نے عرض کی کہ زندہ ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں جہاد کر (یعنی والدین کی خدمت کر) اب ہر ایک مسلمان اس بات کو جانتا ہے کہ صرف والدین کی خدمت سے نہ ہی فریضہ جہاد[1] ساقط ہوتا ہے اور نہ کوئی اس کو جہاد کہتا ہے۔ البتہ یہ کہنا درست ہے کہ تبلیغ و تعلیم وغیرہ جہاد کے حکم میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ذکر اور مجالس ذکر سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کا ذکر یعنی تہلیل و تسبیح وغیرہ ہی ہیں البتہ تعلیمی مجالس اس میں تبعاً شامل ہو سکتے ہیں اور جن حضرات مثلاً حضرت عطاءؒ وغیرہ تابعین رحمھم اللہ تعالیٰ نے بعض جگہ مجالسِ ذکر سے مراد مجالس علم یا مجالسِ حلال و حرام لیا ہے ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ مجالسِ علم اور مذاکرہ علم بھی مجالسِ ذکر کے حکم میں داخل ہیں جیسا کہ سوال اور سائلین کے پس منظر کو سامنے رکھنے سے ان حضرات کے اقوال کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ورنہ مجالسِ ذکر سے صرف علم و مذاکرہ علم اور تعلیمی تدریسی مجالس لیکر مجالس تہلیل و تسبیح وغیرہ کی نفی کرنا یہ تو خود قرآن و حدیث میں معنوی تحریف اور ان کو محل سے ہٹانا اور تبدیل کرنا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ مشہور محدث شیخ عبدالحق دہلویؒ سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

> وتاویل الذکر بمذاکرۃ العلم والاء اللّٰہ تعالیٰ بعید ولایجوز حمل لفظ علی خلاف المتبادر الی الذھن من غیر ضرورۃ: اور ذکر سے (تسبیح و تہلیل اور اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ذکر کے علاوہ) مذاکرہ علم اور اللہ تعالیٰ کے انعامات (اور احکامات) مراد لینا ایک بعید معنی ہے اور (اصول یہ ہے کہ) بلاضرورت کسی لفظ سے ایسا معنی مراد لینا جس کی طرف ذہن نہ جاتا ہو جائز نہیں (سباحۃ الفکر، ص ۳۱)۔

اور حضرت حافظ ابن حجرؒ نے اس کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ مجالس ذکر سے مراد وہی مجالس ہیں جو تسبیح و تکبیر وغیرہ اذکار پر مشتمل ہوں اس سے مذاکرہ علم قرأت و حدیث وغیرہ لینا محلِ نظر ہے، البتہ قرأتِ حدیث مذاکرہ علم وغیرہ بالتبع ذکر اللہ میں داخل ہیں (فتح الباری، جلد ۱۱، کتاب الدعوات، ص ۲۱۶)۔

مجالسِ ذکر سے مراد تسبیح و تہلیل وغیرہ اذکار کی مجالس ہی ہیں:

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ میں جہاں مطلقاً مجالسِ ذکر کے فضائل بیان ہوئے ہیں ان سے مراد اصلاً اور حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کا ذکر اور تسبیح

[1] جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح پر تفصیل کتاب جواہر الاسلام کے باب "جہاد فی سبیل اللہ کا بیان" میں دیکھیں۔

وتہلیل وغیرہ اذکار کی مجالس ہی ہیں۔ البتہ ہر وہ عمل جو لوگوں کو غفلت سے نکال کر یادِ الٰہی کا سبب بنے اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ذکراللہ کے حکم میں تبعاً شامل ہے۔ البتہ جہاں تعلیم وتدریس کی مجلس کا خصوصیت سے ذکر آیا ہو وہاں اصلاً وحقیقۃً تو تعلیمی مجلس اور مذاکرہ علم ہی مراد ہوگا۔ لیکن اس میں بھی تہلیل وتسبیح وغیرہ اذکار پر مشتمل مجالسِ ذکر تبعاً شامل ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ؛

وما اجتمع قومٌ في بيتٍ من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسون بينهم الا نزلت عليهم السكينه و غشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده: کوئی جماعت نہیں جو اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر (یعنی مسجد یا مدرسہ) میں جمع ہوکر قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دیتی ہو مگر ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور رحمت الٰہی ان پر چھا جاتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس جماعت کا ذکر ان (فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں (مشکوٰۃ شریف بحوالہ کتاب العلم)۔

تلاوت قرآن خود بھی ذکر ہے اور یہاں اس سے مراد اگرچہ تعلیمی مجلس ہے لیکن اس میں بھی تہلیل وتسبیح وغیرہ اذکار پر مشتمل مجالسِ ذکر تبعاً شامل ہے۔

مجالسِ ذکر کی فضیلت

اس تمہید کے بعد مجالسِ ذکر کے متعلق قرآن وحدیث سے کچھ پڑھ لیجئے پہلے قرآن مجید سے دو آیتوں کو برکت کیلئے پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا: آپ اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ پابند کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضامندی کیلئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی زینت کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان سے نہ ہٹنے پائیں اور اس شخص کا کہنا نہ مانیئے جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر (یاد) سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہوگیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گذر گیا ہے (کہف، ۲۸)۔

سردارانِ قریش نے نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ بلالؓ، صہیبؓ اور عمارؓ اور خبیبؓ وغیرہ جیسے غریب اور خستہ حال جو تمہاری صحبت میں بیٹھتے ہیں اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹا دیں تو ہم تمہاری مجلس میں آ سکتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ ہم بیٹھ نہیں سکتے (صحیح مسلم، ابن کثیر وغیرہ) تو اللہ تعالیٰ نے سردارانِ قریش کی اس بات پر سختی سے اس مذکورہ آیت میں گرفت کی لہذا اس آیت کا مطلب تو یہی ہے کہ آپ ﷺ کی توجہات اور اٹھنے بیٹھنے کے مستحق وہی لوگ ہیں جو صبح، شام اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ کسی ایسے سردار، دولتمند اور چوہدری جس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو ان کی خاطر ان کے ساتھ اپنی نشست و برخاست نہ چھوڑیئے کوئی حق قبول کرے یا نہ کرے کسی کی خاطر کسی نیک شخص کو اپنی صحبت اور اپنی توجہات سے محروم نہ کریں، البتہ اس ایت کے حکم میں مجالسِ ذکر بھی شامل ہو سکتے ہیں اور اس میں مجالسِ ذکر کا شامل ہونا خود نبی کریم ﷺ کی ارشاد سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن سہیلؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ "، ایسی حالت میں نازل ہوئی کہ آپ ﷺ اپنے گھر میں تھے تو آپ ﷺ اسی آیت کے نازل ہونے پر ان لوگوں (یعنی ان فقراء صحابہ کرامؓ) کی تلاش میں نکلے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں بعض لوگ ان میں بکھرے ہوئے بالوں والے تھے اور بدن کا چمڑا خشک تھا اور جسم پر صرف ایک ہی کپڑا تھا۔ جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی جَعَلَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ اَمَرَنِیْ اَنْ اَصْبِر نفسی معھم: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ روکوں" (تفسیر ابن کثیر بحوالہ الطبرانی)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا حضرت عبداللہ بن رواحہؓ پر گذر ہوا اور یہ اپنے دوستوں کو ذکر کرا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ تم ایک ایسی جماعت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے آپ کو تمہارے ساتھ پابند رکھوں، اس کے بعد یہ آیت "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ "، تک پڑھی پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن لو بے شک جتنی تعداد تمہاری یہاں بیٹھی ہے اسی تعداد کے برابر فرشتے (تمہارے ساتھ بیٹھے) ہوتے ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح (یعنی سبحان اللہ) پڑھتے ہو تو وہ بھی تسبیح پڑھتے ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کی حمد پڑھتے ہو (یعنی الحمد للہ پڑھتے ہو) تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اگر تم تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہتے ہو یا اللہ تعالیٰ کی بڑھائی بیان کرتے ہو) تو وہ بھی تکبیر کہتے ہیں پھر یہ فرشتے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف چڑھتے ہیں جس کو ان فرشتوں سے زیادہ علم ہے تو یہ فرشتے

عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار تیرے بندوں نے تسبیح پڑھی ہم نے بھی تسبیح پڑھی، تیرے بندوں نے اللہ اکبر کہا تو ہم نے بھی اللہ اکبر کہا، تیرے بندوں نے الحمدللہ کہا تو ہم نے بھی الحمدللہ کہا (اس کے بعد نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی یہ بات سن کر فرماتے ہیں: اے میرے ملائکہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں میں نے ان سب کی مغفرت اور بخشش فرمادی تو فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں تو فلاں فلاں بہت خطاء کار ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقىٰ بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ: یہ (ذکر کرنے والے) ایسی قوم ہے کہ ان کی وجہ سے ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم اور بدبخت نہیں ہوتا" (رواہ الطبرانی۔ قال الہیثمیؒ وفیہ محمد بن حماد الکوفی وھو ضعیف، کذا فی مجمع الزوائد، جلد۱۰، ص۷۶) اس حدیث سے مجلس ذکر بھی ثابت ہے اور یہ بھی صراحۃً ثابت ہے کہ یہ مجلس تسبیح وتہلیل کی ہے۔

حضرت ثابت بنانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ (حضرات صحابہ کرامؓ کی) ایک ایسی جماعت میں تھے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے کہ نبی کریم ﷺ ان پر گذرے تو یہ حضرات (ذکر اللہ) سے رک گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا تم کیا کررہے تھے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کررہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کرتے جاؤ میں نے رحمت کو دیکھا کہ تمہارے اوپر اتر رہی ہے تو میرا بھی دل چاہا کہ آکر تمہارے ساتھ شرکت کروں، پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے میری امت میں ایسے لوگ بھی پیدا کیے جن کے پاس بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا (حلیۃ الاولیاء، جلد۱، ص۳۴۲)۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مجلس جہری ذکر کی تھی ورنہ چپ رہنے کے کیا معنی؟ لہٰذا وہ ذکر جہر کررہے تھے جیسے ہی آپ ﷺ آئے تو وہ ذکر سے چُپ ہوگئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکرِ جہر اور مجلسِ ذکر:

اِصْبِرْ عَلىٰ مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ج اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ○ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ط كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ: ان (کفار ومشرکین کی نامناسب نامعقول باتوں اور بکواس) پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کو یاد کرو جو بڑا طاقتور تھا بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) بہت رجوع کرنے (اور گڑگڑانے) والا تھا بے شک ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر رکھا تھا کہ وہ ان کے ساتھ (شریک ہوکر) اشراق اور شام کے وقت تسبیح کیا کریں اور (اسی طرح) پرندوں کو

بھی (مسخر کر رکھا تھا) وہ بھی (تسبیح کرنے کیلئے ان کے پاس آکر) جمع ہو جاتے تھے۔ اور یہ سب (پہاڑ اور پرندے وغیرہ) ان کے فرمانبردار تھے (یعنی ان کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے) (سورۃ ص، ۱۷ تا ۱۹)۔

تقریباً اسی طرح کا مضمون سورۃ انبیاء، آیت ۷۹ میں بھی ہے نیز سورۃ سبا میں یہ بھی ہے کہ: "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ط یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرَ ج: بے شک ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت بخشی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو اس (یعنی داؤد) کے ساتھ (تسبیح کو) دہراؤ اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی حکم دیا تھا" (سبا، ۱۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر میں تسبیح دہرائیں، جیسا کہ اس کی تصریح پہلی آیتوں میں گذر چکی ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ سخّرنا لہٗ بلکہ یوں فرمایا ہے کہ " سخّرنا مَعَہ"۔ "معہ" سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح میں اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو بھی ان کا شریک بزم بنا دیا تھا۔ جب داؤد علیہ السلام اپنی تسبیح وحمد کرتے تھے تو وہ بھی ان کی ہمنوائی میں کرتے تھے۔ پہاڑوں اور پرندوں کے اس ذکر و تسبیح کے متعلق بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ جب آپ تسبیح کرتے تو پہاڑ گونج اٹھتے اور یہی گونج ان کی تسبیح تھی۔ یہ بالکل لغو اور فضول بات ہے کیونکہ پہاڑوں کی تسبیح (جس میں ان کے ساتھ پرندے بھی شامل ہوتے تھے) کو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر ایک خصوصی انعام اور فضل کی حیثیت میں بیان فرمایا ہے اور اگر اس سے بازگشت اور گونج ہی مراد لیا جائے تو اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہوئی بلکہ جو شخص بھی پہاڑوں اور گنبدوں میں بلند آواز سے بولے گا تو اس میں گونج پیدا ہوگی۔ خواہ وہ آواز دینے والا کافر ہی کیوں نہ ہو، بلکہ حق یہ ہے اور یہی قرآن مجید سے بالکل واضح ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ پہاڑ اور پرندے سب مل کر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر و تسبیح کرتے تھے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک میں پتھروں نے " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ " پڑھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت شیریں آواز عطا فرمائی تھی اور جب وہ سوز و گداز اور عشق الٰہی میں ڈوبی ہوئی اپنی شریں آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے یا زبور پڑھتے تھے تو سارے ماحول میں عشق الٰہی کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور پہاڑ اور پرندے اڑنا بند کر کے وہ بھی ان کے ساتھ مل کر ذکر و تسبیح میں مشغول ہو جاتے اور ان کے ساتھ تسبیح دہراتے تھے جیسا کہ تقریباً سارے مفسرین نے اس کے یہی معنی لئے ہیں۔ (دیکھئے روح المعانی اور ابن کثیر وغیرہ)۔ پہاڑوں درختوں پر پرندوں وغیرہ کا یہ ذکر ذکر جہری تھا ورنہ اگر پہاڑوں

وغیرہ کا ذکر زبانِ حال سے ہوتا یا زبانِ قال سے خفی ہوتا تو اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت تھی وہ تو ویسے بھی قرآن مجید سے ثابت ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔

اجتماعی ذکر کے فوائد:

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ نے ایک لطیف توجیہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکر وشغل کی ایک خاص کیفیت پیدا ہوگئی تھی جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذکر کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے۔ صوفیاء کرام کے یہاں ذکر وشغل کا ایک خاص طریقہ معروف ہے جس میں ذکر کرتے ہوئے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ پوری کائنات ذکر کررہی ہے۔ اصطلاح باطن اور شوقِ عبادت میں اس طریقہ کی عجیب تاثیر ہے اس آیت سے اس طریقہ ذکر کی بنیاد بھی مستنبط ہوتی ہے۔ (معارف القرآن، جلد ۷ ص ۴۹۶ تا ۴۹۷)۔

مجالس ذکر کے متعلق احادیث شریفہ

قرآن مجید کی مذکورہ دو آیتوں اوراس کے تحت آنے والی روایات اگرچہ مجلسِ ذکر کی اہمیت اوراس کی مشروعیت اور جواز کیلئے کافی ہیں، پھر بھی یہاں چند احادیث کو پیش کیا جاتا ہے ان کو پڑھ لیجئے۔

مجلسِ ذکر کی برکات:

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> لایقعدقوم یذکرون اللّٰہ الاحفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللّٰہ فیمن عندہ: جب کوئی قوم (یعنی کوئی جماعت اور کچھ لوگ) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کیلئے بیٹھتی ہے تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں (یعنی ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہوجاتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ذکر کرنے والوں کا تذکرہ اپنے پاس والوں میں کرتا ہے (صحیح مسلم مشکوٰۃ)

یعنی مقرب فرشتوں وغیرہ میں ایسی جماعت کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ ذکر کرنے والی جماعت کی اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ

مجلسِ ذکر کی خاص برکات اور کیفیات ہیں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اسی حدیث کی شرح میں فرمایا ہے:

اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت وسکینت اور قربِ ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے (حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، ص ۷۰)۔

اس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کیلئے چار خاص نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ رحمت الٰہی ان کو اپنی آغوش اور سایہ میں لے لیتی ہے اور ان دونوں نعمتوں کے لازمی نتیجہ کے طور پر تیسری نعمت ان کو یہ حاصل ہوتی ہے کہ ان کے قلب پر سکینت نازل ہوتی ہے جو عظیم ترین روحانی نعمتوں میں سے ہے۔ یہاں سکینت سے مراد خاص درجہ کا قلبی اطمینان اور روحانی سکون ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطیہ کے طور پر نصیب ہوتا ہے اسی کو اہلِ سلوک "جمعیت قلبی" بھی کہتے ہیں اس دولت اور نعمت کا صاحب سکینہ کو احساس اور شعور بھی ہوتا ہے۔ اور ذاکر بندوں کو ملنے والی چوتھی نعمت جس کا اس حدیث میں سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کے حلقہ میں ان ذاکر بندوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ: دیکھو آدم ہی کی اولاد میں سے میرے یہ بھی بندے ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں غائبانہ ہی ایمان لائے ہیں اس کے باوجود محبت وخشیت کی کیسی کیفیت اور کیسے ذوق وشوق اور کیسے سوز وگداز کے ساتھ میرا ذکر کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مالک الملک کا اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح ذکر فرمانا یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ جس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محروم نہ رکھے (آمین)۔

(فائدہ) اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملا کہ اگر اللہ کا کوئی بندہ ذاکر اپنے قلب وباطن میں "سکینت" کی کیفیت محسوس نہ کرے (جو ایک محسوس کی جانے والی چیز ہے) تو اس کو سمجھنا چاہیئے کہ ابھی وہ ذکر کر کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکا ہے جس پر یہ نعمتیں موعود ہیں یا اس کی زندگی میں کچھ ایسی خرابیاں ہیں جو آثارِ ذکر کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ بہر حال اسے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔ ربِ کریم کے وعدے برحق ہیں۔ (معارف الحدیث، جلد ۵، ص ۲۸ تا ۲۹)۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے مسجد میں ذاکرین کی جماعت پر فخر کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

حضرت معاویہؓ مسجد میں قائم ایک حلقہ پر پہونچے انہوں نے حلقہ والوں سے پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے انہوں نے کہا کہ ہم یہاں اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے کیلئے بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کیا اللہ کی قسم؛ تم صرف ذکر اللہ ہی کیلئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم؛ ہمارے بیٹھنے کا کوئی اور مقصد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا دیکھو میں نے کسی بدگمانی اور تہمت کی بناء پر آپ لوگوں سے قسم نہیں لی ہے (یعنی تمہیں جھوٹا سمجھ کر تم سے قسم نہیں کھلوائی بلکہ میں نے آنحضرت ﷺ کی اتباع کے پیش نظر قسم کھلوائی ہے کہ آپ ﷺ نے بھی اسی طرح کہا تھا جیسا کہ آگے حدیث میں آتا ہے اور پھر معاویہؓ نے کہا) اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو نقل کرنے کے سلسلے میں میرے برابر کوئی نہیں (یعنی میں حدیثوں کے نقل کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا کوئی کمی و زیادتی نہ ہو جائے اس لئے دوسرے لوگوں کے نسبت میں بہت کم حدیثیں بیان کرتا ہوں وہ حدیث یہ ہے)۔ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے پاس پہونچے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا یہاں تمہیں کس چیز نے بٹھایا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ہم یہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کررہے ہیں اور اس نے ہم کو جو ہدایت بخشی اور ایمان اور اسلام کی توفیق دے کر احسان عظیم فرمایا ہے اس پر اس کی حمد و ثنا کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی قسم تم صرف اسی لئے بیٹھے ہو۔ انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی قسم؛ ہم صرف اسی لئے بیٹھے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا؛ اما انی لم استحلفکم تھمة لکم ولکنه اتانی جبرئیل فاخبرنی ان اللّٰہ یباھی بکم الملائکة: دیکھو میں نے کسی (جھوٹ وغیرہ) کی بدگمانی کی بناء پر آپ لوگوں سے قسم نہیں لی ہے بلکہ میرے پاس جبرائیل آئے اور انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتے ہیں (صحیح مسلم وغیرہ دیکھئے مشکوٰۃ)۔

ملائکہ اور فرشتوں پر فخر کا مطلب:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ: "ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ فخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو

یہ لوگ باوجودیکہ نفس ان کے ساتھ ہے شیطان ان پر مسلط ہے شہوتیں ان میں موجود ہیں، دنیا کی ضرورتیں ان کے پیچھے لگی ہوئی ہیں ان سب کے باوجود یہ لوگ اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور اتنی کثرت سے ہٹانے والی چیزوں کے باوجود میرے ذکر سے نہیں ہٹتے۔ تمہارا ذکر وتسبیح اس لحاظ سے کہ تمہارے لئے کوئی مانع بھی ان میں سے نہیں ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے"۔ (فضائل ذکر، ۲۶ تا ۲۷)۔ اس سے مجالس ذکر کی اہمیت کا اندازہ لگائیے کہ لوگوں کا جمع ہوکر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا وتسبیح کرنا، اللہ تعالیٰ کو کتنا پسند ہے کہ وہ اپنے خاص فرشتوں کے سامنے ایسے بندوں پر فخر کرتے ہیں اور ان سے اپنی رضا وخوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی یاد اور اپنی یاد کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے کی توفیق عنایت فرمائے (آمین)۔

مجالسِ ذکر مسجد میں بھی جائز ہے:

نیز حضرت معاویہؓ کا گذر جن حضرات کے حلقہ پر ہوا ان کے بارے صراحت کے ساتھ یہ بیان ہے کہ وہ حلقہ مسجد میں جما ہوا تھا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "خرج معاوية على حلقةٍ في المسجد: حضرت معاویہؓ مسجد میں جمے ہوئے حلقہ پر پہنچے۔ (صحیح مسلم)۔

اہل الذکر اور مجالسِ ذکر کو فرشتے ڈھونڈتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی مجالس میں بیٹھنے والوں کی مغفرت فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ!

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو مجالسِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں اور جب بھی وہ کسی جماعت یا قوم کو پالیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مطلب کو جلدی آؤ تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے ان لوگوں کو دنیا کے آسمان تک گھیر لیتے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں، حالانکہ وہ ان فرشتوں سے کہیں زیادہ اس بارے میں جانتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے جواب میں

عرض کرتے ہیں"یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک و یمجدونک: تیری تسبیح کرتے ہیں، اور تیری بڑائی بیان کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں اور عظمت کے ساتھ تجھے یاد کرتے ہیں"۔آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے، اس کے جواب میں فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم؛ انہوں نے تجھے نہیں دیکھا، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اچھا اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو پھر ان کا کیا حال ہوتا۔فرشتے جواب میں عرض کرتے ہیں"لو رأوک کانوا اشدلک عبادۃً واشدلک تمجیداً واکثر تسبیحاً :اگر وہ تجھے دیکھتے پھر تو بہت ہی زیادہ تیری عبادت اور بندگی میں لگ جاتے اور بہت زیادہ بزرگی اور عظمت کے ساتھ تجھے یاد کرتے اور تیری تسبیح بہت ہی کرتے"۔پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ وہ بندے مجھ سے مانگتے کیا ہیں۔؟ فرشتے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں اللہ کی قسم؛ اے ہمارے پروردگار انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا، تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں اچھا اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو پھر ان کا کیا حال ہوتا، فرشتے کہتے ہیں اگر جنت کو دیکھ لیتے تو اس (جنت) پر بہت حرص کرتے اور اس کو بہت زیادہ طلب کرنے والے ہوتے اور اس میں بہت زیادہ رغبت کرتے، پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟، فرشتے کہتے ہیں کہ دوزخ سے، پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم؛ اے پروردگار انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا تو فرشتے جواب میں عرض کرتے ہیں اگر وہ اس کو دیکھ لیتے تو اس سے ڈر کی وجہ سے بہت زیادہ بھاگتے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان (مجلس والوں) کو بخش دیا پھر ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے یا اللہ ان ذکر والوں میں فلاں شخص تو ان ذکر والوں میں سے نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنے کسی کام کیلئے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کہ "ھم الجلساء لایشقی جلیسھم: یہ اہل ذکر، ایسے بیٹھنے والے ہیں جن کے پاس

بیٹھنے والا بھی بد بخت اور بے نصیب نہیں ہوتا" (بخاری ومسلم)۔

اس طویل حدیث کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں نے ایک دوسرے سے معمولی فرق کے ساتھ نقل کیا ہے اور مشکوٰۃ میں بھی یہ دونوں روایتیں موجود ہیں۔ اس حدیث سے چند امور معلوم ہو گئے۔

..... مجالسِ ذکر اس قدر اہم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کو ڈھونڈتے رہتے ہیں اور اس کیلئے فرشتوں کی خاص جماعتیں مقرر رہیں۔

..... اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ذات ہونے کے باوجود ان مجالس سے اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ ملائکہ سے بار بار ان کا حال پوچھتے ہیں، جیسا کہ کسی کا محبوب کسی کو یاد کرے تو عاشق بسا اوقات معلوم ہونے کے باوجود بار بار پوچھتا ہے، پھر کیا کہا، پھر کیا کہا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر پیار و محبت ہے، اس کو یاد کرنے والوں کے ساتھ اور مجالس ذکر کے ساتھ۔ اس کا اندازہ صاحب ذوق لوگ ہی لگا سکتے ہیں۔

..... مجالسِ ذکر والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بخش دیتے ہیں، جنت دے دیتے ہیں اور جہنم سے بچا لیتے ہیں۔

..... ذکر کرنے والوں اور مجالسِ ذکر میں بیٹھنے والا شخص بھی بے نصیب اور بد بخت نہیں ہوتا بلکہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ اگر چہ وہ خود ذاکر نہ ہو بلکہ اپنی کوئی غرض لے کر بیٹھ گیا ہو۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فرشتے بھی ذکر کو سن کر ایک دوسرے کو اس کے سننے کیلئے تداعی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ اور وہ مجلس بھی تہلیل وتسبیح کی ہوتی ہے، یہ نہیں کہ مجلس تو وعظ ونصیحت کی تھی مگر درمیان میں کسی نے "سبحان اللہ" کہا کیونکہ یہاں مجلس کا مقصد اور اس کا انعقاد ہی تسبیح وتہلیل ہے اور فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ کچھ پیش کیا ہے جو کچھ انہوں نے ان ذاکرین سے سنا تھا۔

..... اسی حدیث میں اچھی صحبت اور اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والی مجالس میں بیٹھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

.....مجالسِ ذکر میں حاضری کی ترغیب:

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم اس حدیث کو نقل کرکے اس کے تحت تحریر فرماتے ہیں، اس حدیث پاک سے "مجالسِ ذکر" میں حاضری کی ترغیب معلوم ہوتی

ہے کہ ملائکہ کی طرح اہل اسلام کو بھی ایسی مجالس کی تلاش و جستجو کرنی چاہیے تا کہ انہیں بھی اس رحمت سے حصہ ملے جو ان مجالس پر نازل ہوتی ہے۔

......ان مجالس سے مراد اجتماعی ذکر تسبیح و تکبیر وغیرہ کی مجالس ہیں:

حضرت مفتی صاحب آگے فرماتے ہیں کہ: "یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان مجالس سے مراد وعظ و تقریر کی مجالس ہیں کیونکہ یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔ اسی حدیث پاک میں آگے صراحۃً مذکور ہے، "یسبحونک ویکبرونک ویھللونک ویحمدونک ویسئلونک" اس سے اجتماعی ذکر تسبیح، تکبیر اور تھلیل وغیرہ کا ثبوت ظاہر ہے۔ ہاں ثانوی درجہ میں مجلس وعظ بھی مجالس ذکر کے حکم میں ہوں تو اس کا مضائقہ نہیں"۔

......ان مجالس ذکر سے مراد وہی اجتماعی ذکر کی مجالس ہیں جو قصداً منعقد کی جائیں:

حضرت مفتی صاحب اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: "نیز یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ یہ حدیث ایسی مجالس ذکر کے بارے میں ہے جن میں اجتماع کا قصد نہ ہو۔ بس ایسے ہی بیٹھے بیٹھے ذکر کرنے لگ گئے ہوں کیونکہ یہ دعوائے تخصیص بھی بلا دلیل ہے بظاہر حدیث پاک اپنے اطلاق و عموم کی وجہ سے دونوں قسم کی مجالسِ ذکر کو شامل ہے بلکہ آخر حدیث سے یہ عموم صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اصل تو اس مجلسِ ذکر میں وہی لوگ تھے جو قصداً مجلس میں شریک ہوئے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی تھے جو بلا قصد اس مجلس میں شامل ہو گئے تھے، جب فرشتوں نے بارگاہ خداوندی میں ایسے لوگوں کا غیر قصدی طور پر شامل ہونا عرض کیا تو ارشاد خداوندی ہوا کہ رحمت سب کو پہنچے گی ایسے لوگ بھی محروم نہیں رہیں گے، "ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم" (مسلم شریف، جلد۲، ص۳۴۴) (خیر الفتاوی، جلد۲، ص۰۲ تا ۷۵)۔

مجالسِ ذکر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہے:

حضرت سلمان فارسیؓ ایک ایسی جماعت میں تھے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھی، اتنے میں ان کے پاس سے نبی کریم ﷺ گذرے تو یہ حضرات چپ ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا:

ذکر کیے جاؤ میں نے رحمت دیکھی ہے کہ تم پر اتر رہی ہے اور میں نے اچھا سمجھا کہ تمہاری

اس رحمت میں شرکت کروں (حیاۃ الصحابہؓ، جلد ۳، ص ۲۸۲)۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ یہ مجلس ذکر تسبیح و تہلیل کی تھی اور سارے حضرات تہلیل و تسبیح میں مشغول تھے ورنہ اگر ایک آدمی بیان کرتا یا قرأت کرتا اور دوسرے لوگ سنتے پھر تو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر واعظ یا قاری چپ ہوگیا۔ بلکہ وہاں الفاظ یہ ہیں کہ "فکفوا" یعنی (نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر تو وہ سب) حضرات ذکر سے رک گئے (حلیہ الاولیاء، جلد ۱، ص ۳۴۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اجتماعی ذکر جہراً تھا ورنہ چپ ہونا یا رُک جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر وہ پہلے سے چپکے چپکے ذکر کررہے تھے۔ نیز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر کئے جاؤ۔ تو معلوم ہوا کہ پہلے جہراً ذکر کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر چُپ ہوگئے اس لئے نبی کریم ﷺ نے سوال کیا انہوں نے جواب دیا پھر آپ ﷺ نے ذکر کو شروع کرنے کا حکم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذکر کی مجلس والے عزت والے ہیں:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ اس مجمع (یعنی محشر میں اول تا آخر جتنے لوگ ہیں اس پورے مجمع) کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اہلِ کرم (یعنی عزت والے) لوگ کون ہیں؟ کسی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اہل کرم کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اهل مجالس الذكر: ذکر کی مجلس والے۔ (احمد، ابویعلی وابن حبان، والبیہقی وغیرہم کذا فی الترغیب، جلد ۲، ص ۴۰۳)۔

مجلس ذکر والوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور ان کی خطائیں نیکیوں سے بدل دی جاتی ہیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مامن قوم اجتمعوا يذكرون الله لايريدون بذالك الا وجهه الا ناداهم منادٍ من السماء ان قوموا مغفوراً لكم قد بدلت سياتكم حسنات: جو بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے اکٹھے ہو جائیں اور ان کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہو تو آسمان سے ایک آواز دینے والا (یعنی فرشتہ) ندا (یعنی آواز) دیتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے

گئے اور تمہاری خطائیں نیکیوں سے بدل دی گئیں (رواہ احمد وغیرہ دیکھئے ترغیب، جلد۲،ص ۴۰۳تا۴۰۴)۔

گناہوں کا نیکیوں سے بدل جانے میں چند اقوال ہیں۔

..... خطائیں معاف ہوجاتی ہیں اور نیکیاں باقی رہ جاتی ہیں۔

..... لوگوں کو برائیوں کی بجائے نیکیوں کی توفیق ہوجاتی ہے۔

..... ذکراللہ کی وجہ سے ان لوگوں کے جذبات بدل جاتے ہیں اور برائیوں کی بجائے اچھے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔

..... ان کو نیکیوں کی توفیق مل جاتی ہے اور پرانے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ نیز چونکہ توبہ بھی عبادت ہے اس لیے توبہ کی نیکی لکھی جاتی ہے۔

..... اللہ تعالیٰ مالک ہیں قدرت والے ہیں وہ جس سے راضی ہوجائیں اور جس کی ادا اس کو پسند آجائے تو وہ اس کے گناہ معاف کرکے اس کے بدلے نیکیاں لکھ دیں، تو اس کی عطا کو روکنے والا کون ہے، اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف کردیں اور ہم سے راضی ہوکر ہماری برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دیں۔ (آمین)

مجلس ذکر والے قیامت کے دن موتیوں کے منبروں پر ہوں گے:

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بعض قوموں کا حشر اس طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوگا وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے وہ نہ انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء۔ کسی بدوی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کا حال بیان کردیجئے کہ ہم ان کو پہچان لیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتّٰی وبلادٍ شتّٰی یجتمعون علی ذکر اللہ یذکرونہ: یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مختلف جگہوں سے مختلف خاندانوں سے آکر ایک جگہ جمع ہوگئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں (رواہ الطبرانی باسناد حسن کذا فی الترغیب، جلد۲، ص ۴۰۶)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اپنے رسالہ فضائل ذکر (جو فضائل اعمال یعنی تبلیغی نصاب میں داخل ہے) میں فرماتے ہیں:

آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں، آج انہیں جتنا دل چاہے برا بھلا کہہ لیں کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے جب وہ منبروں، بالا خانوں پر ہوں گے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے۔ (فضائل ذکر، ص ۳۴)۔

مجالسِ ذکر کی غنیمت اور بدلہ جنّت ہے:

فَسَوْفَ تَرىٰ اِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ
اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ ام حِمَار [1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ذکر کی مجلسوں کا مال غنیمت (یعنی بدلہ اور اجر) کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "غنيمة مجالس الذكر الجنة: مجالس ذکر کی غنیمت جنت ہے"۔ (رواہ احمد باسناد حسن کذا فی الترغیب، جلد ۲، ص ۴۰۵)۔

مسجد میں مجلسِ ذکر اور صبح کی نماز کے بعد اشراق تک ذکر کرنے والوں کی فضیلت:

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک چھوٹی سی جماعت نجد کی طرف بھیجی اس جماعت نے بہت مال غنیمت جمع کیا اور جلد واپس آ گئی تو ایک شخص نے کہا جو اس جماعت میں نہیں گیا تھا کہ میں کوئی لشکر اتنا جلد واپس آنے اور اتنا زیادہ مال غنیمت جمع کرنے والا اس لشکر کی بہ نسبت نہیں دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الا ادلكم على قوم افضل غنيمة واسرع رجعة قوم شهدوا صلاة الصبح ثم جلسوا في مجالسهم يذكرون الله حتى طلعت الشمس فاولئك اسرع

---

[1] عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر۔

رجعة وافضل غنيمة، : کیا میں تمہیں ایسی قوم نہ بتاؤں جو غنیمت میں افضل اور بہت جلد لوٹنے والے ہیں؟ یہ وہ قوم ہے جو صبح کی نماز کو حاضر ہوئے پھر (جب صبح کی نماز پڑھی تو) اپنی جگہ بیٹھے رہے اور طلوع آفتاب تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے یہ لوگ جلد واپس آنے والے اور زیادہ غنیمت جمع کرنے والے ہیں (ترمذی وغیرہ دیکھئے حیاۃ الصحابہؓ، جلد۳، ص۲۸۰)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

"صبح سے طلوع شمس تک ذکر اللہ کرنے والی جماعت کے ساتھ بیٹھوں یہ مجھے اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے اور عصر سے غروبِ شمس تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھوں یہ مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے" (مجمع الزوائد، جلد۱۰، ص۱۰۵)۔

صبح اور عصر کی مجلس ذکر سے یہی تسبیح و تہلیل و تکبیر کی مجلس ذکر مراد ہے۔ چنانچہ ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں (صبح کی نماز کے بعد) اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے بیٹھ جاؤں "واكبره، واحمده، و اسبحه، واهلله" یعنی اللہ اکبر کہوں، سبحان اللہ کہوں، اور الحمد للہ کہوں اور لا الٰہ الا اللہ کہوں۔ حتیٰ کہ سورج نکل آئے یہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں دو غلام اولاد اسماعیل علیہ السلام سے آزاد کروں اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک بیٹھوں یہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ چار غلام اولاد اسماعیل علیہ السلام سے آزاد کروں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صبح کی نماز کے بعد سے لیکر طلوع آفتاب تک تسبیح و تہلیل تحمید و تکبیر کہنے کے متعلق فرمایا کہ: یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اولاد اسماعیل علیہ السلام سے چار غلام آزاد کروں۔ (مجمع الزوائد، جلد۱۰، ص۱۰۴ تا ۱۰۵)۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک تو یہ مجھے اس چیز سے زیادہ پسند ہے کہ جس پر سورج طلوع ہوتا ہے اس طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کروں جو عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک ذکر کرتے ہیں یہ مجھے دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے زیادہ پسند ہے (بیہقی وغیرہ)۔

مذکورہ بالا ان حدیثوں میں بھی غور فرمائیں: نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تنہا فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک ذکر کیلئے بیٹھوں بلکہ یوں فرمایا ہے کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک۔ اس میں ذکر کی فضیلت کے ساتھ ساتھ جماعت کے ساتھ ذکر کی ترغیب بھی دی ہے اور مجلس ذکر کی فضیلت کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

مجالسِ ذکر کو مضبوط پکڑو:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اپنے رسالہ فضائل ذکر میں لکھتے ہیں کہ: "ایک حدیث میں ہے کہ مجالس پر جو سکینہ (ایک خاص نعمت) نازل ہوتی ہے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں رحمت الٰہی ان کو ڈھانک لیتی ہے اور اللہ جل جلالہٗ عرش پر ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ ابورزینؓ ایک صحابی ہیں وہ کہتے ہیں حضو ﷺ نے فرمایا کہ:

> تجھے دین کی تقویت کی چیز بتاؤں جس سے دونوں جہانوں کی بھلائی کو پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کی مجلسیں ہیں، ان کو مضبوط پکڑو اور جب تو تنہا ہوا کرے تو جتنی بھی قدرت ہو اللہ کا ذکر کرتا رہ"۔ (دیکھئے فضائل ذکر، ص ۴۳)۔

نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرامؓ سے مل کر جہراً لا الہ الّا اللہ کا ذکر کرنا:

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں اور حضرت عبادہ بن صامتؓ اس واقعہ میں حاضر تھے وہ اس کی تصدیق کرر ہے تھے، فرماتے ہیں کہ:

> كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال هل فيكم غريب يعني اهل الكتاب فقلنا لا، يارسول الله فأمر بغلق الباب وقال ارفعو ايديكم وقولو لااله الّا الله فرفعنا ايدينا ساعةً ثم وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال الحمد لله اللّٰهمّ انك بعثتني بهذهِ الكلمة وأمرتني بها ووعدتني عليها الجنة وانك لاتخلف الميعاد ثم قال ابشروا قال الله عزوجل قد غفرلكم: ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی (غیر مسلم) اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں تو آپ ﷺ نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا؛ اور فرمایا؛ کہ ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لا الٰہ الا اللہ چنانچہ ہم نے اپنے ہاتھ تھوڑی دیر اٹھائے رکھے (اور کلمہ طیبہ پڑھتے رہے) پھر آپ ﷺ

نے اپنا ہاتھ نیچے کیا، پھر فرمایا کہ: الحمد للہ! اے میرے اللہ تو نے مجھے یہ کلمہ دیکر بھیجا ہے اور اس کلمہ (کی تبلیغ اور اس کے ورد کرنے) کا حکم دیا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ کیا ہے اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے بے شک تم لوگوں کی مغفرت کردی (رواہ احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرهما كذافي الترغيب وقال الهيشمي رواه احمد فيه شداد بن داود وقد وثقه غير واحد وفيه ضعف وبقية رجاله ثقات قلت رواه الحاكم في المستدرك وقال الذهبي راشد ضعفه الدارقطني وغيره و ثقه رحيم، انظر الى حياة الصحابه، الجز الثالث، ص ۲۵۳، وبلوغ الاماني الجزء الثالث عشر، ص ۲۱۳-۲۱۴، و فضائل الذكر، ص ۷۳).

اس حدیث کے فائدے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں "اس حدیث سے علماء نے مشائخ کا اپنے مریدین کی جماعت کو تلقین کرنے پر استدلال کیا ہے، چنانچہ جامع الاصول میں لکھا ہے۔ حضور ﷺ کا صحابہ کو جماعۃً اور منفرداً ذکر کی تلقین کرنا ثابت ہے جماعت کو تلقین کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے اس صورت میں کواڑوں کا بند کرنا مستفیدین کی توجہ تام کرنے کی غرض سے ہوا اور اسی وجہ سے اجنبی کو دریافت فرمایا کہ غیر کا مجمع میں ہونا حضور ﷺ پر تشتت کا سبب اگر چہ نہ ہو لیکن مستفیدین کے تشتت[1] کا احتمال تو تھا ہی (فضائل ذکر، ص ۷۳)۔

اس حدیث کے تحت علامہ احمد الرحمٰن البناءؒ فرماتے ہیں کہ:

وفيه دلالة على استحباب رفع اليد عند قول لااله الا الله وجواز قولها جماعة والظاهر ان هذا اصل اجتماع الناس على الذكر بقول لااله الا الله، والله اعلم: اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ نیز اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اس کلمہ کو اجتماعی طور پر پڑھنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ لوگوں کا اجتماعی طور پر لا الہ الا اللہ پڑھنے کیلئے یہ حدیث اصل ہے (بلوغ الامانی، جلد ۳، ص ۲۱۳ تا ۲۱۴)۔

---

[1] تشتت کے معنی ہیں انتشار وافتراق یعنی توجہ کا دوسری طرف لگ جانا۔

مجالس ذکر میں ایمان ترقی کرتا ہے:

مجالسِ ذکر یادِ الٰہی اور ایمان میں ترقی کا ذریعہ ہیں چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اپنے ایمان کو تازہ کرو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کس طرح ایمان کو نیا (اور تازہ) کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ کثرت سے کہا کرو (اخرج احمد والطبرانی قال الهيثمي رجال احمد ثقات وقال المنذري في الترغيب اسناد احمد حسن كذافي حياة الصحابةؓ، جلد۳، ص ۱۴)۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے ساتھ حضرت عبد اللہ بن رواحہ ملتے تو فرماتے اے عویمر تھوڑی دیر بیٹھو کہ ہم ذکر کریں، چنانچہ ہم بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ فرماتے کہ یہ ایمانی مجلس ہے۔

اسی طرح کی روایت حضرت انس بن مالکؓ سے بھی منقول ہے اور جب نبی کریم ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن رواحہ لوگوں کو ایمان کی تازگی اور مجلس ذکر کی ترغیب دیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ابن رواحہ پر رحم کرے بیشک وہ ایسی مجالس کو محبوب رکھتا ہے جن پر ملائکہ بھی فخر کرتے ہیں (اخرج احمد باسناد حسن کذافی الترغیب، جلد۳، ص۶۳، حیاۃ الصحابہؓ، جلد۳ ص۱۳)۔

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے ساتھیوں میں کسی ایک یا دو کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے ہمارے ساتھ تیار ہو جاؤ تاکہ ہم ایمان میں زیادتی کریں، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ عز وجل کا ذکر کرتے (اخرج ابن ابی شیبہ واللالکائی فی السنۃ کذافی الکنز، جلد۱، ص۲۰۷، حیاۃ الصحابہؓ، جلد۳، ص۱۴)۔ حضرت اسود بن ھلالؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت معاذؓ کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے ہم سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ بیٹھو تاکہ ہم ایک گھڑی ایمان کو تازہ کریں (اخرج ابو نعیم فی الحلیہ، جلد۱، ص۲۳۵، حیاۃ الصحابہؓ، جلد۳، ص۱۴)۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا مل کر جہراً سبحان اللہ، سبحان اللہ اور اللہ اکبر پڑھنا:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ:

ہم سعد بن معاذؓ کی وفات پر (نماز جنازہ کیلئے) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے پس جب آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو قبر میں رکھدیا گیا اور ان کی قبر برابر کردی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے تسبیح یعنی (سبحان اللہ) پڑھی (آپ ﷺ کو دیکھ کر) ہم بھی دیر تک تسبیح کرتے رہے، پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی ان کے ساتھ تکبیر پڑھی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تسبیح اور تکبیر کیوں پڑھی، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے (تسبیح وتکبیر کی وجہ سے) تنگی کی اس کیفیت کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرمادی۔ (رواہ احمد دیکھئے مشکوٰۃ باب اثبات عذاب قبر)۔

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یہ سعد بن انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابیؓ اور ممتاز صحابہ کرامؓ میں سے تھے غزوہ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انھیں حاصل تھی۔ ۵ھ میں ان کا وصال ہوا اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازہ میں شرکت کی اور آسمان کے دروازے ان کیلئے کھولے گئے۔ باوجود اس کے قبر کی تنگی سے ان کو بھی واسطہ پڑا (اگرچہ فوراً وہ اٹھالی گئی)۔ اس میں ہم جیسوں کیلئے بڑا انتباہ اور سبق ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِرْحَمْنَا اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا (معارف الحدیث، جلد ا، ص ۲۰۰)۔

ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا وما رياض الجنة قال حلق الذكر : جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرو تو خوب چرو (یعنی خوب پھل اور میوے کھاؤ) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ذکر کے حلقے "۔ (ترمذی دیکھئے مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل وتقرب الی اللہ)۔

مساجد میں ذکر کی مجالس اور ان میں چرنے اور لگ جانیکی ترغیب اور

ان میں چرنا کیا ہے؟ وہ تہلیل و تسبیح وغیرہ ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا، قیل یا رسول اللّٰہ وما ریاض الجنة ؟ قال المساجد قیل وماالرتع یا رسول اللہ، قال سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر: جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گذرو تو خوب چرو (یعنی خوب پھل کھاؤ) کسی نے دریافت کیا، یارسول اللہ ﷺ جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجدیں (پھر) کسی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ان میں چرنا (اور پھل اور میوے کھانے کا مطلب) کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر (ترمذی دیکھئے مشکوٰۃ باب المساجد)۔

حضرت عمرؓ کی جہری اور اجتماعی دعا:

مولیٰ ابو سعیدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ عشاء کے بعد مسجد کا چکر لگاتے اور اس میں نفل پڑھنے والوں کے سوا اور لوگوں کو نکال دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دن حضرت عمرؓ کا گذر ایک ایسی جماعت پر ہوا جن میں حضرت ابی بن کعبؓ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا تم لوگ کون ہو، حضرت اُبیؓ نے کہا اے امیر المومنین آپ کے گھرانے کے کچھ لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نماز پڑھنے کے بعد کیوں مسجد میں ٹھہر گئے ہو، تو ابی بن کعبؓ نے عرض کیا "جلسنا نذکر اللہ: ہم بیٹھے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں" تو حضرت عمرؓ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے پھر ان میں سے جوان کے پاس زیادہ قریب بیٹھا تھا ان سے فرمایا دعا شروع کرو تو اس نے دعا کی پھر ایک ایک آدمی کو لیتے وہ سب دعا کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ نوبت مجھ تک پہنچ گئی (یعنی راوی مولیٰ ابو سعیدؒ کا نمبر آ گیا) وہ کہتے ہیں اور میں ان کے پہلو میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شروع کرو تو میں رُک گیا۔ اور خوف کی وجہ سے مجھ پر کپکپاہٹ طاری ہوئی اور اس کو حضرت عمرؓ نے بھی محسوس کیا اور فرمایا کہ (تھوڑا سا کہہ دو) اگر چہ اتنا ہی کہہ دو کہ اللھم اغفرلنا، اللھم ارحمنا: اے اللہ ہمیں بخش دے، اے اللہ ہم پر رحم فرما۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دعا مانگنی شروع کی۔ روای کہتے ہیں: ما کان فی القوم اکثر دمعة ولا اشد بکاء منہ: قوم میں سے کوئی بھی ان سے زیادہ آنسو بہانے والا اور ان سے زیادہ سخت رونے والا آدمی نہ تھا" اس کے بعد فرمایا اب چلے جاؤ (حیاۃ الصحابہؓ، جلد ۳، ص ۳۳۱)۔ اس روایت میں اجتماعی ذکر بھی ہے اور اجتماعی دعا بھی ہے بلکہ حضرت عمرؓ کا سخت رونا اور

سخت رونے کی حالت میں دعا کے جو جملے نکلے ہیں وہ شدید جہر کے ساتھ ہوتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی جہری اور اجتماعی دعائیں اوراذکار:

ابوہبیرہؓ سے روایت ہے کہ:

حبیب بن مسلمہ بن فہریؓ مستجاب الدعوات تھے ایک دفعہ یہ ایک لشکر کے امیر مقرر ہوئے اور سرحد پار کر چکنے کے بعد جب دشمنوں سے ملے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ: **لایجتمع ملاء فیدعو بعضھم ویؤمن سائرھم الا اجابھم اللّٰہ**: جب کوئی جماعت جمع ہوتی ہے اوران میں سے بعض دعا کریں اور باقی لوگ آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے اس کے بعد اس نے (یعنی حبیب بن مسلمہ بن فہریؓ) نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور کہا: **اَللّٰھُمَّ احفظ دمائنا واجعل اجورنا اجور الشھداء**: اے اللہ ہمارے خون کی حفاظت فرما اور ہمیں شہداء جیسے اجر دے، راوی کہتا ہے کہ ہم لوگ ابھی اسی حال میں تھے کہ اچانک دشمنوں کا امیر آیا اور حضرت حبیب بن مسلمہؓ کے خیمے میں داخل ہوگیا۔ (رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح غیر ابن لھیعۃ وھو حسن حدیث کذا فی مجمع الزوائد، جلد۱۰، ص۱۷۰)۔ اس روایت سے اجتماعی دعا جہری دعا جس پر آمین کہی جائے اس کی ترغیب موجود ہے۔

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ:

کان انس بن مالکؓ اذا ختم القرآن جمع اھلہ ودعا: حضرت انس بن مالکؓ جب قرآن مجید کو ختم کرتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع کرتے اور دعا کرتے (المنتقی المختار، ص۹۳ بحوالہ ابوداؤد) نیز حضرت ثابت سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے اہل اور اولاد کو جمع کرتے اور ان کیلئے دعا کرتے (**رواہ الطبرانی رجالہ ثقات مجمع الزوائد، جلد۳، ص ۱۷۲**)۔

مجاہدؒ سے روایت ہے کہ:

کانوا یجتمعون عند ختم القرآن یقولون تنزل الرحمۃ: وہ (یعنی صحابہ کرامؓ وغیرہ) قرآن مجید کے ختم کے وقت جمع ہوجاتے تھے اور کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت

نازل ہوتی ہے (المنتقی المختار، ص۹۴)۔

یہ چند احادیث اور روایات مجالس ذکر کے متعلق ذکر کی گئیں جن سے یہ معلوم ہوا کہ مجالسِ ذکر سے حقیقۃً اور اصل مراد یہی تسبیح و تہلیل وغیرہ کی مجالس ہیں جیسا کہ احادیث میں جگہ جگہ کہا گیا اور مجازاً اس میں وہ تمام مجالس شامل ہیں جن میں اللہ کو کسی نہ کسی طرح یاد کیا جاتا ہے، خواہ تعلیم و تدریس ہو، حلال و حرام بیان کرنے کی مجلس ہو لیکن کس قدر ظلم اور زیادتی ہے کہ مجالسِ ذکر کی فضیلت سے ذکر اللہ تہلیل اور تسبیح کی مجلس تو نکال دی جائے جس کے متعلق یہ ساری فضیلتیں آئی ہیں اور یہ کہا جائے کہ بس ان مجالس سے مراد صرف تعلیم و تدریس کی مجالس ہیں۔ ایسا رویہ رکھنے والوں سے درخواست یہ ہے کہ وہ مجالسِ ذکر کی اہمیت کو نہ گھٹائیں اور اپنی آخرت کو برباد نہ کریں اگر انہی فضیلتوں کو دوسرے تعلیمی مجالس کے حق میں بیان کریں تو پھر عوام کو یہ بھی سمجھائیں کہ یہ فضیلتیں اگرچہ مجالسِ ذکر کیلئے ہیں لیکن ان میں تعلیمی مجالس بھی داخل ہیں۔

جن مجالس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توہین ہوتی ہے یا کسی کی غیبت یا جھوٹ بولا جاتا ہے یا غلط حدیث بیان کی جاتی ہے وہ مجالس ذکر میں داخل نہیں:

یہاں ایک بات کی نشان دہی ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک یا رسول اللہ ﷺ پر ایسے انداز میں درود شریف پڑھنا جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توہین ہو رہی ہے یا سونے والوں کی نیند کو خراب کیا جاتا ہو، جیسا کہ بعض مساجد میں لاؤڈ اسپیکر پر ساری ساری رات تلاوت ہوتی رہتی ہے اور ذکر تہلیل و تسبیح کی جاتی ہے جیسا کہ انشاء اللہ اس کا بیان آجائے گا تو ایسی صورت میں یہ مجالس، مجالسِ ذکر میں شامل نہیں بلکہ وہ تو دوسروں کی ایذاء پہنچانے اور حدودِ شرعی سے تجاوز کی وجہ سے ناجائز اور کارِ گناہ بن جائے گی۔ اسی طرح آج جو بعض لوگ تقریریں کرتے ہیں اور تعلیم اور قرآن مجید کے ترجموں وغیرہ میں یا تو جھوٹ بولتے ہیں یا اپنے مخالفوں پر بہتان باندھتے ہیں یا اسلاف کی توہین اور تحقیر کرتے ہیں یا بادشاہوں اور اپنے اپنے قائدین کی تعریف میں مسجدوں میں نعرے لگاتے ہیں اور ان کی بے جا تعریفیں کرتے ہیں۔ یہ ساری وہ باتیں ہیں جو ان مجالس میں نجاست ڈال کر ان مجالس کو پلید اور گندہ کر دیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ مجالسِ ذکر سے خارج ہو جاتی ہیں اور ایسی غلطی کرنے والے اپنی آخرت کو برباد کر رہے ہیں بلکہ علماء تو جمعہ اور عید کے خطبہ کے متعلق بھی یہ

فرماتے ہیں کہ اس میں نامناسب باتیں ہو جائیں تو وہ ذکر میں شامل نہیں ہو سکتیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور جو نماز جمعہ کیلئے شرط ہے اور جس کے بغیر نمازِ جمعہ بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ علامہ زمخشریؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ما کان من ذکر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والثناء علیہ وعلی خلفائہ الراشدین واتقیاء المؤمنین الموعظة والتذکیر فھو فی حکم ذکر اللّٰہ فاما ماعدا ذالک من ذکر الظلمة وألقابھم والثناء علیھم والدعاء لھم وھم احقاء بعکس ذالک فمن الشیطان وھو من ذکر اللّٰہ علی مراحل......الخ:

رسول اللہ ﷺ کا جو ذکر اس پر ثناء اور اس کی تعریف اور آپ ﷺ کے خلفاء، خلفائے راشدین پر اور پرہیزگار مؤمنوں پر ثناء اور ان کی مدح، تعریف کرنا اور وعظ، نصیحت (یہ سب کچھ) اللہ تعالیٰ کے ذکر کے حکم میں ہیں[1] اور اس کے علاوہ ظالم حکمرانوں کی مدح وثناء یا انکو (بے جا بڑے بڑے القاب دے دینا اور ان کیلئے دعا کرنا حالانکہ وہ اس کے برعکس معاملہ کے لائق ہوں) تو ایسا خطبہ ذکراللہ کے بجائے ذکرِ شیطان ہے اور (ایسے خطبہ کا) ذکراللہ سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں (تفسیر کشاف، جلد ۴، ص ۹۸ تا ۹۹، تفسیر کبیر، جلد ۳، ص)۔

ذکر جہری اور مجالس ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیتوں اور سینکڑوں احادیث سے ثابت ہیں:

گزشتہ صفحات میں جہری ذکر اور مجالسِ ذکر کے متعلق قرآن مجید کی جو دس سے زائد آیتیں پیش کی گئیں اور سینکڑوں روایتوں اور حدیثوں میں سے جو ساٹھ سے زائد حدیثیں پیش کی گئیں اور اس کے متعلق علمائے کرام کے حوالے دیکھے گئے ہیں یہ سب کچھ بطور نمونہ ہیں ورنہ اگر قرآن مجید کے متعلق آیتوں کو جمع کیا جائے اور ان تمام احادیث اور آثار کو جمع کیا جائے جس سے جہر صراحۃً یا التزاماً یا ضمناً و اشارۃً ثابت ہے تو صرف ان آیتوں اور حدیثوں سے بھی ایک ضخیم کتاب بن جائیگی۔

لمحہ فکریہ:

آخر آپ خود غور کریں اور مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر کو دیکھیں کیا انہوں نے کبھی جہراً دعائیں نہیں

[1] یہاں یہ نہیں فرمایا کہ یہ سب حقیقتاً ذکر ہیں بلکہ یوں فرمایا کہ "فی حکم ذکر اللہ" ذکر الٰہی کے حکم میں ہیں۔

مانگیں؟ کیا انہوں نے کبھی جہراً تلاوت و ذکر نہیں کیا؟ مکہ مکرمہ جائیں وہاں طواف کے دوران دیکھیں مسجد ہے بلکہ تمام مساجد سے افضل مسجد ہے اس میں ذکر کی گونج ہے۔اور یہ گونج دن رات ہوتی رہتی ہے۔ملتزم پر دیکھیں لوگ گڑگڑاتے ہیں مطاف اور صفا مروہ میں دیکھیں اور یہ سلسلہ اب سے نہیں شروع ہوا بلکہ عہد مبارکہ سے چلا آرہا ہے لیکن جہر کے ساتھ ہمارے بعض دانشوروں نے جو معاملہ کیا اور اس کو شجرہ ممنوعہ قرار دے دیا کہ مسلمانوں کے دل سے شوق ذکر نکل گیا اور عید الاضحیٰ میں نماز عید کو جاتے وقت لوگ گونگے بہروں کی طرح جاتے ہیں اور مکہ مکرمہ کے پہاڑوں میں تلبیہ کی چیخ و پکار میں بھی وہ زور نہ رہا۔

البتہ انسانوں کے نام بلند کرنے اور اپنی جماعتوں کے نام بلند کرنے میں ایسا زور لگایا جارہا ہے گویا یہی اصل دین ہے۔مسجدوں میں زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں وہ بھی جہرِ معتدل کے ساتھ نہیں بلکہ جہرِ مفرط اور اس سے بڑھ کر جہرِ موذی ہوتا ہے آوازوں سے گلے بیٹھ جاتے ہیں اور لاؤڈ سپیکروں پر نعرے بلند ہوتے ہیں جن کی وجہ سے کان بند ہو جاتے ہیں۔لوگوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ کے بجائے خرافات اور بکواسی تقریریں جاہلوں کے بیانات جو کہ حدِ حرام تک پہنچ گئی ہیں ان کو افضل الذکر قرار دیا جاتا ہے، اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کا نام لینے والوں پر فقرے کسے جاتے ہیں۔جس سے نقصان یہ ہوا کہ مجالسِ ذکر اور مجالس تہلیل و تسبیح کا فقدان ہو رہا ہے اور اس فقدان سے انفرادی طور پر بھی تسبیح و تہلیل اور ذکر و تلاوت میں بھی کمی آنی شروع ہوگئی ہے کیونکہ عوام کو یہ باور کرایا گیا کہ بس بولو، بیان کرو، پڑھو، پڑھاؤ۔یہی اصل ذکر ہے تو اس کی وجہ سے ذکر اللہ جو اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کے ساتھ سچی محبت کا ذریعہ ہے اس کے راستے مسدود ہونے لگے، گھر میں بچے، مدارس میں طالب علم، عوام، خواص کے عمل کو دیکھ کر عمل سیکھتے ہیں پہلے پہل مدارس میں مسلمانوں کے گھروں کے چھوٹے بچوں اور عوام کی زبانیں ذکر سے تر رہتی تھیں کردار کے بلند تھے اور جب سے بیانات کا یہ نرالا ذکر شروع ہوا ہے خواص کے بجائے عوام بھی ماہرین بیانات، اور اعمال کے کورے بن گئے۔جس کی وجہ سے لوگ عمل کے بجائے باتوں کے سیلاب میں بہہ گئے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ سے وہ تعلق نہ رہا جو ہونا چاہیے اور جب اللہ تعالیٰ سے کٹ گئے اور دنیا اور نفس پرستی میں مشغول ہوگئے تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا۔کیونکہ وہ تار ہی ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے مسلمان جڑے ہوئے تھے وہ دھاگہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی تعلیمات اور دستورِ زندگی سے محبت ہے۔اللہ تعالیٰ کرے کہ پھر مسلمانوں کی آبادیوں میں ذکرِ الٰہی، تلاوت، تسبیح و تہلیل کی فضا قائم ہو جائے اور دل اللہ تعالیٰ سے مضبوط جڑ جائیں اور پوری تعلیماتِ الٰہی کو اپنے اوپر اور تمام انسانوں پر نافذ کرنے کی کوشش میں لگ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کو اپنا کر دنیا و آخرت کی کامیابیوں کو حاصل

کریں (آمین)۔

ذکر و تلاوت سے کسی دوسرے ذاکر، نمازی، قاری یا کسی دوسرے مسلمان کو اذیت و تکلیف نہیں پہنچانی چاہیئے:

جہری ذکر و تلاوت سے شیطان، منافق اور کافر پریشان تو ہو ہی جاتا ہے جب کسی کافر یا منافق سے یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ دین کا مذاق اڑائے گا یا کوئی اذیت پہنچائے گا پھر تو جہر کو نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ البتہ اگر مذکورہ بالا خطرہ ہو پھر "وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَاتُخَافِتْ" اور "...... وَالْاٰصَالِ وَلَاتَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ" کی آیتوں کی روشنی میں وقت کے تقاضے کے مطابق ذکر و تلاوت میں مشغول رہو، البتہ اگر کسی مسلمان کو آپ کے ذکر سے تکلیف ہو مثلاً وہ نماز پڑھ رہا ہے اور آپ کی تلاوت سے اس کی تلاوت میں خلل پڑتا ہے یا وہ بھی جہراً تلاوت کرتا ہے اور آپ بھی نوافل میں مشغول ہیں لیکن اگر آپ اس سے زیادہ جہر کرتے ہیں تو اس کی تلاوت میں گڑ بڑ ہو جاتی ہے یا کوئی سو رہا ہے یا کوئی قرات کر رہا ہے اور لوگ سن رہے ہیں تو ذکر جہر سے اس کی قرات میں خلل آ جاتا ہے تو ایسی صورت میں چونکہ مسلمان کو ایذاء و تکلیف پہنچتی ہے اس لئے شریعت مطہرہ کا حکم یہی ہے کہ کسی کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچائے تو ایسی صورتوں میں جہر کے بجائے آہستہ آواز کے ساتھ ذکر کرنا چاہیئے یا ایسے جہر سے ذکر کرنا چاہیئے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں معتکف تھے تو آپ ﷺ نے سنا کہ صحابہ کرام جہر (یعنی بلند آواز سے) قرات و تلاوت کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے (اپنے خلوت خانے کے) پردے کو ہٹایا اور فرمایا:

> الا کلکم مناج ربه فلا یوذینّ بعضکم بعضًا ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرآة او فی الصلاة :خبردار تم میں سے ہر ایک اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات (اور سرگوشی) کرنے میں مشغول ہے لہذا ایک دوسرے کو ایذاء و تکلیف نہ پہنچاؤ اور قرات میں یا (آپ ﷺ نے یوں فرمایا) نماز میں ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کیا کرو (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد ا،ص ۱۸۸)۔

اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ جہری ذکر ممنوع ہے۔ "حاشا وکلا" حدیث کے الفاظ کو دیکھ لیجئے وہ یہی بتا رہے ہیں کہ تلاوت و ذکر جہراً اور بلند آواز کے ساتھ جائز ہے، البتہ ایک دوسرے کی مناجات اور سرگوشی میں خلل ڈال کر ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ کیونکہ آپ ﷺ خود بھی معتکف تھے اور آپ ﷺ کے

ساتھ صحابہ کرامؓ بھی اعتکاف کیلئے بیٹھے تھے، تو رات کے وقت یا کسی وقت وہ مسجد میں تلاوت کرتے تھے اور یہ تو معلوم ہے کہ عہد مبارک میں چھپا ہوا قرآن مجید تو تھا نہیں بلکہ اکثر یہ ہوتا تھا کہ نماز کے بغیر بھی بن دیکھے یاد سے قرآن کی تلاوت کی جاتی۔ ایسی صورت میں ایک دوسرے پر آواز اٹھانے کی وجہ سے نماز میں بھی خلل آجاتا ہے اور دوسرے قرأت وتلاوت میں بھی۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے جہاں یہ فرمایا کہ دوسرے پر آواز بلند نہ کیا کرو یعنی اگر آواز سے بھی پڑھو تو ایسے انداز میں نہ ہو کہ دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ آپ ﷺ نے اپنے اس حکم کی علت اور وجہ خود متعین فرمائی۔ وہ یہ کہ اپنے جہری ذکر وتلاوت کی وجہ سے دوسرے ذاکر، نمازی، قاری کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ بندہ کے خیال میں حدیث کے الفاظ اتنے صاف ہیں کہ ان کو دیکھ کر ایک ادنیٰ عقل والا اور عام شخص بھی اس کا مطلب یہ نہیں لے گا کہ بلند آواز سے تلاوت وذکر جائز نہیں، بلکہ اس کے برعکس یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کسی کو تکلیف نہ ہو تو رفع الصوت یعنی بلند آواز کے ساتھ بھی ذکر وتلاوت جائز ہے۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ اور احکام الذکر والدعاء:

...... مقصود یادِ الٰہی ہے اور انسان کے سارے اعمال کی جان وروح یہی یادِ الٰہی ہے۔

...... خفیہ، سِرّ اور جہر، یہ اس یاد کی صورتیں اور شکلیں ہیں۔

...... جس موقع پر شریعت مطہرہ نے جہر کی تعلیم دی ہے، مثلاً تکبیراتِ تشریق، تلبیہ یا امام کیلئے صبح، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں جہری تلاوت تو ایسی صورتوں میں جہر واجب یا مسنون ہوتا ہے اس کا خلاف صحیح اور درست نہیں اور جہاں شریعت مطہرہ نے سِرّ یعنی خفیہ ذکر کی تعلیم دی ہے مثلاً ظہر اور عصر کی نمازوں میں چپکے چپکے تلاوت کی جاتی ہے یا رکوع میں "سبحان ربی العظیم" اس طرح جو اذکار نماز میں خفیہ اور چپکے چپکے پڑھے جاتے ہیں ان کا چپکے چپکے پڑھنا واجب یا مسنون ہے ایسے موقع پر سِرّ کے بجائے جہر کو اختیار کرنا بھی درست نہیں۔

...... جہاں شریعت مطہرہ نے نہ چپکے چپکے ذکر کا حکم کیا ہے اور نہ جہر کرنے کا۔ وہاں دونوں صورتیں خواہ سِرّ ہو یا جہر ہو خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے بلا کسی نکیر کے ثابت ہیں اور ایسی صورت میں جہر معتدل کے جواز پر بھی سب کا اجماع اور اتفاق ہے۔ اور جہر معتدل کو بلاوجہ بدعت یا ناجائز کہنا ضلالت اور

گمراہی ہے۔ اور ایسا شخص حلال وحرام اور بدعت وغیرہ احکامات کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لینے کا مجرم اور شرک فی الاطاعت کے جرم میں مبتلا ہے۔

...... دُعا کا ادب یہ ہے کہ اس میں آواز زیادہ اونچی نہ کی جائے البتہ اگر مجمع میں دعا کرنی ہے تو مجمع کے مطابق آواز نکالنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر اکیلے میں دعا ہو تو خفیہ یا قدرِ جہر سے گڑگڑا کر شروع کی تھی با لآخر گریہ وزاری کی شدت سے آواز زیادہ اونچی ہوگئی تو بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ قصداً ایسا کرنا آدابِ دعا کے خلاف ہے اسی طرح تلاوت اور ذکر اگر جہراً کرنا ہو تو اس میں بھی اعتدال ہونا چاہیئے۔ البتہ اگر دین کے اظہار کیلئے ہو یا دشمن کو مرغوب کرنے کیلئے ہو یا اپنے وساوس اور خطرات کو دفع کرنا مقصود ہو یا قاری لوگوں کو قرآن مجید سنا رہا ہو یا کوئی ذکر کی تعلیم دے رہا ہو کہ فلاں فلان دعا ایسی فلاں فلاں وقت یہ کلمات پڑھا کریں تو اس میں اگر آواز زیادہ اونچی ہوگئی تو یہ بھی جائز ہے۔

...... بلاضرورت بلند آواز یعنی چلانے اور پکارنے کی آواز جیسا کہ اذان یا تلبیہ میں پوری قوت سے آواز بلند کی جاتی ہے اسی طرح بلند آواز کے ساتھ ذکر وتلاوت اگر بلاضرورت اور بلا کسی مصلحت کے ہو۔ ذکر جہر کی اسی صورت میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء اس کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جہاں تک ذکر کی آواز جائیگی وہاں تک کے ہر خشک وتر چیز قیامت میں اس کیلئے گواہ بنے گی اور اس کے عمل کی گواہی دے گی۔ اور "دون الجھر" اور" ولاتجھر بصلاتک ولاتخافت بھا "اور" اربعوا "والے جیسے نصوص کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ ان میں جہرِ معتدل کی جو تعلیم ہے اس کی بنیاد بھی شفقت ہے یا وہ اس وقت مصلحت کے خلاف تھا۔ جیسا کہ اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔ لیکن قرآن وسنت کی رُو سے صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ذکر وتلاوت سب کے آداب یہی ہیں کہ وہ جہرِ معتدل کے ساتھ ہو یا خفیہ ہو لیکن اگر کسی وقت آواز اونچی بھی ہوجائے تو بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ضرورت اور مصلحت کے پیشِ نظر تو کبھی یہی بلند آواز مسنون اور کبھی جائز قرار پاتی ہے۔ اور ضرورت اور مصلحت کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔ نیز غلبۂ شوق کی وجہ سے یا الحاح وزاری میں بے اختیار زیادہ آواز بلند ہوجائے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور اسکے

بغیر عام حالات میں زیادہ بلند آواز کے ساتھ ذکر نہیں کرنا چاہئے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔

...... اگر جہراً تلاوت اور ذکر ایسے انداز میں ہو جس سے ذکر و تلاوت کی بے ادبی نمایاں ہو رہی ہو۔ یا اگر جہری ذکر و تلاوت کی وجہ سے کسی ذاکر مثلاً نمازی یا دوسرے تلاوت کرنے والے وغیرہ کے ذکر و نماز میں خلل آجاتا ہے یا کسی سونے والے کی نیند خراب ہو جاتی ہے یا کسی مریض کو نقصان پہنچتا ہے یا خود ذاکر کو زیادہ جہر سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو ایذاء رسانی کی وجہ سے اس ذکر و تلاوت کو ذکرِ مضر کہا جاتا ہے جس کے ناجائز ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

...... جس موقع پر ذکر تو منقول ہو لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس موقعہ پر جہر ثابت نہ ہو تو اس وقت سفتِ جہر کو اختیار کرنا حضرت امام حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدعت ہے کیونکہ جہاں ذکر تو منقول ہے لیکن پھر بھی نبی کریم ﷺ نے اس موقعہ پر جہر نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں اگر کوئی جہر کو اختیار کرتا ہے تو وہ ذکر کے ساتھ سفتِ جہر کو بھی عبادت مقصودہ کا اعتقاد رکھے گا اور ایسے موقع پر یہی اعتقاد ایک نیا اعتقاد ہے جو بدعت ہے اس کی مثال عید الفطر کی نماز کو جاتے وقت ذکر اور تکبیر کہنا ہے کہ یہ ذکر کا موقعہ تو تھا جیسا کہ عید الاضحیٰ کی نماز کو جاتے ہوئے جہراً تکبیریں کہی جاتی ہیں لیکن نبی کریم ﷺ نے جہراً تکبیریں نہیں کہی ہیں تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عید الفطر کے وقت جہری تکبیریں کہنا بدعت ہے۔ تکبیرات تشریق حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف آٹھ نمازوں میں ثابت ہے وہ صرف انہی نمازوں میں ان کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس سے زیادہ نمازوں میں تکبیریں کہنے کو بدعت کہتے ہیں یہ بھی اس لئے کہ جو شخص یہ زائد تکبیریں کہے گا واجب اور مسنون سمجھ کر کہے گا حالانکہ جب اس کا وجوب یا مسنون ہونا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں تو یہ مسنونیت کا اعتقاد ایک نیا اعتقاد ہے جو بدعت ہے لیکن دوسرے ائمہ جن میں امام ابو حنیفہؒ کے دو عظیم شاگرد بھی شامل ہیں یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ایسے مواقع میں بھی جہر جائز ہے۔

...... ذکر الٰہی عبادت مقصودہ اور کار ثواب ہے رہا سرو جہر اور خفی وغیرہ یہ سب اس کی صورتیں

شکلیں اور اقسام ہیں اور ان صورتوں میں یاد الٰہی ادا ہو جاتی ہے۔لہٰذا ذکر اور یاد الٰہی کو کسی ایک شکل وصورت میں منحصر نہیں سمجھنا چاہیے مثلاً ذکر جہری کو تو ذکر کہا جائے اور ذکر سری کو ذکر ہی نہ سمجھا جائے یا جس موقع پر شریعت مطہرہ نے جہر یا سر کی کوئی صورت مقرر نہیں فرمائی ہو اس موقع میں خارجی وجوہ واسباب کے بغیر کسی ایک صورت مثلاً سر یا جہر کو نا جائز سمجھنا یا کسی خاص صورت کو مسنون یا ضروری سمجھنا یہ سب کچھ اسلام میں نرالا اور نیا عقیدہ گھڑ لینا ہے اور یہی نیا اعتقاد بدعت ہے لہٰذا اگر عوام میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ "ذکر جہری" میں ذکر ہے اور اس کے سوا ذکر کو ذکر ہی نہ کہا جائے تو ایسی صورت میں چونکہ عوام کے اعتقاد خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے ایسے موقع پر اپنے عمل سے بھی اور قول سے بھی یہ بات ضروری قرار پاتی ہے کہ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ ذکر جہر میں منحصر نہیں بلکہ اسکی تمام صورتیں جائز ہیں۔اسی طرح اگر کوئی ذکر جہری کو نا جائز باور کرانے کی کوشش کرتا ہے یا اس کو بدعت قرار دیتا ہے وہاں بھی اپنے قول وعمل سے جہر کو ثابت کرنا ضروری قرار پاتا ہے۔

جس موقع پر سر وجہر کی کوئی صورت مقرر نہ ہو ایسے موقع پر جہر افضل ہے یا سر اس میں علماء کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف ذوق کے اختلاف کی وجہ سے ہے جہاں ریاء کا خوف ہو وہاں سر اور خفیہ بالاتفاق افضل ہے اور جہاں ریاء کا اندیشہ نہ ہو اور جہر سے مقصود یہ ہو کہ دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب ہو جائے یا اپنے آپکو غفلت کی نیند سے جگانا یا وساوس یا خطرات کو دفع کرنا مقصود ہو یا اسی کی کوئی اور مصلحت ہو تو پھر ذکر جہر افضل ہے۔

چونکہ ذکر اللہ کے بارے میں قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ خوب کثرت سے ذکر کرو۔اور ہر جگہ یہ حکم مطلق ہے یعنی یہ حکم سب حالات کو شامل ہے لہٰذا بیٹھ کر ہو یا کھڑے ہو کر سر ہلا کر ہو جیسا کہ قرآن شریف کی تلاوت میں بھی لوگ سر ہلاتے ہیں جس کی وجہ سے نشاط حاصل ہوتا ہے یا سر جھکا کر ہو جہراً ہو یا سراً ہو انفرادی ہو یا اجتماعی ہو مساجد میں ہو یا گھروں میں ہو ہر طرح جائز ہے۔ بشرطیکہ کسی خاص صورت کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جائے اور اس کو لازم قرار نہ دیا جائے کہ اس کی وجہ سے دوسروں پر نکیر کی جائے اگر کسی خاص صورت کو ضروری قرار دے کر دوسروں پر نکیر کی جائے جیسا کہ بعض لوگوں خصوصاً جاہل نام نہاد صوفیوں میں یہ بیماری بہت کثرت سے پائی جاتی ہے۔کہ یہ کسی خاص صورت پر ایسا زور دیتے ہیں کہ جو اس طریقے اور صورت کے خلاف

دوسرے طریقے پر ذکر کرے تو وہ اس کو غلط قرار دیتے ہیں تو ایسی صورت میں کسی ایک طریقہ وصورت پر زور دے کر دوسرے طریقے وصورت کی تردید کرنا بدعت ہے کیونکہ شریعت نے جب کسی صورت کی نہ نفی کی ہے اور نہ کسی صورت کو لازم قرار دیا ہے تو کسی کو کیا حق ہے کہ وہ کسی صورت کو ناجائز کہے یا کسی صورت کو واجب یا ایسا ضروری قرار دے کہ دوسروں پر نکیر کرنے لگے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الحقَّ حقًا وَارْزُقْنَا اتباعه وَارِنَا البَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم.

بندہ مختار الدین

کربوغہ شریف

۱۸ اگست، ۲۰۰۰ء

۸ جمادی الاولیٰ، ۱۴۲۱ھ